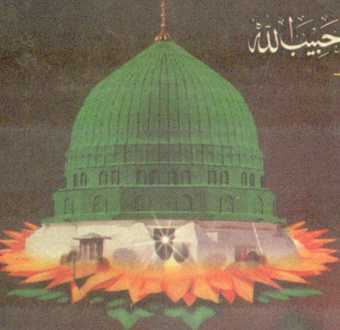
الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ۷۸۶/۹۲ وعلیٰ آلک واصحبک یاحبیب اللہ



شرح قصیدہ بُردہ شریف

(عربی، اُردو)

مصنف:

شیخ جمال بن نصیر چنابی عرف حضرت لال جمال بخشی رسول رحمۃ اللہ علیہ

بفیضانِ نظر: مظہر جمال خواجہ محمد طفیل چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ

ملنے کا پتہ: آستانہ عالیہ حضرت لال جمال بخشی رسول، حضرت کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ



حضرت سیدنا خواجہ جمال الدینؒ

المعروف حضرت لال جمال بخشی رسول چشتی نظامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللہ

شرح قصیدہ بُردہ شریف

مصنف:

شیخ جمال الدین بن نصیر چنابی المعروف حضرت لال جمال بخشی رسول رحمۃ اللہ علیہ

مترجم: حضرت علامہ مفتی محمد رضاء المصطفےٰ ظریف القادری صاحب
مولانا آفتاب احمد رضوی صاحب، قاری محمد یٰسین قادری شطاری صاحب

حسب فرمائش:

صاحبزادہ حضرت پیر کرامت علی چشتی نظامی
صاحبزادہ حضرت خواجہ بشارت علی چشتی نظامی
(سجادگان آستانہ عالیہ حضرت لال جمال بخشی رسول حضرت کیلیانوالہ شریف)

حصول برکات وخصوصی تعاون: سگِ مظہر جمال خواجہ محمد طفیل
صاحبزادہ خواجہ محمد آصف جمال چشتی نظامی جمالی

ناشر: آستانہ عالیہ حضرت لال جمال بخشی رسول حضرت کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ

نام کتاب ——— شرح قصیدہ بردہ شریف (عربی، اردو)

مصنف ——— شیخ جمال الدین بن نصیر چنابی

——— المعروف حضرت لال جمال بخشی رسول رحمۃ اللہ علیہ

مترجم ——— حضرت علامہ مفتی محمد رضاء المصطفےٰ ظریف القادری

مولانا آفتاب احمد رضوی، قاری محمد یٰسین قادری شطاری

تاریخ اشاعت ——— ۲۷ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ بمطابق ۱۰ جولائی ۲۰۱۰ء

صفحات ——— ۴۱۶

باراول ——— ۱۱۰۰

تحریک وتعاون ——— سگ خواجہ محمد طفیل صاحبزادہ محمد آصف جمال چشتی نظامی جمالی

صاحبزادہ باوا یاسر جمال چشتی نظامی جمالی

خادم مظہر جمال چوہدری محمد عاشق باٹھ جمالی مبلغ

بھائی نذیر احمد تلونڈی موسیٰ خاں، ماسٹر ڈاکٹر محمد بوٹا جمالی

برائے ایصال ثواب: صاحبزادہ خواجہ ناصر جمال شہید چشتی نظامی علیہ الرحمۃ

ملنے کا پتہ:

- آستانہ عالیہ حضرت لال جمال بخشی رسول حضرت کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ
- مکتبہ رضائے مصطفےٰ چوک دارالسلام گوجرانوالہ
- مکتبہ قادریہ سرکلر روڈ نزد میلاد مصطفےٰ چوک گوجرانوالہ

انتساب

ہم اپنی اس کاوش کو

صاحبزادہ خواجہ ناصر جمال شہیدؒ چشتی نظامی جمالی رحمۃ اللہ علیہ

کی بارگاہ میں ہدیہ تحفہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ پاک شہید کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

سگانِ خواجہ محمد طفیل مظہر جمال

صاحبزادہ خواجہ یاسر جمال چشتی نظامی جمالی

پیش لفظ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ. وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِہِ الکَرِیمِ.
اَمَّا بَعدَ فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ. بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ.

قصیدہ بردہ شریف کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس کو محمد بن سعید بوصیریؒ مصری المتوفی ۶۹۴ھ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں لکھا۔ بے شمار علماء کرام نے اس قصیدے کی شرح اور ترجمے کئے۔ شیخ جمال بن نصیر چنابی یمنی حضرت جمال الدینؒ عرف ''حضرت لال جمال بخشی رسول'' نے بھی اس کی شرح عربی میں لکھی۔ یہ شرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور میلادِ پاک کے لیے عظیم خزانہ ہے:۔

صاحب شرح کا تعارف: شیخ جمال بن نصیرؒ اور آپ کے حقیقی بھائی جلال بن نصیرؒ نے شہر غزنی سے طلب علم ومعرفت کے لیے مغل بادشاہ اکبر کے اوائل یا وسط کے زمانے میں ہجرت کی اور پنجاب کی زمین کو اپنا وطن بنایا۔ دونوں بھائیوں نے کیلیانوالہ بستی میں قیام کیا جوان حضرات کی بدولت ''حضرت کیلیانوالہ'' مشہور ہوا۔

دونوں حضرات صاحبان علم ومعرفت تھے۔ علوم اور معارف عربیہ اسلامیہ میں قوی تھے۔ فنون نظری اور عمل میں تبحر تھے۔ لغت عربی اور اس کے اداب کے عالم باخبر تھے۔ بڑے بھائی شیخ جمال بن نصیر شرح قصیدہ بردہ شریف کے مؤلف ہیں۔ آپ نے خود فرمایا ''تحقیق اس کتاب مستطاب کے مسودے سے فارغ ہوا۔'' یعنی شرح قصیدہ بردہ''۔

اسی شرح کے نقل کرنے والے نے کہا'' شرح قصیدہ بردہ جو کہ زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین محی سنی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ عارف باللہ زاھد فی الدنیا اور راغب الی اللہ۔

مولانا جمال بن نصیر ساکن موضع کیلیانوالہ نے گاؤں کا نام ''کیلوآنہ'' سے بدل کر حضرت ''کیلیانوالہ'' رکھا۔

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے شیخ الحاج محمد لاہوریؒ کو اس وقت خط لکھا۔ جب ان کو شیخ جمال چنابی کی وفات کی خبر پہنچی۔ انہوں نے لکھا:

''شیخ جمالؒ کا فوت ہونا تمام اہل اسلام کے لیے باعث حزن وملال ہے۔ موصوف کے

مخدوم زادوں کو فقیر کی طرف سے تعزیت کرنا اور فاتحہ پڑھنا۔ والسلام۔

آپؒ کے بھائی شیخ جلال بن نصیرؒ نے قصیدہ بردہ کی شرح عربی میں لکھی اور اس کا نام "کشف الحائق" رکھا اور اس شرح میں اپنے بڑے بھائی شیخ جمالؒ کی شرح سے استفادہ کیا۔

بقول ڈاکٹر احمد حسن گجراتی: "شیخ جمال" وہ بندہ مومن جو اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرتے تھے اور اپنی تمام تر زندگی خدمت دین اور عربی زبان کے آداب کی خدمت میں صرف کی۔ وہ ولی کامل کہ جس کو بجا طور پر محبین رسول ﷺ میں شمار کیا جاسکتا ہے جیسا کہ "جامی و رومی" کو۔

انہوں نے عربی زبان میں قصیدہ بردہ کی شرح لکھی اور اپنے دل کی محبت کو ظاہر کرنے کے لیے لعل و جواہر جیسے کلمات آپؒ کی زبان سے ظاہر ہوئے اور عجیب و غریب معانی و افکار لے آئے۔

آپ کا مزار مبارک ایک ایسے انسان کی آرام گاہ میں ہے جو رسول اللہ ﷺ کا محب تھا۔ صاحب قبر کے بارے میں مجھے حیرت و استعجاب نے گھیرا۔ مجھے محسوس ہوا کہ یہ شخصیت علم کی روشنی پھیلانے کی خاطر بھیجی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔ (ڈاکٹر احمد حسن، گجرات)

شیخ جمالؒ کی تالیفات: (۱) حاشیہ شرح جامی (۲) شرح قصیدہ بانت معاد

(۳) شرح قصیدہ البردہ فارسی زبان (قاطع البدعۃ)

(۴) شرح قصیدہ البردہ بالعربیہ

شرح قصیدہ بردہ العربیہ: یہ ایک نادر شرح ہے جو کمالات لفظیہ اور معنویہ پر مشتمل ہے۔ علمی فوائد اس میں جمع ہیں۔ فنی اور لغوی قیمتی نکات سے پُر ہے۔ علماء محققین مکرر بیان کرتے ہیں کہ شیخ موصوف عالم نبیل، یکتسائے روزگار معلم، مدقق اور بڑے لکھاری تھے۔ شیخ جمال بن نصیر چناتیؒ وہ عظیم انسان ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے محبت کی اور عربی زبان سے محبت کی۔

آپ صاحب کرامات بزرگ ہیں اگرچہ انہوں نے اس دنیا سے انتقال کیا لیکن ہمیشہ صاحب مرتبہ بزرگ رہیں گے اور دنیا کے لوگوں کے دلوں میں اس کا اثر رہے گا۔ آپؒ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ آپ کے خلفاء میں بڑے بڑے اولیاء اللہ گزرے ہیں۔

ڈاکٹر خالق داد ملک

شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

جمالؒ صاحب کا مزار مبارک گاؤں میں داخل ہوتے ہی سامنے ہوتا ہے۔ مزار مبارک سادہ قبر مبارک 'ون کے درخت' کے نیچے تھا۔ سرکار مظہر جمال خواجہ محمد طفیلؒ نے آپؒ کی اجازت

سے 'روضہ مبارک' تعمیر کروایا۔ آپ کا شمار بڑے بڑے قطب الاقطاب میں ہوتا ہے۔ آپ کے اکثر اوصاف خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے مماثلت رکھتے ہیں۔

○ آپ کے مزار مبارک کی خاک ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔

○ آپ کے مزار مبارک کے ساتھ ایک ''کھوئی'' ہے جس کو ''مکے والی کھوئی'' کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب آپ حج کو تشریف لے جاتے تو آتی دفعہ کافی مقدار میں آبِ زمزم لے کر آتے اس کو اس کھوئی میں ڈال دیتے۔ اس لیے اس کھوئی کے پانی میں بہت برکت ہے۔ بیماروں کو اس سے شفاء ہوتی ہے۔ اسی لیے اس کو ''مکے والی'' کھوئی کہتے ہیں۔

○ یہ بھی بزرگوں سے سنا ہے کہ آپ کے ہاں ایک ولی اللہ تشریف لائے۔ انہوں نے کہا کہ سرکار ہمارا روزہ ہے اور ہم آب زمزم سے روزہ افطار کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے اپنے ایک خادم کو ایک ''گڑدی'' دی اور کہا کہ جاؤ آب زمزم لاؤ۔ تو وہ خادم فقیر غائب ہوا۔ ''چند لمحے بعد آب زمزم لے کر حاضر ہوا۔ عرض کیا حضور مکہ مکرمہ سے لایا ہوں۔ تو ولی اللہ نے روزہ افطار کیا اور باقی پانی مکے والی کھوئی میں ڈالا اور فرمایا کہ یہ اب مکے والی کھوئی ہے اس کے پانی میں آب زمزم کا اثر رہے گا۔''

○ مزار کے احاطے میں ایک ''تالاب'' دیکھا ہے اس کے پانی میں یہ تاثیر تھی کہ جو بھی جلدی بیماری والا مریض اس میں نہاتا ہے صحت یاب ہو جاتا ہے۔

○ آپ کے مزار مبارک پر پنچھی کے دو مانجے رکھنے سے اور جھاڑو دینے سے چہرے کے مسّوں کی بیماری ختم ہو جاتی ہے۔

○ کوئی لاعلاج مریض بھی اگر مزار پر چالیس دن گزارے اللہ کے فضل سے اس کا مرض جاتا رہتا ہے۔

○ بعض روایتوں کے مطابق آپ کی ولادت ۹۰۰ ھ کے آخر میں اور وصال ۱۲ ربیع الاول ۱۰۰۱ھ میں ہوا۔

○ آپ کا عرس مبارک ہر سال ۲۶ ہاڑ سے ۲۸ ہاڑ تک بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔ پاکستان کے علاوہ بیرون ملک سے بھی زائرین آتے ہیں۔

آپؒ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہا درجہ کی محبت کرتے تھے اور درود و سلام کی کثرت کیا کرتے تھے۔ آپ کا لقب ''بخشی رسول'' اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپؒ کو خصوصی عطا سے نوازا گیا۔ تو آپ بخشی رسول ''عطائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' مشہور ہوئے۔

شجرۂ شریف چشتیہ قادریہ

سرکار حضرت لال جمال بخشی رسول حضرت کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهٖ وَسَلِّمۡ.

خدایا حمد تیری میں ہر دم پکاراں ۔ ثنائے پاک سرور اتے چار یاراں
مولا علی ہیں شیر مولا شاہ فقیراں ۔ کرو دل صاف میں عاجز پکاراں
اونہاں تھیں خواجہ حسن بصری پیر ہوئے ۔ پایا فیض خیر التابعین تھیں ہزاراں
خواجہ عبدالواحد ہیں جی شاہ ساڈے ۔ مرید اندر فقر کر دے بہاراں
خدا دے واسطے یا خواجہ فضیل ۔ خادماں ول نظر کرو وانگ باراں
شاہ ابراہیم بلخی پیر کامل ۔ لیو ہر دم مریداں آن ساراں
کرو دل صاف خواجہ سدید الدین ابوحذیفہ ۔ لے چلو مینوں مجلس پیغمبر نال یاراں
خواجہ امین الدین ہیرۃ البصری ہادی شاہ ۔ کرو روشن دلاں خادم ہزاراں
خواجہ ممشاد کامل پیر جانو ۔ ترن خادم تساڈے بن قطاراں
شیخ ابو اسحاق کرو مہربانی ۔ ہوون جلدی ساڈیاں سب کاراں
خواجہ ابدال احمد پیر جانوں ۔ دور کرو دلاں وچوں سب خاراں
سرکار ناصر الدین محمد خاص ہادی ۔ پاک کریے دل مریداں کر نظاراں
خواجہ ابو یوسف ہیں بھی راہنما ۔ نظر رحمت تھیں کرو چا کار باراں
شاہ مودود حق کرو مہربانی ۔ طالباں توں دور کرو سب عاراں
سید علاؤ الدین حاجی شریف زندنی ۔ پیر باطن نور کرو دلاں اندر سب یاراں
خواجہ عثمان ہارونی خادماں دل رحم کرو ۔ حضرتاں تے عرض میں عاجز گزاراں
سرکار معین الدین چشتی حسن ہیں پیرما ۔ والی ہندوستان دے سردار یاراں
یا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ۔ راہ باطن دا وکھاؤ اساں گنہگاراں
یا سرکار فرید الدین گنج شکر زہدر الانبیاء ۔ تہاڈے در تے میں عاجز پکاراں
یا خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی ۔ خاص فقروں دیو حصہ کل یاراں
یا شاہ نصیر الدین چراغ روشن ضمیراں ۔ نگاہ کرم سے بچاؤ اساں گنہگاراں
یا حضرت لال جمال بخشی رسول کامل ولیؒ ۔ کرو رحمت دی نظر ہن بے شماراں

چوہدری محمد عاشق باٹھ جمالی مبلغ (آف بھوماں باٹھ، گوجرانوالہ)

(1)

اَمِنْ تَــذَكُّرِ جِيْرَانٍ بِــذِیْ سَلَــمٍ
مَـزَجْـتَ دَمْـعًـا جَرٰی مِنْ مُقْلَةٍ بِدَمِ

(اَمِنْ تَذَكُّرٍ): اِمَّا من الذكر (١) بالضم و هو ما يكون بالقلب أو بالكسر وهـو مـا يكون باللسان، قبل فيه ان هذه الحالة الصعبة لا تنشأ من مجرد الذكر بـالـلسـان، وفيـه ان الـعـاشق المستغرق بشرا شره فى المحبوب لا يكون (٢) لسـانـه ورآء الـقـلـب، بـل لسـانـه ترجمانه، و تقديم المعمول للاهتمام بشأنه، والقول بأنه للتخصيص ليس بشئ.

(جيرَانٍ): كـرام المحبوب ساكنين. (بِذِیْ سَلَمٍ) أى فى موضع ذى سلم (٣) وهـو بـفـتـح اللام و كسرها ; شـجـر ذو شـرك. (مَـذَجْتَ) خلطت. (دَهُهَا جَرَىٰ مِنْ مُقَلَّةٍ بِدَمٍ) من قبيل قولهم كتبته (٤) بيدى أو ذكر المقلة اشعاراً (٥) بأنه مقلة غير متعارف لذهاب الأهداب و الجفون و هى شحمة (٦) العين التى يجتمع (٧) فيها السواد والبياض.

يعنى ان سبب هذا البكآء البالغ أقصى القاية أهو تذكر جيران المحبوب ام تـذكـره؟ لـكـن لا يـذهـب عليـک ان الجيران متصورون بعنوان انهم جيران الـمحبوب، فيكون مذكراً له كالهبوب والايماض فاللائق التسوية بين الكل، و يجوز ان يكون المراد بالجيران ;الـمـحبوب، عبّر به عنه تعظيماً و اجلالاً كما يُعبّـر عـن الـمعظم بالجناب و الحضوة والمجلس فيقال :السلام على حضرته المباركة و مجلسه الشريف، والمراد السلام عليه.

والـمـعـنـى ان السبب هل هو تذكره بلا مذكر و منبه ام به؟ و يحتمل ان يـكون المعنى :أتـذكـرک جيران المحبوب و تصورهم بعنوانِ انهم مشرفون بـصـحبتـه و متمتعون بلقائه أو بمجرد انهم جيران ذو أوتمک فى هذا كما هو مقتضى غيرة العشاق كما قبل بيت:

غيـر تـم باتهِ چناں است كه گر دست دهد
نــگـذارم كـــه دا آئـى بـخيـال دگـران

ام هبوب الريح بسبب انها هبت عليه و شرفت بمواصلته أو على منزله أو بمجرد انها هبت من جانبه أو ايماض البرق بسبب أنه أومض عليه أو على منزله أو بمجرد أنه أو مض من جانبه.

ترجمہ شعر: اے شنائے لذت عشق! کیا یہ روسیاہ کے ہمسایوں کی یاد ہے کہ جس کے باعث تیری مقلۂ چشم سے خون آمیز آنسوؤں کے دھارے بہہ رہے ہیں۔

''ترجمہ شرح'' اُمن تذکرہ: یا تو یہ (ضمہ کے ساتھ) ذکر سے (بنایا گیا) ہے اور وہ ایسی یاد ہے جس کا تعلق دل سے ہے یا کسرہ کے ساتھ ذکر سے ماخوذ ہے اور وہ ایسی یاد ہے جو زبان سے (متعلق) ہوتی ہے اور کہا گیا کہ اس میں ایسی مشکل اور نازک حالت کا بیان ہے جو محض ذکر باللسان سے پیدا نہیں ہوتی (کہ) اس (یاء) میں عاشق کی ہستی اپنے محبوب کی یاد میں مستغرق ہوتی ہے اور معمول کو معاملہ کی اہمیت کے پیش نظر مقدم کہا گیا۔

جیران: محبوب کی تکریم ہے اور محبوب کے قرب وجوار میں رہنے والے،

بذی سلم: مقام ذوحلد میں اور (سلم) لام کے فتحہ اور کسر (دونوں) کے ساتھ (پڑھا جاتا) ہے (مذجت) کی آسان عربی ٹرانسلیشن (خلطت) ہے یعنی ایک شئے کو دوسری شے سے ملاکر (یکجا کر) دیا۔ یہ (معاجدی من معلۃ) بذھر اہل عرب کے (کتبتہ بیدِیَّ) سے قبیل سے ہے۔

○ اور (مقلہ) یعنی آنکھوں کی پتلی کا ذکر اس بات کا شعور دلا رہا یا دلانے کے لیے ہے کہ (مقلہ) پلکوں اور پپوٹوں پر مشتمل نہ ہونے کے باعث غیر معروف ہے۔ یا آنسوؤں کے پلکوں وغیرہ سے گزرنے کے باعث مقلہ غیر معروف ہے اور وہ آنکھ کی ایسی چربی ہے کہ جس کی سیاہی اور سفیدی (دونوں) جمع ہوئی ہیں۔ یعنی کیا اس اشتہاء کو پہنچنے والی گریہ زاری کا سبب محبوب کی ہمسایوں کی یاد اور تذکرہ ہے یا خود یادِ جاناں؟ اور آپ کے ذہن و حافظہ سے یہ بات محو نہ ہو کہ جیران (یعنی ہمسایوں) کا ذکر اس عنوان کے باعث ہے کہ وہ محبوب کے ہمسائے ہیں۔

پس ان کا تذکرہ (اگلے شعر میں مذکور) بجلی کی چمک اور ہوا کے چلنے کی طرح ہے۔ پس ان سب کے درمیان برابری (برابر قرار دینا) مناسب ہے۔

اور یہ بھی جائز کہ (جیران) سے مراد ''محبوب'' ہو اور اُسے اجلال و تعظیم کی وجہ سے اُس سے یعنی (جیران) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ معزز شخص کو جناب، حضرت اور مجلس سے تعبیر کیا

جاتا ہے۔ پس کہنا چاہیے کہ السلام علی حضور المبارکۃ ومجلسہ الشریف اور مراد (السلام علیہ) ہوتا ہے۔ (یعنی اُن پر سلام ہو۔)

(أمِنْ تذکر) والمعنی أن..........

اور معنی یہ ہے کہ گریہ زاری کا سبب جو یاد ہے آیا وہ بغیر کسی یاد دلانے اور تنبیہ کرنے والے کے ہے یا کوئی اس یاد حزن غبار کا پیش خیمہ ہے؟

اور اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ

''کیا محبوب کے قرب وجوار میں رہنے والوں کی یاد اور اُن کے تصور نے اس عنوان (تلخ حقیقت) کے پیش نظر وہ لوگ محبوب کی صحبت سے مشرف ہیں اور اُس کی ملاقات سے لطف اندوز ہونے والے ہیں تجھے مذکور رنج والم میں مبتلا کر دیا محض اس تصور نے کہ وہ اس (محبوب) کے ہمسائے ہیں۔ (جیسا کہ عشاق کی غیرت کا تقاضا ہے)۔

یا یہ اَشکوں کو سیل رواں ہوا کی سرسراہٹ کے سبب سے ہے اس لیے اس ہوا کا گزر وجودِ دوست پر بھی ہوا اور وہ (ہوا) اس کے وصال سے مشرف ہوگی (یا) اس کا گزر اس کے گھر پر سے ہوا یا محض اس سبب سے کہ ہوا اس کی جانب سے آرہی ہے۔ (یا) مقلہ چشمہ سے (جاری) ہونے والی برسات کی محرک کوہِ اضم سے چمکنے والی بجلی ہے اس سبب سے کہ اس برق نامدار نے محبوب پر چمک کہ اُس کے وصال کا لطف اُٹھایا یا محض اس تصور سے حزن وملال کی تصویر بنا ہوا کہ یہ اُس کی جانب سے چمکی ہے (اس کی چمک تجھے اس کے چہرے کی چمک کی یاد دلا رہی ہے۔)

(2)

أَمْ هَبَّتِ الرِّيحُ مِنْ تِلْقَاءِ كَاظِمَةٍ

وَ أَوْمَضَ الْبَرْقُ فِي الظَّلْمَاءِ مِنْ إِضَمِ

(أُمْ هَبَّتِ) مرت (الرِّيحُ) قيل :المعرف للخير و المنكر للشر كما ورد:اللهم اجعلها رياحاً ولا تجعلها ريحاً (١) وقيل بالاضافة بكرن للخير والام تغنى غنائها كما هو رأى البصرين أو عوض عن المضاف اليه كما هو رأى الكوفيين، وقيل:يكون للكل بالقرينة (٢) (مِنْ تِلْقَاءِ) يكسر التا، جانب (كَاظِمَةٍ) (٣) موضع المحبوب، فتذكرته فصرت و الهأ بمجرد أنها جاء ت من جانبه أو كما أنها تثمر

طرارة الأثمار والأشجار والأشباح كذلک المحبوب (١) یوجب نض ارة النفوس والقلوب والارواح أو كما ان هبوبها بُشری فیضان المطر للانسان كذلک مرور المحبوب علی المشتاقین مُبشر بفنون الانعام و صنوف الاحسان أو أنها جاء ت مریحه أو أنها برید العاشقین المشتاقین أو غیرةً علیها مخافة أن زارت تلک المنازل و المحافل کیف و العشاق غیورون علی انفسم كما قیل بیت:

ترا بدیده کشم لیک غیرتم بِکُشد
که باتھ مردمک دیده همنشیں کردد

(وَاَوْمَضَ) لمع (اَلْبَرَاقُ) ما یلمع من السحاب من "بَرَقَ الشئ بریقًا" (فِیْ) اللیلة (الظَلْمَاء) المظلمة بفتح الاول و سکون الثانی بمعنی الظلمة و ربّما یوصف بها فیقال: لیلة ظلماء أی مظلمة كذا ذكره الجوهری. (٢)

(مِنْ اِضَمِ) کِعَنَبٍ، جبل (٣) فصار ذلک موجبًا لبکائک لانه مذکر (٤) عن المحبوب اِذ كما یضئ بلمعانه اللیلة الدجی كذلک المحبوب یشرق بجماله بیت القلب المظلم بظلمة الهجران.

أو كما أنه مقدمة المطر الذی یُحیی به الاَرض المیتة فتتزیَن بزوج بهیج كذلک المعشوق من بع ماء الوصل الذی یحیی به أراضی القلوب المیتة بیبوسة الهجر فتنبت نب ات السرور و القرور.

أو كما أنه یجیُی بطیئًا و یذهب سریعًا كذلک المطلوب أو كما أن فِیه خوفًا و طمعًا كذلک فیه أو كما أنه نار تحرق و توجب المطر كذلک المحبوب ن ور بحرق ماسواه من العاشق و یوجب ماء الوصل، فسبحان من جعل النار سبباً للماء أو رأیت یماضه الجبل الذی هو منزل المحبوب فذهبت نفسک حسرةً علیه فاِن لم یکن سبب بکائک ما ذکر.

<u>ترجمہ شعر</u>: یا مقام کاظم کی حاجت سے ہوا آ رہی ہے (جو اپنے دلکش دامن میں دالخراش حقائق کو لیے ہوئے ہے) یا تب تاریک میں کوہ اضد سے بجلی چمکی ہے؟ (جس سے آئینہ تصور میں تصویر جاناں کو واضح اور بے نقاب کر دیا ہے کہ جس کے باعث آنکھوں سے لہو آمیز آنسوؤں کے فوارے

چھلک رہے ہیں۔)

''ترجمہ شرح'' ام ھبت: (مَرَّت) کے معنی میں ہے یعنی (اُس کا گزر ہوا)

الرّیح: کہا گیا ہے کہ (جب یہ) معرفہ ہو تو خیر کے معنی میں اور نکرہ ہو تو شر کے معنی میں ہے۔

جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے۔ اللّٰھم اجعلھا (یاماً) ولا تجعلھا ریحًا.

اور کہا گیا کہ اضافت کے ساتھ خیر کے لیے ہے اور لام کلام کو موزوں بناتا ہے۔

جیسا کہ تاج بصرہ کا مذہب ہے (یا) لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے جیسا کہ اہل کوفہ کی رائے ہے۔

اور کہا گیا کہ قرینہ کے ساتھ ان سب کے لیے مستعمل ہے۔

من تلقاء: تاء سے کسرہ کے ساتھ (جانب) کے معنی میں ہے۔

کاظمۃ: محبوب کا مقام و مسکن ہے۔

تو میں نے اُسے (ہوا کے گزرنے کو یا محبوب کو) یاد کیا تو میں محض اس وجہ سے غمگین ہو گیا کہ وہ ہوا اُس (محبوب) کی جانب سے آئی ہے اور جیسے بادِ صبا، پھلوں، درختوں اور اجسام کی تازگی میں اضافہ کرتی ہے یا تازگی فراہم کرتی ہے۔ ایسے ہی محبوب کے قلوب وارواح کو تازگی مہیا کرتا ہے۔

اور جیسے اُس (ہوا) کا چلنا بارش کے فیضان کی خوشخبری ہے۔ ایسے ہی محبوب کا گزر اہل عشق کے لیے مختلف اقسام کے انعامات واحسانات کی خوشخبری ہے۔ (یا) وہ ہوا محبوب کی خوشبو کو اپنے دامن میں لے کر آئی۔ (یا) اس لیے کہ ہوا عاشقوں اور مشتاقوں کی قاصد ہے۔

یا اس غیرت کے باعث کہ اُس کا خیال وخطر ہے کہ اس (ہوا) نے اُس کے مساکن و محافل کا نظارہ کیا ہو گا اور یہ بات کیسے گوارہ ہوتی کیونکہ عاشق اپنے معاملات عشق میں غیور ہوتے ہیں۔ ''یا عشاق اپنے محبوب کی ذات کے معاملہ میں غیرت مند ہوتے ہیں''۔

واَومض: لمع کے معنی میں ہے یعنی وہ چمکا (البرق) وہ (روشنی جو تاروں سے نمودار ہوتی ہے) اور وہ برق (روشنی) سے ماخوذ ہے۔ (بریقا)

فی: اللیۃ موصوف محذوف ہے (الظلماء) المظلمۃ (سیاہی بکھیرنے والی) اور (یہ ظلمت کے معنی میں بھی ہے) یہ اول (الظلما) کے فتح دوسرے لفظ (ن) کے سکون کے ساتھ ظلمۃ یعنی تاریکی کے

معنی میں ہے اور بسا اوقات اُسے صفت کے طور پر (اللیۃ الظلماء) کہا جاتا ہے۔ یعنی مُظلمۃ (تاریکی ڈالنے والی) جیسا کہ جوہری نے اُسے ذکر کیا ہے۔

من اِضَم: (کِتَبُ) کی طرح اُسی کے وزن پر ایک پہاڑ کا نام ہے۔ پس وہ (بجلی کی چمک) تمہاری آہ و بکا کا موجب ہے اس لیے کہ وہ محبوب کی یاد دلانے والی ہے۔ اس لیے کہ جیسے بجلی اندھیری رات میں اپنی چمک سے روشنی بکھیر دیتی ہے اُسی طرح محبوب بھی بیت قلب (یعنی دل کے گھر) میں کہ جو ظلمت ہجر سے تاریک ہے (روشنی) لیتے جمال تاباں سے روشنی کر دیتا ہے۔

اور جیسے بجلی کا چمکنا بارش کی آمد کا مقدمہ اور ابتدائی علامت ہے کہ جس سے مردہ اور بنجر زمین اور آباد ہو جاتی ہے، کہ نباتات کے خوبصورت جوڑوں سے مزین ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی محبوب وصل کے پانی کا منبع کہ جس سے دل کی وہ زمین جو ہجر کی خشکی کے باعث مردہ ہو چکی ہوتی ہے زندہ ہو جاتی ہے (اور) اُس میں سرور و سکون کے نباتات اُگتے ہیں۔

اور جیسے (برق) وہ دیر سے آتی اور جلد غائب ہو جاتی ہے ایسے ہی مطلوب و محبوب کا حال ہے اور جیسے بجلی میں خوف و طمع دونوں میں ایسے محبوب ہیں اور جیسے وہ برق آگ ہے جو جلاتی ہے اور باوجودیکہ بارش کا موجب بھی ہوتی ہے بالکل ایسے ہی محبوب نور سے جو ماسوا عاشق کے سب کو جلا دیتا اور ماء وصل کا باعث ہوتا ہے۔" (تو پاک وہ ذات جس نے آگ کو پانی کا سبب بنایا)"۔

یا تو نے برق کی روشنی میں وہ پہاڑ دیکھا جو منزل و مقام حبیب تھا تو تیرا دل بھی اُس منظر پر حسرت کرتا ہوا اُسی جانب روانہ ہو گیا ہو گا۔ اگر تیری گریہ زاری کی وہ وجہ نہیں جس کا ذکر کیا گیا (بالفاظ دیگر) اگر تیری گریہ وزاری وجہ وہ نہیں جس کا ذکر کیا گیا (یعنی جیران ذو سلم کی یاد) تو تو نے برق کی روشنی میں وہ پہاڑ دیکھ لیا ہو گا جو منزل و مقام حبیب تھا۔ تو تیرا دل اُس منظر پر حسرت کرتا ہوا اُسی جانب روانہ ہو گیا۔ (تیری مذکورہ حالت ہو گئی)۔

☆.......★.......☆

٣

فَمَا لِعَيْنَيْكَ إِنْ قُلْتَ اكْفُفَا هَمَتَا
وَمَا لِقَلْبِكَ إِنْ قُلْتَ اسْتَفِقْ يَهِمِ

(فما) اى شئ عرض (لِعَيْنَيْكَ) الهطالتين (إِنْ قُلْتَ) لهما ولو تبكيتا للخصم[١] (اكْفُفَا) امتنعا عن البكاء.

والكف[٢] جاء لازما ومتعديا وترك الادغام مع الوجوب للضرورة أو لأنه لم يرض أن يأمر بما[٣] فى صورة الخبر استنكارا للوقوع او لأنه كلام العاشق المستغرق بشراشره فى المحبوب، الفانى عما[٤] سواه بل عن نفسه وذاته فضلا عن اللفظ وكيفياته او لأنه ينبئ عن المواصلة والمجانسة والقرب وأنى له ذلك، فبتركه أشعر بأنه بعد فى مقام التفرقة والتباين والبعد.

أو لأنه ادخال أحد الحرفين فى الاخر وجعله محوا من البين بحيث يرى واحد فأشار إلى انه ما وصل إلى أن يفنى ذاته فى ذات المحبوب وصفاته فى صفاته وأفعاله فى أفعاله فيتجلى له فى مصادره وموارده وحركاته وسكناته حتى صار كأنه[٥] هو كما قيل:

انا من أهوى ومن أهوى انا[٦]

أو لأنه اوما إلى أنه ترك طلب المواصلة والقرب إذ فيه نوع إرادة وتقيد بخطوط نفسه وذاته وهو لا يليق بشأن العاشق كما قيل:

---

[١] وفى ب: لخصمهما. [٢] انظر الصحاح: ٨/٢٥/٤ تحت المادة "كف"

[٣] وفى ب: بها. [٤] وفى ب: عما.

[٥] ومكتوب هنا بهامش الأصل: أى العاشق هو المحبوب.

[٦] هذا صدر البيت وعجزه "...: ... تنى ابصرتنا" انظر، كتاب اللمع: ٤٣٨

۳ آپ کی دونوں آنکھوں کو کیا ہوا۔ اگر ان سے کہدیں کہ ٹھہر جاؤ تو وہ بہنے لگتی ہیں اور تیرے دل کو کیا ہوا۔ اگر تو اس کو قرار پکڑنے کا کہتا ہے تو وہ مزید غمگین ہو جاتا ہے۔

فَمَا (کیا ہوا) یغیسک (تیری آنسو بہانے والی آنکھوں کو) اِنۡ قُلۡتَ (ان دونوں (آنکھوں) سے اگرچہ زجر و توبیخ مقابل کو کی جاتی ہے) اُکۡفُفَا (دونوں رونے سے رک جاؤ) اور (کف) لازم و متعدی استعمال ہوتا ہے۔ فا کو فا کے اندر اوغام واجب ہونے کے باوجود بھی ضرورت کی وجہ سے ترک کیا۔ یا اس لیے کہ وہ آنکھوں کو رکنے کا حکم بصورت خبر نہیں دینا چاہتا۔ کیونکہ وہ اسکے وقوع سے انکار پر مبنی ہے۔ یا اسلیے کہ عاشق مستغرق کا کلام محبوب کے بارے ہے، اور محب تمام دنیا بلکہ اپنی ذات اور نفس سے خود کو مٹا چکا ہے چہ جائیکہ وہ الفاظ اور اُن کی کیفیات میں پڑے یا اس لیے کہ وہ وصل، مجانست کی خبر دے رہا ہے اور یہ اُمور اس کو میسر نہیں۔ لہٰذا ترک اوغام سے دوری، تضاد اور تباین ولید کی طرف اشارہ ہے یا اسلیے کہ دو حروف میں سے کسی ایک کو دوسرے کے اندر داخل کرنا ان کے اندر جدائی کو ختم کرنا ہے تاکہ وہ ایک حرف نظر آتے۔ تو ناظم رحمۃ اللہ نے اشارتاً بتا دیا کہ محب اپنے محبوب تک پہنچا ہی نہیں کہ وہ اپنی ذات، صفات اور افعال کو محبوب کی صفات اور افعال میں فنا کر دے اور محبوب کے انوار محب کے اعضاء و جوارح اور حرکات وسکنات میں جلوہ گر ہوں۔ اور گویا کہ وہ بقول شاعر یوں بن گیا ؎

ترجمہ: میں وہ ہوں جسے وہ چاہتا ہے اور وہ وہی ہے جسے میں چاہتا ہوں۔

یا محب نے وصل اور قرب کی طلب کو ترک کرنیکی طرف اشارہ کیا کیونکہ طلب میں بھی محب کا ارادہ اور اس کی ذات کا فائدہ ہوتا ہے حالانکہ یہ کسی عاشق کی شان کے لائق نہیں۔

فراق و وصل چه باشد رضائی دوست طلب
که حیف باشد از و غیر او تمنائی[1]

وسلم لأمره وانقاد لارادته كما هو مذهبهم واليه اشار من قال:

ارید وصاله ویرید هجری
فاترك ما ارید لما یرید[2]

أو لأنه أوما بترك الواجب إلى أنه ترك الواجب الذى هو اخفاء سر المحبوب وحفظه عن الافشاء ومقدماته كالبكاء واشتغال القلب و غير ذلك وهو من أجل المقامات عند العشاق.

ومن أعجب من ذلك ما نقل عن الاصمعى[3] انه قال رأيت مكتوبا على حجر فى البادية:

أيا معشر الخلان[4] بالله اخبروا
اذا حل عشق بالفتى كيف يصنع

فكتبت تحته:

يوارى هواه ثم يكتم سره
ويصبر فى كل الأمور ويخضع

---

[1] البيت للعارف شمس الدين محمد حافظ الشيرازى، انظر: ديوانه ٣٨٦، وترجمة البيت: ان الفراق والوصل لا يهمنا وانما يهمنا ان نبلغ من رضاء الصديق وذلك لأنك لو تمنيت منه شيئاً غير ذلك يكون ذلك مما يوسف ويزلم.

[2] هذا البيت نقله الامام محمد الغزالى فى كتابه "إحياء العلوم" ٣٣١/٤، كتاب المحبه والشرق.

[3] الاصمعى هو عبد الملك بن قريب بن على بن اصمع الباهلى راوية العرب واحد ائمة العلم باللغة والشعر توفى سنة ٢١٦ھ انظر: نزهة الألباء: ٥٤ والفهرست: ٨٢ ووفيات الأعيان: ٣٤٤/٢

[4] ونقول "ب" "العشاق"

(فراق اور وصل کی کیا حقیقت ہے؟ محبوب کی رضا طلب کیا کر۔ اس لیے کہ محبوب سے اس کی رضا کے طلب کرنے کے علاوہ اور کوئی تمنّا کرنا افسوس ہے)۔

ارادہ محبوب کے سپُرد کر دے اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیدے۔ اور یہی عشاق کا طریق ہے۔

(میں اس کا وصال چاہتا ہوں اور وہ (محبوب) ہجر اور فراق چاہتا ہے۔ میں اس کی رضا کی وجہ سے اپنا ارادہ بھی ترک کر دیا)

یا اس لیے کہ محب نے اس واجب کے چھوڑنے کی طرف اشارہ کیا۔ اور وہ محبوب کے راز کو چھپانا اور افشار سے محفوظ رکھتا ہے اور اس واجب کے مقدمات مثلاً رونا، دل کا بھڑک اٹھنا وغیرہ۔ عشاق کے ہاں اعلیٰ مقامات ہیں۔

اور اس سے بھی زیادہ تعجّب خیز وہ شعر ہے جو اصمعی سے منقول ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے صحرا کے اندر ایک پتھر پر لکھا ہوا پایا۔

(اے گروہ عشاق خدا کے لیے یہ خبر دیدو۔ کہ جب جوان عاشق بنتا ہے، تو وہ کیا کرتا ہے)۔

میں نے اس کے نیچے لکھا!

(وہ اپنی محبّت مخفی رکھتا ہے۔ پھر وہ اپنے راز کو چھپاتا ہے۔ اور ہر کام میں صبر اور خضوع سے کام لیتا ہے)

فرأيت مكتوباً تحته :

وكيف يصبر والهوى قاتل الفتى

وفى كل حين روحه يتقطع

فكتبت تحته :

إذا لم يطق صبراً وكتمان سره

فليس له شئى من الموت انفع [1]

فرأيت شاباً حسن الوجه واضعاً رأسه على الحجر ومات [2] ۔

﴿هَمَتَا﴾ [3] بقيتا على ما كانتا عليه من الهمى والسيلان لعدم قبول القول أو لعدم السماع بالاشتغال بالبكاء أو سالتا سيلاناً أضعاف ما كانتا عليه قبل، استثقالا للقول أو حزناً على اطلاع الغير أو خوفاً من الشركة وهى شرك الردى للعاشقين كما قيل :

از رشک آنکه در غم تو گرددم شریک

می میرم و غم تو نگویم بهیچ کس [4]

﴿وَمَا﴾ اى شئى عرض ﴿لِقَلْبِكَ﴾ الواله المتحير المتدله ﴿إِنْ قُلْتَ﴾ له ولو تبكيتا للمدعى ﴿استفق﴾ كن ذا افاقة ﴿يَهِمِ﴾ يبقى على الهيمان والتحير لعدم قبول النصيحة

---

[1] وتقول ب: "سرى" [2] وقد ساق الأديب احمد بن محمد الأنصارى اليمنى هذه الحكاية فى نفحة اليمن:٣٣ وزاد هذين البيتين.

سمعنا وأطعنا ثم متنا فبلغوا ... سلامى الى من كان للوصل يمنع

هنيئاً لارباب النعيم نعيمهم ... والعاشق المسكين ما يتجرع

وكذا ذكره عمر بن احمد الخربوتى برواية الشبراخيتى فى عصيدة الشهدة ٢٦،

[3] همتا ماض مثنى من همى يهمى همياناً بمعنى سالتا وضمير التثنية راجع الى العينين واسناده الى العينين مجاز اذ العينان لا تسيلان بل يسيل منهما الماء فاسناده اليهما من قبيل: سال الميزاب، راجع عصيدة الشهدة ص ١٢،

[4] معنى البيت : إننى اكاد اموت موتة الحزن عليك ولكننى لا أسربذلك الى احد لا تمنى احد من يشاركنى فى الحزن من اجلك ۔

مَیں نے اس کے نیچے یہ لکھا ہوا دیکھا۔

(اور وہ کیونکر صبر کر سکتا ہے، کیونکہ اس کی خواہش اس کی جوانی کی قاتل

ہوتی ہے۔ اور ہر لمحہ اس کی روح کٹ رہی ہوتی ہے)

مَیں نے اس کے نیچے لکھا:

(جب وہ صبر کی طاقت نہیں رکھتا اور راز کو محفوظ نہیں رکھ سکتا ہے تو

اس کے موت سے زیادہ سود مند کوئی چیز نہیں)

پھر مَیں نے ایک خوبصورت اور وجیہہ نوجوان کو وہاں پتھر پر سر رکھتے دیکھا

اور وہ مر گیا۔

(ھَمَتَا) دونوں آنکھیں حسبِ سابق بہتی اور جاری ہیں۔ یعنی نہ کسی کی بات قبول کرتی ہیں اور کسی سے سنتی ہیں۔ رونے میں مصروف ہیں۔ یا یہ کہ پہلے دوگنا روتی ہیں یا تو سمجھانے والے کی بات اس کے لیے بہت بھاری ہے۔ یا کسی غیر کا مطلع ہونا باعث غم ہے۔ یا شریک ہونے کا خوف ہے اور کسی کا شریک ہونا تو عشاق کے لیے ہلاکت ہے۔ جس طرح کسی شاعر نے کہا ہے

(اے محبوب! اگر اس رشک میں تو آپ کے غم سے میسّر ہے۔ کوئی

ایک لحظہ بھی شریک ہو جائے۔ مَیں تو مر جاؤں گا۔ اور آپ کا غم کسی محرم

راز سے نہیں کہونگا)

(وَمَا) اور کیا ہوا (لِقَلْبِکَ) پریشان اور متحیّر دل کو (اِنْ قُلْتَ) اگر آپ اس سے کہیں، اگرچہ رونا مدعی کیلئے ہے (اِسْتَفِقْ) افاقہ حاصل کر (یَھِمِ) فریفتگی اور حیرانگی پر رہے گا۔ اس لیے کہ نہ نصیحت قبول کرتا ہے اور نہ کچھ سُنتا ہے۔ یا

أو عدم السماع أو بتحير تحيراً أضعاف ما كان عليه قبل، كراهةً للنصيحة أو غيرةً على اطلاع الغير وكل ذلك من أمارات[1] المحبة و دلائل العشق.

٤
أَيَحْسَبُ الصَّبُّ أَنَّ الْحُبَّ مُنْكَتِمٌ
مَا بَيْنَ مُنْسَجِمٍ مِنْهُ وَمُضْطَرِمِ

(أَيَحْسَبُ): الاستفهام للتعجب من[2] إنكاره (الصَّبُّ): العاشق الذي ليس زمام اختياره[3] (أَنَّ الْحُبَّ مُنْكَتِمٌ): انكتام الحب الذي شهد عليه شاهدان عنه[4] دون اغياره (مَا بَيْنَ): ظرف "منكتم" اي في وقت حصول دمع (مُنْسَجِمٍ) منصب انصباباً كثيراً (مِنْهُ)، من الصب خلاف أطوار (ه) في وقت وجود قلب (مُضْطَرِمِ) منه محترق[5] مشتعل بنار المحبة ولهب التوقان بحيث لا يشغله شان، عن هذا الشان و هذا من مخائل العشق و دلائل الذوبان، انما قدم الانسجام على الاضطرام وهو حرارة القلب من نار المحبة مع انه مسبب عنه كما قال الخسرو:

خسرو ز سوز گریہ نیارد نگاہداشت
آری سفال گرم بجوشش آرد آب را
خونابہ می چکاندم از گریہ سوز دل
خوش گریہ الیست بر سر آتش کباب را

○

---

[1] كذا في الأصل و في "ب" : "آثار".

[2] وردت في ب : عن.

[3] كذا في الأصل و في ب : "الاختيار"

[4] سقطت من الأصل والتكملة من "ب"

[5] في الأصل "محرق" والصواب ما اثبت.

اس پر دگنی حیرت چھا جاتی ہے. جو اس سے قبل نہ تھی. کیونکہ نصیحت کو مکروہ اور ناپسند جانے گا. یا کسی غیر کے مطلع ہونے پر غیرت کی وجہ سے. یہ تمام امور محبت اور عشق کی علامات سے ہیں۔

۴

کیا عاشق یہ گمان کرتا ہے کہ محبت چھپنے والی چیز ہے جبکہ یہ اشکِ رواں اور مضطرب دل کے درمیان ہے۔

(اَیَحْسَبُ) استفہام۔ اس کے انکار پر تعجب ہے (اَلصَّبُّ) وہ عاشق جو بے اختیار ہو (اَنَّ الْحُبَّ مُنْکَتِمٌ) اس محبت کا چھپانا جس پر اپنے دو گواہ موجود ہوں (مَابَیْنَ) طرف ہے (مُنْکَتِمٌ) روتے وقت، آنسو بہاتے وقت (مُنْسَجِمٍ) آنسوؤں کا بہت زیادہ بہنا (مِنْہُ) پانی انڈیلنا۔ اس طریقے سے ہٹ کر (وَ) دل کی موجودگی میں (مُضْطَرِمٍ) اسی سے (محترق) آگ کا بھڑکنا ہے. محبت کی آگ کا اشتغال ہے اور شوق کی چنگاری کا دوسرے تمام اہم امور کی انجام دہی سے رکنا ہے. عشق کے (مغائل) عادات اور آنسو بہنے کے دلائل ہیں۔ ناظم نے انسجام (آنسو بہانا) کو اضطرام (ناریست سے دل کا بھڑکنا) پر مقدم کیا. حالانکہ وہ اس کا سبب ہے. جیسے کہ خسرو نے فرمایا ؎

ترجمہ

خسرو رونے کے سوز سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتا. گرم ہٹی کا پیالہ پانی کو جوش میں لے آتا ہے. دل کے سوز کے چند قطرے گرے ہیں۔ بہت خوب رونا تو کباب کا آگ پر ہوتا ہے۔

كانه دليل على ظهوره كالسهر والهزال ورثاثة الهيئة بلاعلة وقلة،
ثم أشار إلى دليل آخر ليفيد كثرة الادلة زيادة الايقان، فقال،

٥

لَوْلَا الْهَوٰى لَمْ تُرِقْ دَمْعًا عَلٰى طَلَلٍ
وَلَا اَرِقْتَ لِذِكْرِ الْبَانِ وَالْعَلَمِ

(لَوْلَا الْهَوٰى)، المحبة موجود فيك يا ولهان (لَمْ تُرِقْ) من الإراقه وهو الصب (دَمْعًا) كثيراً متتابعاً جارياً من غير اختيارك (عَلٰى طَلَلٍ) آثار بيوت مندرسة بمرور الزمان قد كان فيها من كنت فى محبته سكران (وَلَا اَرِقْتَ) بكسر الرآء، سهرت، معطوف على "لم ترق" (لِذِكْرِ) اى لأجل اووقت ذكر احد (الْبَانِ)[١] المذكور عن المحبوب شجر وهو يشبه قده به فى طول القامة وحسن الهيئة وطيب الرائحة.

(وَالْعَلَمِ)[٢] اسم جبل فيه منزل محبوبه، لأنك تريق الدمع من غير اختيار على الأطلال والمنازل وتارق بمجرد ذكر البان فعلم أنك عاشق مولع.

ولما ثبت محبته الشديدة البالغة حد العشق بشهادة شهود عدول وهم الدموع المخلوطة[٣] بالدم والدمع عند الامر بالكف والدمع على الطلل وهيمان القلب عند طلب الافاقة واشتعاله والأرق بذكر البان والعلم، قال مستفهماً متعجباً.

---

[١] راجع معجم البلدان ١٠/٣٣٢ تحت المادة "بان"

[٢] معجم البلدان ٤/١٤٥ تحت المادة "علم"

* ترجمة البيتين: إنك لاتستطيع ياخسروان تسيطر على لوعة الحزن والبكاء، الآن أنا ترابيا ساخنا يغلى الماء، فقد كنت أبوح بقطرات الدم من تلبى من لوعة البكاء، فياله من كباب، كيف يبكى على النار.

[٣] فى الأصل "المخلوط" وصوابه "المخلوطة"

۵

اگر تیرے دل میں محبت نہ ہوتی تو کھنڈرات پر آنسو نہ بہاتا اور نہ بان و پہاڑ کی یاد میں جاگتا۔

(لولا الهوٰی) اے نفس وہ محبت جو تیرے اندر موجود ہے (لَمْ تُرِق) اراقت سے ہے یعنی بہنا (دَمْعًا) غیر اختیاری طور پر مسلسل اور زیادہ رونا (علی طَلَلٍ) پرانے گھروں کے کھنڈرات جس میں ترا وہ محبوب رہائش پذیر تھا جس کی محبت میں تو ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے (وَلَا اَرِقْتَ) را کے نیچے زیر ہے (بیخوابی) اور اس کا عطف (لَمْ تُرِق) پر ہے (لِذِ کْر) یعنی اس لیے کہ یاد تھے، یاد آرہی ہے وقت کی (الْبَانْ) یہ درخت تو محبوب کی یاد دلاتا ہے کیونکہ اس کا قد محبوب سے لمبائی میں، خوبصورت شکل میں اور خوشبو میں مشابہ ہے۔

(وَالْعَلَم) ایک پہاڑ کا نام جس میں محبوب کا گھر ہے، اسلیے کہ تو بے ساختہ اُن کے گھر کے کھنڈروں پر آنسو بہا رہا ہے اور آنسوؤں کا بہنا صرف بان درخت کو یاد کرنے سے ہے تو معلوم ہوا کہ تو عاشق جان بلب ہے۔

اب جبکہ محبت شدیدہ جو حد عشق کو پہنچی ہے۔ دلائل و براہین سے ثابت ہو گی اور وہ ملے جلے آنسو ہیں۔ جو رو کنے پر خون اور آنسو مل کر آتے ہیں۔ کھنڈرات پر آنسو بہانا، آرام طلبی کے وقت دل کا طلبگار رہنا، درخت اور پہاڑ کی یاد سے آنسوؤں کا بہنا، تمام باتیں اس پر شاہد ہیں تو اب بطور تعجب اور استفہام کہتے ہیں۔

٦

فَكَيْفَ تُنْكِرُ حُبًّا بَعْدَ مَا شَهِدَتْ
بِهٖ عَلَيْكَ عُدُوْلُ الدَّمْعِ وَالسَّقَمِ

(فَكَيْفَ تُنْكِرُ حُبًّا) كاملاً بالغاً حد العشق، والمحبة: ميل النفس الى الشئ لكمال فيه ثم إذا قوى ذلك الميل سمى عشقاً[1] اى لا يليق بحالك الانكار للحب (بَعْدَ مَا) مَا مصدرية (شَهِدَتْ بِهٖ عَلَيْكَ عُدُوْلُ الدَّمْعِ وَالسَّقَمِ) الشهود الصادقون الثابتة عدالتهم عند قاضى العقل وسلطان الخيال[2] وهم المذكورون قبل أو الدمع الناشئ من العين اليمنى والناشئ من اليسرى.

(وَالسَّقَمِ) أى المرض القلبى الذى هو خفقانه واضطرابه وتغير باطنه لحظة بعد لحظةٍ الذى لا طبيب له الا الحبيب كما قال:

لسعت حية الهوى كبدى
فلا طبيب له ولا راق[3]
الا الحبيب الذى شغفت به
فعنده رقيتى و ترياقى[4]

فعلى هذا يجمع[5] على حقيقة والقول بأنه تثنية بلفظ الجمع كقوله تعالى: «صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا»[6] ليس بشئ.

---

[1] راجع فقه اللغة للثعالبى ص: ١٧١

[2] كذا فى الأصل وفى ب "الجنان".

[3] فى الأصل "باق" والصواب ما أثبت.

[4] روى أن أبا محذورة رضى الله عنه أنشد هذين البيتين بين يدى النبى صلى الله عليه وسلم، انظر: الدرر المنتثرة: ٢٢ وعوارف المعارف: ٢/١٢ والموضوعات الكبرى: ٢٧٩.

[5] وردت فى ب: الجمع. [6] سورة التحريم، رقم الاية: ٤

۶

محبّت کا کیسے انکار کرو گے جب کہ اس پر تیرے آنسو اور اضطراب گواہ ہیں۔

(فَكَيْفَ تُنْكِرُ حُبًّا) مکمل و اکمل محبت جو حد عشق تک پہنچی، ہر شے میں کسی کمال کی وجہ سے نفس کا اس کی طرف میلان محبت کہلاتا ہے اور جب یہ میلان خوب مضبوط ہو جاتے تو عشق کہلاتا ہے۔ یعنی اس حال میں تیرا محبت سے انکار نامناسب ہے (بَعْدَ مَا) مَا مصدریہ ہے (شَهِدَتْ بِهٖ عَلَيْكَ عُدُوْلُ الدَّمْعِ وَالسَّقَمِ) سچے گواہ جن کی سچائی قاضی عقل اور سلطان خیال کے یہاں ثابت و مسلم ہو۔ یا تو ان کا ذکر پہلے ہو چکا۔ یا پھر دائیں یا بائیں آنکھ سے آنسو کا بہانا ہے۔

(وَالسَّقَمِ) گھبراہٹ یا اضطراب جو دل کی بیماری ہے۔ اور ہر لحظہ من کی دنیا میں تبدیلی حالانکہ محبوب کے سوا اور کوئی طبیب نہیں۔

(محبت کے سانپ نے میرے جگر کو کاٹ لیا۔ نہ کوئی میرا طبیب ہے اور نہ دوائی)

(مگر وہ محبوب جس کا محب ہوں، اسی کے پاس میرا علاج اور دوائی ہے)

یہاں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں جمع کا استعمال حقیقت ہے۔ اور یہ قول کہ تثنیہ کو لفظ جمع کے ساتھ ذکر کیا۔ جس طرح کہ اللہ کریم کا فرمان ہے۔ (صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا) کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

○

٧

وَاَثْبَتَ الْوَجْدُ خَطَّىْ عَبْرَةٍ وَضَنًى
مِّثْلَ الْبَهَارِ عَلٰى خَدَّيْكَ وَالْعَنَمِ

(وَ) بعد ما (اَثْبَتَ الْوَجْدُ) حرارة العشق الذى هو بمنزله الصكان للقاضى (خَطَّىْ عَبْرَةٍ) كقطرة دمع الناشئين[1] من العينين كائنين بمنزله السجل (وَ) بعد ما أثبت (ضَنًى) كرَحَى، الهزال ورثاثة الهيئة وفقاع اللون الذى هو بمنزلة الخاتم للقاضى والمكتوبات الشرعية لاتعتبر ولاتقبل بدون الخاتم، حال كون ذينك الخطين۔

(مِثْلَ الْبَهَارِ) ورد اصفر (عَلٰى خَدَّيْكَ) اى اثبت الخطين على صفتى خديك اللذين[2] هما بمنزلة الورقين مشابهاً أحدهما أيًا كان بالورد الاصفر بصفرة محله (وَ) الآخر (الْعَنَمِ[3]) وهوشجرله اغصان حمر[4] لينة يشبه بها بنان النساء بامتزاجه بالدم أوكل منهما بكليهما بالاعتبارين المختلفين، والقول بأن فيه لفاً ونشراً على غيرالترتيب بعد القول بأن الخطين الدمعان الحاصلان من العينين ليس على ما ينبغى۔

ولماحصحص[5] الحق وظهر بالشهود الصادقين ولم يبق الى الانكار سبيل، لاجرم اعترف بالمحبة والعشق فقال:

---

[1] وردت فى ب: ناشئين، بدون الألف واللام،

[2] فى الاصل: "الذين" صوابه "اللذين"،

[3] راجع لسان العرب ٩/٤٢٧ تحت المادة "عنم"،

[4] سقطت فى الاصل والتكملة من ب.

[5] فى الاصل "حصص" وهوخطأ والثواب ما اثبت وحصحص اى بانَ۔

۷

محبت کے غم نے تیرے چہرے پر رونے اور کمزوری کی ایسی علامات بنائی ہیں۔ کہ بہار کے پھول کی طرح زرد اور عنم کی شاخ کی طرح سرخ ہیں۔ اس حال میں انکار بے فائدہ ہے۔

(دَ) اس کے بعد (اَثبَتَ الْوَجْدُ) عشق کی وہ حرارت جو قاضی کے یہاں بمنزلہ زور سے طمانچہ مارنے والا کے ہے۔ (خَطَّیْ عَبْرَۃٍ) نئے رونے والے کے آنسو کے قطرے جیسا۔ کہ اس کی آنکھیں مسلسل رو رہی ہوں۔ (دَ) ثابت ہونے کے بعد (ضَنًی) دِقّ کی طرح، کمزوری، رونی شکل اور وہ سرخ رنگت جو قاضی کے نزدیک مہر کے قائم مقام ہے۔ اور شرعی مکتوبات کا مہر کے بغیر کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ ان دونوں خطوط (نشانات) کا یہی حال ہے۔

(مِثْلَ الْبَهَارِ) پیلا گلاب (عَلٰی خَدَّیْكَ) یعنی دونوں خطوط آپ کے ان دونوں رخساروں پر ظاہر ہیں۔ (ہ) وہ دونوں پتے ایک پیلے گلاب اور پیلی جگہ سے مشابہ اور (دَ) دوسرا ورق (العنم) سرخ شاخوں والے درخت کی مانند ہے یا انکی نرمی عورتوں کی انگلیوں کے پوروں کی مانند ہے۔ خون کے ملاوٹ کی وجہ سے یا دونوں رخسار اوپر مذکور دونوں صورتوں سے مختلف اعتبار سے موافق ہیں۔ اور یہ کہنا کہ یہاں ترتیب سے بات ہٹ کر ہے۔ اور یہ ماننا کہ آنسوؤں کے دونوں خط آنکھوں سے حاصل ہیں۔ مقتضائے حال کے مطابق نہیں۔ اور جب حق دلائل سے ظاہر و روشن ہو۔ کیا اس سے انکار کا کوئی رستہ باقی نہیں رہا۔ تو اب اعتراف عشق و محبت کر لینا چاہیے لہٰذا فرمایا۔

٨

نَعَمْ سَرٰى طَيْفُ مَنْ اَهْوٰى فَاَرَّقَنِيْ
وَالْحُبُّ يَعْتَرِضُ اللَّذَّاتِ بِالْاَلَمِ

(نَعَمْ) القول ما قلت وأنى عاشق مولع ولا اختيار لى فيه، ثم شرع فى بيان[1] كيفية ابتلائه فقال (سرى) سار ليلاً (طَيْفُ) خيال (مَنْ اَهْوٰى) أحبه الآن اى رأيت صورته الخيالية فى نوم فصرت عاشقاً والهاً مولعاً حيراناً لا اعرف اسمه ولا مكانه كما رات زليخا صورة يوسف عليه السلام فذهب عقلها وذاب جسمها واصفر لونها (فَأَرَّقَنِيْ) أسهرنى فى الحلم بعد ان كنت فى لذة۔

(وَالْحُبُّ) تعليل لما قبله أو حال أى الحبة، قيل: هى تحرق كل دنس، وقيل: كاس لها وهج اذا استقر فى الحواس وسكن فى النفوس تلاشت وحقيقتها ان تهب كلك لمن أحببت ولا يبقى لك منه شئى، ولها ظاهر وباطن ظاهرها اتباع رضاء المحبوب، وباطنها ان يكون مفتوناً باجيب عن كل شئى، فلا يبقى فيه بقية لغيره ولا لنفسه۔

(يَعْتَرِضُ) اى يقبل (اللَّذَّات) اى للذات، ثم حذف وأوصل يعنى الحب يقبل (بالْاَلَمِ) تبل اللذات فيزيلها ويمحوها من اعترض له

---

[1] هذه الكلمة لم ترد فى ب۔

۸

رات کو چلتے میں محبوب کا خیال آیا۔ اور مجھے بے چین کر دیا۔ ساری رات جاگتا رہا۔ غم ہجر محبوب لذتیں ماری جاتی ہیں۔

(نَعَمْ) ہاں جو تو نے کہا، بات وہی ہے۔ میں چونکہ عاشق نیم جاں ہوں اور مجھے اپنے کہے پر اختیار نہیں۔ اس کے بعد اپنی آزمائش کے ذکر سے آغاز کیا۔ (سَرَی) رات کے وقت چلا۔ (طَیفُ) خیال۔ (مَنْ اَھْوٰی) میں اس سے اب بھی محبت کرتا ہوں۔ یعنی میں نے اس کی خیالی صورت خواب میں دیکھ لی۔ تو میں شدید ترین عشق میں مُبتلا ہو گیا۔ اور میں سراپا حیرت بن گیا۔ نہ اس کا نام اور نہ اس کا مکان جانتا ہوں۔ جس طرح کہ حضرت زلیخا نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت دیکھی۔ تو اس کی عقل ختم ہو گئی۔ جسم پگھل گیا۔ اور رنگت پیلی پڑ گئی۔ (فَارَّقَنِیْ) یعنی خواب لذّت سے مجھے غم واندوہ سے بھری جاگ آئی۔

(وَالْحُبُّ) یا تو علت کیلئے یا حال کیلئے ہے۔ یعنی محبت۔ بعض نے کہا کہ یہ محبت ہو، میل جلا دیتی ہے اور بعض نے کہا کہ ایک روشن جام ہے، جو حواس اور نفوس میں راسخ و متصل ہو جائے۔ اور اس کی حقیقت یہ کہ سب کچھ محبوب پر لٹا دیا جائے اور کچھ بھی باقی نہ رہے۔ محبت میں ظاہر باطن دونوں ہوتے ہیں۔ ظاہراً یوں کہ رضائے محبوب کی پیروی ہو۔ باطناً یوں کہ ہر چیز سے بڑھ کر صرف محبوب کا فریفتہ ہو۔ پھر اس کے ظاہر اور باطن میں نہ تو کسی غیر کے لیے کچھ رہے اور نہ اپنے آپ کیلئے۔

(یَعْتَرِضُ) قبول کرتا ہے۔ (اللَّذَّاتِ) یعنی لذتیں۔ پھر مٹا دیں اور محبت تک پہنچا دیا گیا۔ جو قبول کرتا ہے (بِالْاَلَمِ) لذتوں سے پہلے۔ الم لذتوں کو زائل کرتا

٨

نَعَمْ سَرٰی طَیفُ مَنْ اَهْوٰی فَأَرَّقَنِیْ
وَالْحُبُّ یَعْتَرِضُ اللَّذَّاتِ بِالْاَلَمِ

(نَعَمْ) القول ما قلت وأنی عاشق مولع ولا اختیار لی فیه، ثم شرع فی بیان[1] کیفیة ابتلائه فقال (سری) سار لیلاً (طَیفُ) خیال (مَنْ اَهْوٰی) أحبه الآن ای رأیت صورته الخیالیة فی نوم فصرت عاشقاً والهاً مولعاً حیراناً لا اعرف اسمه ولا مکانه کما رات زلیخا صورة یوسف علیه السلام فذهب عقلها وذاب جسمها واصفر لونها (فَأَرَّقَنِیْ) أسهرنی فی الم بعد ان کنت فی لذة۔

(وَالْحُبُّ) تعلیل لما قبله أو حال أی الحبة، قیل: هی تحرق کل دنس، وقیل: کاس لها وهج اذا استقر فی الحواس وسکن فی النفوس تلاشت وحقیقتها ان تهب کلک لمن أحببت ولا یبقی لک منه شئی، ولها ظاهر وباطن ظاهرها اتباع رضاء المحبوب، وباطنها ان یکون مفتوناً باحبیب عن کل شئی، فلا یبقی فیه بقیة لغیره ولا لنفسه۔

(یَعْتَرِضُ) ای یقبل (اللَّذَّات) ای للذات، ثم حذف وأوصل یعنی الحب یقبل (بالْاَلَمِ) تبل اللذات فیزیلها ویمحوها من اعترض له

---

[1] هذه الکلمة لم ترد فی ب۔

۸

رات کو چلتے ہیں محبوب کا خیال آیا۔ اور مجھے بے چین کر دیا۔ ساری رات جاگتا رہا۔ غم ہجر محبوب لذتیں ماری جاتی ہیں۔

(نَعَمْ) ہاں جو تو نے کہا، بات وہی ہے۔ میں چونکہ عاشق نیم جاں ہوں اور مجھے اپنے کیے پر اختیار نہیں۔ اس کے بعد اپنی آزمائش کے ذکر سے آغاز کیا۔ (سَرَیٰ) رات کے وقت چلا۔ (طَیفُ) خیال۔ (مَنْ اَهْوٰی) میں اس سے اب بھی محبت کرتا ہوں۔ یعنی میں نے اس کی خیالی صورت خواب میں دیکھ لی۔ تو میں شدید ترین عشق میں مبتلا ہو گیا۔ اور میں سراپا حیرت بن گیا۔ نہ اس کا نام اور نہ اس کا مکان جانتا ہوں۔ جس طرح کہ حضرت زلیخا نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت دیکھی۔ تو اس کی عقل ختم ہو گئی۔ جسم پگھل گیا۔ اور رنگت پیلی پڑ گئی۔ (فَارَقَنِیْ) یعنی خواب لذت سے مجھے غم واندوہ سے بھری جاگ آئی۔

(وَالْحُبُّ) یا تو علت کیلئے یا حال کیلئے ہے۔ یعنی محبت۔ بعض نے کہا کہ یہ محبت ہو، میل جلا دیتی ہے اور بعض نے کہا کہ ایک روشن جام ہے، جو حواس اور نفوس میں راسخ و متصل ہو جائے۔ اور اس کی حقیقت یہ کہ سب کچھ محبوب پر لٹا دیا جائے اور کچھ بھی باقی نہ رہے۔ محبت میں ظاہر باطن دونوں ہوتے ہیں۔ ظاہراً یوں کہ رضائے محبوب کی پیروی ہو۔ باطناً یوں کہ ہر چیز سے بڑھ کر صرف محبوب کا فریفتہ ہو۔ پھر اس کے ظاہر اور باطن میں نہ تو کسی غیر کے لیے کچھ رہے اور نہ اپنے آپ کیلئے۔

(یَعْتَرِضُ) قبول کرتا ہے۔ (اللَّذَّاتِ) یعنی لذتیں۔ پھر مٹا دیں اور محبت تک پہنچا دیا گیا۔ جو قبول کرتا ہے (بِالْاَلَمِ) لذتوں سے پہلے۔ الم لذتوں کو زائل کرتا

بسهم أقبل به قبله فرماه فقتله ،كذا فى الصحاح[١] واللذات : جمع لذة ، وهو إدراك الملائم من حيث هو ملائم ، والالم هو ادراك غير الملائم من حيث هو غير ملائم ۔

ومما يناسب هذا المقام ما نقل عن بعض الصالحين انه قال : أضافنى رجل فى البادية وبينما هو قائم بين يدى فى الخدمة اذ وقع مغشياً[٢] عليه" وقال لى أمه : كُل ولا تشغل نفسك به ، فقلت لها : ما الذى اصابه ؟ قالت : هو يحب امرأةً فى الحيام ، فخرجت من خيمتها ، فرأى غبار ذيلها ، فغشى عليه ، فقلت : سبحان الله هذه محبة المخلوقين فكيف محبة الخالق[٣] ۔

ثم لما استشعر أنه سيلومه ، قال معتذراً[٤] منعاً له قبل الوقوع ۔

٩

يَا لَائِمِى فِى الْهَوَى الْعُذْرِيِّ مَعْذِرَةً
مِنِّى إِلَيْكَ وَلَوْ أَنْصَفْتَ لَمْ تَلُمِ

(يَا لَائِمِى) قاصد الملامة فى المستقبل من الزمان (فى الهَوَى) اى المحبة (العُذْرِىِّ) المنسوب إلى بنى العذرة من حيث المعذرة فكما انهم معذورون

---

[١] انظر الصحاح ٣/٨٢، تحت المادة "عرض" ۔

[٢] سقطت من الاصل والصواب ثباتها ۔

[٣] راجع : نفخة اليمن ص : ٣٤ وشرح شيخ زاده : ٢٥

[٤] وردت فى ب : متعذراً ۔

اور مٹاتا ہے۔ یہ اس محاورہ سے مشتق ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو تیر مارا تو دوسرا آگے بڑھ کر اس تیر مار کو قتل کرتا ہے۔ لذات لذت کی جمع ہے، اس کا معنی ہے کہ کسی نرم اور ملائم شے کی نرمی اور ملائمت کا ادراک کرنا۔ اور (۴۱) غیر ملائم یعنی سخت اور ٹھوس امر کا ادراک۔

اس مقام پر ایک صالح کی وہ بات نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں جس میں فرمایا۔ کہ ایک آدمی نے جنگل میں میری مہمان نوازی کی۔ میزبان میرے سامنے کھڑا رہا۔ اچانک اس پر بیہوشی چھا گئی۔ مجھ سے اس کی والدہ نے کہا۔ کھاؤ اور اس کی توجہ نہ کرو۔ تو میں نے اس کی والدہ سے کہا۔ اس کو کیا ہوا؟ اس نے کہا۔ وہ خیمے میں ایک عورت سے محبت کرتا ہے۔ وہ عورت خیمے سے اب نکلی ہے۔ اس نے اس عورت کے دامن کے اُٹھتے ہوتے غبار کو دیکھا تو یہ بیہوش ہوا۔ میں نے کہا سبحان اللہ! یہ مخلوق کی محبت ہے۔ اللہ کی محبت کا کیا حال ہو گا؟

پھر جب اس کو شعور ہو گیا۔ کہ اُسے ملامت کی جا رہی ہے۔ تو اس نے عذر پیش کرتے ہوتے کہا۔ کہ اس وقوعہ سے پہلے مجھے منع کیا کرو۔

۹

قبیلہ بن عذرہ کی محبت میں ملامت کرنے والے! میری طرف سے معذرت ہے، اگر تو منصب ہے تو مجھے کبھی ملامت نہ کرے۔

(یالائمی) مستقبل میں میرے ملامت کرنے والے (فی الھوی) محبت (العذری) بنی عذرہ سے نسبت کی وجہ سے معذرت کرتے ہوتے۔ کہ یہ لوگ محبت کرنے

فی المحبة لأنهم رقاق القلب یعشقون سریعاً ویموتون من العشق[1]
کثیراً فکذا أنا (مَعْذِرَةً) تمیز من نسبة العذری (مِنِّی اِلَیْکَ) اسم "ابعد"
و"منی" متعلق به، یعنی ابعد عن قصد ملامتی وانبذه وراء ظهرك، و
هومنادی له أو مفعول ای اقبل معذرة کائنة منی ملقاة الیك والمعذرة
هوله: أن المحب عن العذال[2] الخ۔
(وَلَوْ اَنْصَفْتَ) بمعنی إن أنصفت (لَمْ تَلُمِ) ای ولوکنت من المنصفین
الممیزین الذین یمیزون مواقع الملامة عن غیرها لما قصدت الملامة
لان العاشق الذی لیس زمام الاختیار فی یده[3] لایلومه احد من العقلاء
المنصفین۔
ولما فشت حاله بین الناس قال مستانفاً شاکیاً عن حاله أو داعیاً[4] له
اوعلیه:

١٠

عَدَتْكَ حَالِی لَا سِرِّی بِمُسْتَتِرٍ
عَنِ الْوُشَاةِ وَلَا دَائِیْ بِمُنْحَسِمِ

(عَدَتْكَ) جاوزتك ووصل إلی الناس أوعدت عنك أوعدت إلیك
(حَالِی) محبتی وعشقی الذی لا اختیار لی فیه (لَا سِرِّیْ) الذی یحب أن یسر
ویخفی وهو العشق (بِمُسْتَتِرٍ) بمختلف (عَنِ الْوُشَاةِ) جمع واشٍ وهو النمام (وَلَا دَائِیْ)

---

[1] سقطت فی الاصل والتکمله من ب. [2] اشارة الی البیت رقم ١١۔
[3] فی الاصل: هذه، والتصویب من ب. [4] سقطت فی الاصل والتکمله من ب۔

ہیں معذور ہیں۔ کیونکہ نرم دل ہیں، اور جلدی عشق اختیار کر لیتے ہیں۔ اور پھر عشق سے مرتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں۔ میں بھی اسی طرح ہوں۔ (مَعْذِرَۃٌ) یہ نسبت عذری سے تمیز واقع ہے۔ (مِنِّیْ اِلَیْکَ) یہ البعد کا اسم ہے۔ منی اس سے متعلق ہے یعنی میرے ملامت کرنے کے ارادے سے دُور ہے اور اس نے یہ خیال پیٹھ پیچھے پھینک دیا ہے۔ یہ مناوی لہٗ یا مفعول ہے۔ یعنی میری طرف سے معذرت قبول فرمائیے۔ اور معذرت (ناظم) کا قول ہے۔ ان المحب عن العذال... الخ ہے۔

(وَلَوْ اَنْصَفْتَ) اگر تُو انصاف کرے۔ (لَمْ تَلُمِ) اگر آپ انصاف کرنیوالے، ملامت کے مواقع اور دوسرے مواقع میں فرق کرنیوالے ہو۔ تو مجھے ملامت نہیں کروگے۔ اس لیے کہ وہ عاشق جس کے ہاتھ میں اختیار کا لگام نہ ہو۔ کوئی سمجھدار انصاف کرنے والا اس کو ملامت نہیں کرے گا۔ اور اس کا حال جب لوگوں کے سامنے کُھل گیا۔ تو اپنے حال سے نفی اور شکایت کرتے ہوئے یا اس کو ملا کر یا چھوڑ کر کہتا ہے۔

۱۰

تیرا حال بھی میرے جیسا ہو۔ میرا راز چغلخوروں سے پوشیدہ نہیں ہے، اور نہ مرض عشق ختم ہونے والا ہے۔

(عَدَتْکَ) تم آگے بڑھے اور لوگوں سے مل گئے۔ یا تجھ سے آگے بڑھا یا تیری طرف بڑھا۔ (حَالِیْ) وہ عشق و محبت جس پر میرا کوئی اختیار نہیں (لاَسِرِّیْ) وہ جس کا راز اور مخفی رکھنا واجب ہے۔ اور وہ عشق ہے۔ (بِمُسْتَتِرٍ) پوشیدہ (عَنِ الْوُشَاۃِ) واش کی جمع ہے۔ اور چغلخور کو کہتے ہیں۔ (وَلاَ دَائِیْ) درد اور وہ

ألمي، وهو ألم العشق (بِمُنْحَسِمٍ)[1] بمنقطع، بل يزداد يوماً فيوماً وهم على اثري بالملامة والزجر، فلا العشق ينقطع ولا الملامة، وأنا في ما بين ذلك معذب.

ولما علم أنه لا يقبل المعذرة بل هو مصر على الملامة بادر الى تسليم ما يقوله[2] تبكيتاً له فقال:

١١

مَحَضْتَنِي النُّصْحَ لٰكِنْ لَسْتُ أَسْمَعُهُ
إِنَّ الْمُحِبَّ عَنِ الْعُذَّالِ فِيْ صَمَمِ

(مَحَضْتَنِيْ) اى أخلصتني (النُّصْحَ) النصيحة وجعلته مهذباً خالياً عن الأغراض شفقة[3] على[4] (لٰكِنْ لَسْتُ أَسْمَعُهُ) سماع قبول او سماعاً مطلقاً، ثم أورد على ذلك دليلاً فقال له (إِنَّ الْمُحِبَّ) العاشق (عَنِ) سماع ملامة (الْعُذَّالِ) اللّوام (فِي صَمَمِ) عظيم بحيث سد مسامعه بالكلية.

ثم أشار الى دليل آخر من خصوصية نفسه فقال:

١٢

إِنِّيْ اتَّهَمْتُ نَصِيْحَ الشَّيْبِ فِيْ عَذَلِيْ
وَالشَّيْبُ أَبْعَدُ فِيْ نُصْحٍ عَنِ التُّهَمِ

(إِنِّيْ اتَّهَمْتُ) اى نسبت إلى التهمة والكذب والبهتان بترك العمل

---

[1] راجع اللسان ١/٢٥٦ تحت المادة "حسم".

[2] في الاصل "لقوله" والتصويب من ب.

[3] وهو بصيغة الخطاب من التمحيض والتمحيض كالامحاض جعل الشئ معضاً اى خالصاً وصافياً انظر، عصيدة الشهدة: ٢٩ والصحاح ٨/١٣٨ تحت المادة "محض".

[4] وردت في ب: مشفقة.

درد عشق ہے۔ (بِمُنحَسِمٍ) منقطع بلکہ روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے۔ ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ کے طریقہ پر۔ نہ عشق ختم ہونے کا نام لیتا ہے اور نہ ملامت۔ اور میں اسی عذاب سے دو چار ہوں۔

اور یہ بات جب ثابت ہوئی کہ وہ معذرت قبول نہیں کرتا بلکہ ملامت پر وہ ہے تو فی الفور وہ سب کچھ تسلیم کرتا ہے جو وہ کہتا ہے۔ پھر اس سے رو کو کہتا ہے۔

۱۱

تو نے مجھے محض نصیحت کی لیکن میں اس کو نہیں سُنتا۔ اس لیے کہ معترضین کی آواز سے عاشق سے بہرا ہوتا ہے۔

(مَحَضْتَنِیْ) تم نے مجھے خالص کی (النُّصحَ) نصیحت۔ اور تم نے مہذب اور غراض سے پاک شفقت سے سمجھایا۔ (لٰکِنْ لَسْتُ اَسْمَعُہٗ) یا تو محض سُننا مراد ہے یا قبول کرنا۔ پھر اس پر ایک دلیل پیش کی۔ کہ (اِنَّ المُحِبَّ) عاشق کی سماعت کرنے والے کلیتاً بند ہے۔

پھر ایک اور دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خصوصی طور پر اپنے حوالے سے کہا کہ!

۱۲

میں اپنے بڑھاپے کے زبان حال سے متہم ہوں۔ لیکن میں بڑھاپے کی موجودگی میں عار دلانے کی نصیحت سے دُور ہوں۔

(اِنِّیْ اتَّھَمْتُ) میری طرف تہمت، جھوٹ اور بہتان کی نسبت کی گئی۔

بمقتضاء بتسويل النفس والشيطان (نَصِيحَ الشَّيْبِ) اى الناصح الذى هو الشيب
الواعظ بلسان الحال الذى هو افصح وانطق من لسان المقال القائل بانه حان
آن[١] الرحلة فانتبه من النوم وكن مستعداً لكيلا تنقطع عن القوم وبأن
الدنيا دار غرور وموضع شرور وأنك كدت ترتحل عنها عن قريب۔

يا مغرور! مالك تسعى فى حطامها فى مرور الدهور، وتنسى بلدةً
طيبةً ورباً، وتعليق القلب بغير الله تعالىٰ محض غلط وقصور، فكن مفارقاً
عما يفارقك بالموت يا مغرور[٢] وكن ساعياً للدار الاخرة، فسعى لها منك
مشكور، فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ.[٣]

(فِى عَذَلِى) ملامتى، مصدر مضاف الى المفعول اى فى عذله
إياى وهو بفتح الذال اسم مصدر وبسكونها مصدر حرك
للضرورة (وَ) الحال ان (الشَّيْبُ اَبْعَدُ فِىْ نُصْحٍ عَنِ التُّهَمِ) بضم الاوّل
وفتح الثانى جمع تهمة، واذا اتهمت من هو فى غاية البعد عن التهمة
فما ظنك يا أيها اللائم!

ولما كان اتهام الشيب بعيداً غاية البعد اورد دليلاً عليه فقال:

[١] كذا فى الأصل والاجود أن يقول "اوان"

[٢] وردت فى ب: معذور

[٣] سورة فاطر، رقم الاية ٥۔

نفس اور شیطان نے مزین کر کے اعمال چھڑائے۔ (نَصِیحَۃ الشَّیبِ) وہ بوڑھا واعظ جو زبانِ حال سے بڑھ کر فصیح و بلیغ انداز سے زبانِ حال میں نصیحت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وقتِ رخصت قریب ہے اور نیند سے بیدار ہو تاکہ قافلہ والوں سے کٹ کے نہ رہ جائے۔ اور یہ کہ دنیا غرور اور شر کا گھر ہے اور تو عنقریب رحلت کرنے والا ہے۔

اے غرور کرنے والے کتی عمریں (بچپن، لڑکپن، جوانی) گزر گئیں۔ پھر بھی بڑھاپے میں تو کس لیے کوشش کرتا ہے۔ اور تُو نے مقدس شہر (جنّت) اور رب غفور کو بُھلا دیا ہے۔ غلطی اور قصور کا مرتکب ہو کر اپنے دل کو عند اللہ سے متعلق کر رکھا ہے۔ اب تو اس سے جدا ہو جا۔ جس سے موت جُدا کرے گی۔ اور آخرت کے لیے کوشش کرو۔ اس کے لیے محنت کوشش مقبول ہے۔ "تمہیں دنیا میں زندگی دھوکہ میں نہ ڈال دے"۔

(نِی عَذَلِی) میری ملامت۔ یہ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے۔ یعنی (فی عذلہ) خاص اس کی ملامت میں۔ زبر ہو تو اسم مصدر ہے۔ سکون ہو تو مصدر ہے۔ ضرورت کے تحت اس کو زبر دیا ہے۔ (وَ) حال کے لیے ہے یہ کہ (الشَّیبُ اَبعَدُ فِی نُصحٍ عَنِ التُّھَمِ) تا پر پیش اور ھا پر زبر تہمت کی جمع ہے۔ اے ملامت کرنیوالے جب تیرے اُوپر کوئی ملامت کرے اور تم ملامت سے بہت دُور ہو۔ تو اس بارے میں تیرا کیا خیال ہے۔

اور بڑھاپے کا ملامت کرنا بہت دور کی بات ہے۔ تو اس پر ایک دلیل ذکر کرتے ہوئے کہا۔

١٣

فَإِنَّ أَمَّارَتِي بِالسُّوْءِ مَا اتَّعَظَتْ
مِنْ جَهْلِهَا بِنَذِيرِ الشَّيْبِ وَالْهَرَمِ

(فَإِنَّ أَمَّارَتِي) أي نفسي[1] المبالغة في الامر (بِالسُّوْءِ) بما يذمه العقل والشرع واللوامة هي التي تلوم نفسها وان اجتهدت في الإحسان والمطمئنة هي التي تطمئن بذكر الله تعالىٰ.

(مَا اتَّعَظَتْ) أي ما قبلت العظة من الناصح المشفق (مِنْ جَهْلِهَا) اي بسبب جهلها وجناية[2] ظاهرها وباطنها (بِنَذِيرِ الشَّيْبِ) متعلق "ما اتعظت" اي بانذار الشيب (وَالْهَرَمِ) وهو غاية الشيب -

١٤

وَلَا أَعَدَّتْ مِنَ الْفِعْلِ الْجَمِيلِ قِرَىٰ
ضَيْفٍ أَلَمَّ بِرَأْسِي غَيْرَ مُحْتَشِمِ

(وَلَا أَعَدَّتْ) عطف على "ما اتعظت" أي ما هيأت النفس (مِنَ الْفِعْلِ الْجَمِيلِ) المستحسن شرعاً وعقلاً، بيان او حال من قوله (قِرَىٰ) بالكسر والقصر، ما قرى به الضيف ومصدر ايضاً كذا في الصحاح[3] والمراد ههنا هو

---

[1] سقطت من الاصل والتكملة من ب.

[2] كذا في الاصل وفي ب: خباثة -

[3] الصحاح ٦/٢٤٦١ تحت المادة "قرى" ومحيط المحيط: ٧٢٢

۱۳

میرا نفس امارہ اپنی جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے بڑھاپے اور پیرانہ سالی کے ڈرانے سے نصیحت حاصل نہیں کرتا۔

(فَاِنَّ اَمَّارَتِیْ) میرا نفس، امر میں مبالغہ (بِالسُّوْءِ) جس کی عقل اور شرع مزمت کرے۔ لوامہ وہ ہے جس کو تیرا نفس ملامت کرے۔ اگرچہ تو اسکی اچھائی پر پوری کوشش صرف کرے۔ اور نفس مطمئنہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان پائے۔

(مَا اتَّعَظَتْ) میں نے شفقت سے نصیحت کرنے والے کی نصیحت کو قبول نہ کیا۔ (مِنْ جَهْلِهَا) اپنی ظاہری باطنی طبابیت اور جہالت کی وجہ سے (بِنَذِیْرِ الشَّیْبِ) یہ (ما اتعظت) کے متعلق ہے یعنی بڑھاپے کے ڈرانے سے (وَالْهَرَمِ) اور کبڑاپن کے ڈرانے سے۔ اور یہ بڑھاپے کی انتہا ہے۔

۱۴

جو مہمان (بڑھاپا) بلا تکلف میرے ہاں وارد ہوا۔ میں نے اس کی مہمان نوازی کیلئے اعمالِ حسنہ کا سامان مہیا نہ کیا۔

(وَلَا اَعَدَّتْ) ما اتعظت پر عطف ہے۔ یعنی آپ کے نفس کی کیا حالت ہے۔ (مِنَ الْفِعْلِ الْجَمِیْلِ) جو شرعًا اور عقلًا اچھا ہو۔ یہ یا تو بیان ہے یا حال ہے (قِرٰی) قاف کے نیچے زیر اور را پر کھڑی زبر دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ مہمان کے لیے عمدہ کھانے (اچھے اعمال) اور اسی طرح یہ مصدر بھی ہے۔ صحاح میں بھی اس طرح آیا۔ یہاں اس سے مراد پہلا ہے۔ (ضَیْفٍ) عظیم شان اور بلند مقام

الاول (ضَيۡفٍ) عظيم الشان رفيع المكان (اَلَمَّ) ضيف اى نزل (بِرَاسِیۡ غَیۡرَ مُحۡتَشَمِ) صفة أوحال اى غير معظم عندى وهو معظم عند الله تعالىٰ كيف وقد اضافه إلى ذاته حيث قال الله تعالىٰ: الشيب نورى[1].

ولما لم يجر على مقتضى الشيب والكبر وعمل على خلاف مقتضاه، ندم على سوء أدبه فى حقه فقال:

١٥

لَوۡكُنۡتُ اَعۡلَمُ اَنِّیۡ مَا اُوَقِّرُهٗ
كَتَمۡتُ سِرًّا اَبَدَا لِیۡ مِنۡهُ بِالۡكَتَمِ

(لَوۡكُنۡتُ اَعۡلَمُ اَنِّیۡ مَا اُوَقِّرُهٗ) أعظم الضيف النازل عندى بالتجافى عن دار الغرور والإنابة إلى دار الخلود والتاهب للموت قبل النزول بالاعداد قبل إتيانه الأعمال الحسنة والأخلاق الحميدة والأحوال السنية وغير ذلك مما أخبره الشرع من الأمور الشرعية والمعارف الإلهية وبالتشمير لتحصيل ما هو يقتضيه[2] بعد إتيانه لتشتت الحال وتفرق "البال"[3] لاشتغاله بمطالعة الحسن والجمال وابتلائه بمحاسن الخد والخال، وتضييع[4] الوقت فى القيل والقال مع أنه واجب التوقير والتعظيم، أخبر عنه الشرع القويم، قال صلى الله عليه وسلم:

---

[1] لم اجده بهذا اللفظ وعند الترمذى حديث: انه نور المسلم. ٥/٢٠١ باب ما جاء فى النهى عن نتف الشيب

[2] وفى ب: تقبضه. [3] سقطت من الاصل والتكملة من "ب"

[4] فى الاصل "تضيع" وصوابه "تضييع"

(الکِبَرَ) مہمان کا آنا۔ (برأسي غير محتشم) یہ صفت ہے یا حال ہے یعنی میرے نزدیک عظمت کا سبب نہیں ہے، حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ معظم ہے۔ یہ کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اسی طرف کرتے ہوئے فرمایا۔ الشیب نوری، (بڑھاپا میرا نور ہے)۔

اور جب اس نے بڑھاپے اور کبر سنی کے تقاضے پورے نہ کیے اور ان کے تقاضوں کے خلاف عمل کیا۔ تو اس خلاف ورزی پر نادم ہوا۔ اور کہا۔

۱۵

اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں اپنے مہمان (بڑھاپے) کی عزت نہیں کر سکونگا
تو میں سفید بالوں سے ظاہر ہونے والے راز کو وسمہ (خضاب) لگا
کر چھپاتا۔

(لو کنت اعلم انی ما اوقرہ) میرے پاس آنے والا مہمان (بڑھاپا) بہت عظیم ہے۔ وہ دمد ہے دار غرور سے متوجہ ہے دار الملود کی طرف۔ موت کی آمد سے قبل موت کے لیے تیاری محدود ہے۔ یعنی اعمالِ حسنہ، اخلاق حمیدہ، احوال رفیعہ اور اس طرح دوسرے ایسے امور سے جن کے حصول کی شریعت نے ہمیں خبر دی۔ اور ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے محنت کرنا، حالانکہ حُسن وجمال کے مطالعے میں مستغرق ہونے۔ خدوخال کی خوبیوں میں مبتلا ہونے۔ وقت کو قیل وقال میں ضائع کرنے سے حال برباد ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود بڑھاپے کی تعظیم اور توقیر واجب ہے۔ اس بارے میں شریعت مطہرہ نے ہمیں نہ خبر دی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"من إجلال الله إكرام ذی الشيبة المسلم" "ما وقر شاب شيخاً لشيبه إلا قيض الله فی شيبه من يوقره"[1]۔

(كَتَمْتُ) سترت (سِرّاً) امراً مخفياً (بَدَا) ظهر (لِی مِنْهُ) حال و"من" ابتدائية أی الضيف (بِالكَتَمِ) متعلق "كتمت" وهو النبت الذی يختصب به، لئلا الام علی هتك حرمة من يجب حرمته۔

ولما عجز عن مقاومة النفس وجعلها منقادة لشدة شكيمتها وخبث طينتها ونجاسة[2] جبلتها ورذالة طبيعتها وغاية شرارتها ونهاية حرصها علی[3] اللذات والشهوات، قال مستفهماً متعجباً طالباً لمقوم يقومها و مروض يروضها:

١٦

مَنْ لِی بِرَدِّ جِمَاحٍ مِنْ غَوَايَتِهَا
كَمَا يُرَدُّ جِمَاحُ الْخَيْلِ بِاللُّجُمِ

(مَنْ) يتكفل (لِی بِرَدِّ) بدفع (جِمَاحٍ) كرماح مصدر" وهو الشماس[4] ناش (مِنْ غَوَايَتِهَا) ضلالتها (كَمَا يُرَدُّ جِمَاحُ) شماس (الْخَيْلِ بِاللُّجُمِ) ای من يتكفل لِی بدفع شماس واحد ناش من ضلالتها وجهالتها رداً مثل رد

---

[1] اخرجه أبو داود عن ابی موسی الاشعری بالشطر الاول، كتاب الادب ٣٦١/٤ والثانی أخرجه الترمذی ٢٣/٢ باب ما جاء فی إجلال الكبير۔

[2] كذا فی الاصل وفی ب: خساسة۔ [3] كذا فی الاصل وفی ب: فی

[4] الاصل مخروم والتكملة من ب۔

"اللہ کریم کے احترام سے یہ بھی ہے کہ بوڑھے مسلمان کی عزت کی جاتے کوئی جوان اگر بوڑھے کی عزت بڑھاپے کی وجہ سے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاپے میں عزت کرنے والا دے گا"۔

(کَتَمْتُ) میں چھپایا۔ (سِرّاً) راز۔ (بَدَا) ظاہر ہوا۔ (لِیْ مِنْهُ) یہ حال ہے اور من ابتدائیہ ہے۔ یعنی مہمان (بڑھاپا) (بِالْکَتَمِ) یہ کتمت کا متعلق ہے۔ وہ پودہ جس سے بالوں کو رنگ دیا جاتا ہے (مطلق رنگ کالا نہیں) اس لیے کہ جن کی عزت اور احترام واجب ہے ان کی توہین نہ ہو۔

اور جب نفس کی صحیح تربیت سے عاجز ہوا۔ لذتوں اور شہوتوں پر انتہائی حرص حد درجہ شرارت طبیعت کی رسوائی، عادات کی گندگی، سرشت کی خباثت کی چونچ نے ظلم کی سختی کی انتہا کر دی۔ تو ناظم رحمۃ اللہ علیہ نے متعجب ہو کر استفہامیہ انداز میں کہا۔ کہ کوئی میرے نفس کو درست کر سکتا ہے۔ اور اس کو صحیح سمت قائل کر سکتا ہے۔

۱۶

ہے کوئی جو میرے نفس کے سرکش گھوڑے کو لگام دے، جس طرح منہ زور گھوڑے کو لگام دیا جاتا ہے۔

(مَنْ) کون کفالت کرے گا۔ (لِیْ بِرَدِّ) روکنے کیلئے۔ (جِمَاحِ) رماح کی طرح مصدر ہے سرکش گھوڑا۔ (مِنْ غَوَاشِهَا) اس کی گمراہی سے۔ (کَمَا یُرَدُّ جِمَاحُ) جس طرح کہ منہ زوری روکی جاتی ہے۔ (الْخَیْلِ بِاللُّجُمِ) میرے لیے نفس کے سرکش اور منہ زور گھوڑے کو ان کی سرکشی اور گمراہی سے کون روکے گا۔ جس طرح منہ

شماس الخيل باللجم، والقول بأن الجماح جمع جموح بالفتح وله معنيان الفرس الشموس الأبى والنفس المرتكبة على هواها، والمراد فى المصراع الأول الثانى وفى الثانى الاول، إخلال بالنظم وجزالة المعنى فتدبر!

ولما ظهر أنه طالب لمعالجة النفس كأنه هتفه هاتف: إن كنت طالباً للمعالجة -

۱۷

فَلَاتَرُمْ بِالْمَعَاصِى كَسْرَشَهْوَتِهَا
إِنَّ الطَّعَامَ يُقَوِّى شَهْوَةَ النَّهِمِ

(فَلَا تَرُمْ) تطلب (بِالْمَعَاصِى) بارتكابها (كَسْرَ شَهْوَتِهَا) أى النفس بحسبانك[1] أنها اذا استرسلت سدى فى اللذات والشهوات وأودية[2] نار الضلالات والجهالات تفتر وتمل وتفنى عنها بكثرة مايزاولها كلا بل تتقد نار توقانها بحطب المعاصى كل الاتقاد وترمى بشرر[3] كالاطواد وتصير راسخة فيها مسكنة عنها فيعسر قمعها عنها بل يتعذر كمن أمر بقلع شجرة فيؤخرها إلى السنة القابلة وهو يعلم أن الشجرة تزداد كل يوم رسوخا وقوته تزداد قصوراً ونقصاناً وذلك غاية الجهل، فعليك فى كسر الشهوة وتذويبها بنار الجوع

---

[1] وفى ب: حسابك

[2] وفى ب: ادوية

[3] وفى ب: بشر

زور گھوڑے کو لگام کے ذریعہ روکا جاتا ہے۔ جماع جموع کی جمع ہے۔ جیم پر زبر ہے۔ اور اس لفظ کے دو معنی ہیں۔ (۱) سرکش اور انکاری گھوڑا۔ (۲) خواہشات نفسانی کا مرتکب نفس۔ پہلے مصرعہ میں (دوسرا) خواہشات نفسانی کا مرتکب نفس مراد ہے۔ اور دوسرے مصرع میں (اول) سرکش اور ضدی گھوڑا مراد ہے۔ ظاہراً شعر میں خلل ہے مگر معنی کامل ہے۔

اور جب یہ بات واضح ہوتی۔ کہ ناظم نفس کے علاج کا طالب ہے تو گویا ہاتف غیبی نے آواز دی۔ کہ اگر تو علاج کا طالب ہے۔

۱۷

یہ نہ سمجھ کہ کثرت گناہ کی وجہ سے گناہ سے طبیعت سیر ہو جائے گی۔ بلکہ زیادہ کھانے سے کھانے کی حرص مزید بڑھ جاتی تھی۔

(فَلَا تَرُمْ) طلب نہ کر۔ (بِالْمَعَاصِیْ) گناہ کے ارتکاب سے (کَسْرَ شَهْوَتِهَا) یہ نہ سمجھ نفس گناہ کے بار بار ارتکاب سے سیر ہو جائے گا۔ اور لذتیں اور شہوتیں ٹھیک ہو جائیں گی۔ گمراہیاں اور جہالتیں درست ہو جائیں گی۔ یا باہم کوششوں سے نفس سرد، کمزور اور راند پڑ جائے گا۔ نہیں بلکہ اس سے نفس کی آگ مزید بھڑکے گی گناہوں کے ایندھن سے مزید شعلے اور چنگاریاں پیدا ہوں گی۔ جس طرح کہ جنگلوں میں آگ بھڑکتی ہے۔ تو اس کا بجھانا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ جس طرح کہ کوئی کسی درخت کے اکھیڑنے کا حکم دے۔ تو اس کو آئندہ سال تک موخر کر دے حالانکہ وہ جانتا ہے۔ کہ اس کی جڑیں زیادہ بڑھتی جاتی ہیں اور طاقت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اور اس کا قصور اور نقصان ہے۔ یہ جہالت کی انتہا ہے۔ اب تیرے

والرياضات ومكابدتها بترك اللذات والمشتهيات حَتّٰى تَفِيَٓءَ إلى أَمْرِ اللّٰهِ تعالى.[1]

ثم اورد دليلاً عليه فقال (إِنَّ الطَّعَامَ يُقَوِّي) يزيد ويُحكم (شَهْوَةَ النَّهِمِ) كَكَتِفِ، الحريص على الطعام، فكما لا يمكن كسر شهوته[2] عن الطعام إلا بالإحتماء، كذلك لا يمكن كسر شهوة النفس الحريص إلا بالمنع عن المعاصي التي هي كالطعام لها.

١٨

وَالنَّفْسُ كَالطِّفْلِ إِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلَىٰ
حُبِّ الرَّضَاعِ وَإِنْ تَفْطِمْهُ يَنْفَطِمِ

(وَ) اعلم أن (النَّفْسَ) مع أنها أمارة بالسوء (كَالطِّفْلِ) في الانزجار عند[3] الزجر والبقاء على ما كان عند[4] الاهمال، وإليه اشار بقوله (إِنْ تُهْمِلْهُ) جملة مستانفة لبيان حال الطفل وجعلها حالا منه طفولية تأمل، اى إن تتركه على حاله (شَبَّ) بلغ الشباب حريصاً (عَلَىٰ حُبِّ) محبة (الرَّضَاعِ وَإِنْ تَفْطِمْهُ) تفصله عنه (يَنْفَطِمِ) ينفصل.

وإذا كان حال النفس ما ذكرنا:

---

[1] كلمات قرآنية، سورة الحجرات، الاية: ٩.

[2] في الاصل: شهوبته، والتصويب من ب.

[3] كذا في الاصل وفي ب: عن.

[4] كذا في الاصل وفي ب: عنه.

اوپر یہ لازم ہے کہ تو عبادت اور بھوک کی آگ سے نفس کو جلاتے اور نفس کو توڑ دے۔ اور تو ان لذات اور شہوات کے چھوڑنے میں محبت اور کوشش سے کام لے۔" یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آتے"۔

پھر اس پر دلیل ذکر کی اور کہا (اِنَّ الطَّعَامَ یُقَوِّیْ) کھانے سے طاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔ (شَهْوَةَ النَّهِمِ) کتف کے وزن پر۔ کھانے پر حریص۔ تو اس کی شہوت کو توڑنا ناممکن ہے۔ مگر سخت کوشش سے ممکن ہے۔ اسی طرح نفس کے خواہشات کو توڑنا اور گناہوں سے روکنا جو نفس کیلئے کھانا میں ناممکن ہے۔

۱۸

نفس بچے کی طرح ہے۔ اگر دودھ پینے دیا جاتے تو وہ طاقت ور ہو جاتے گا۔ اور اگر دودھ سے چھڑاتے تو چھوڑ دیتا ہے۔

(وَ) اور واضح رہے (النَّفْسَ) باوجود اس کے کہ نفس برائی کا حکم دیتا ہے (کَالطِّفْلِ) بچے کی طرح ہے ڈانٹ ڈپٹ کے دوران، اور لوں چھوڑنے کے وقت یوں بیٹھ جانا۔ اور اسی کی طرف ان الفاظ سے اشارہ کیا۔ (اِنْ تُهْمِلْهُ) یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس میں بچے کی حالت بیان کی گئی ہے۔ بچہ کہہ کر اس کا بچپن مراد لیا گیا ہے۔ یعنی اگر آپ اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ (شَبَّ) جوانی حریص بن گئی۔ (عَلٰی حُبِّ) محبت۔ (الرِّضَاعِ وَ اِنْ تَفْطِمْهُ) بچے سے دودھ چھڑانا۔ (یَنْفَطِمِ) دودھ چھوڑ دے گا۔

اور جب نفس کی حالت یہ ہے۔ جو ہم نے ذکر کی۔

١٩

فَاصْرِفْ هَوَاهَا وَحَاذِرْ أَنْ تُوَلِّيَهُ
إِنَّ الْهَوَىٰ مَا تَوَلَّىٰ يُصْمِ أَوْ يَصِمِ

(فَاصْرِفْ) امنعْ[1] (هَوَاهَا) اى مشتهيات النفس عنها وروضها بالرياضات، فان السعادة الابدية والحياة السرمدية فيه كما قال الله تعالى: وَنَهَى عَنِ الْهَوَى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى[2] (وَحَاذِرْ) أى احذر حذراً بليغاً كاملاً عن (أنْ تُوَلِّيَهُ) تجعله والياً حاكماً عليك (إِنَّ الْهَوَى) النفس، هو ميلانها الى ما تستلذه من الشهوات، اسم ان ماتولى مفعول خبره هو يُصْمِ (مَا) اى الذى (تَوَلَّى) هو النفس عليه والتعبير عنه[3] بما إشعار بأنه ليس من اعداد العقلاء بل أولئك كالانعام (يُصْمِ) يقتل من الاضماء لإفضائه إلى الكفر والطغيان أو (يَصِمِ) يجعله ذا عيب من وصم يصم لإفضائه الى الفسق والعصيان -

وناهيك حجةً عليه قوله تعالى: أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ[4]، وقوله عليه الصلوة والسلام: الهوى عند الله أبغض من جميع الالهة[5] وقوله عليه الصلوة والسلام: اللهم انى اعوذ بك من شر نفسى، اللهم لا تكلنى الى نفسى الباطلة طرفة عين اكلاءنى كلاءة الوليد إن تكلنى الى نفسى تكلنى الى ضعف

---

[1] كذا فى الاصل وفى ب: امتنع - [2] سورة النازعات، الاية: ٤١

[3] سورة الجاثية، الاية: ٢٣

[4] راجع: مجمع الزوائد ١/١٨٨ باب فى البدع والأهواء.

نفس کو روک لو۔ اور اس کے غالب ہونے سے ڈرو۔ خواہشات نفسانیہ غالب ہو کر یا تو ہلاک کر دیتی ہے یا عیب دار بنا دیتی ہے (فَاَصْرِفُ) میں منع کرتا ہوں۔ (هَوَاهَا) جن چیزوں کی طرف نفس خواہش کرتا ہے۔ اس کی تربیت ریاضت و عبادت ہو۔ کیونکہ سعادت ابدی اور ہمیشہ کی زندگی اسی میں ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اور جس نفس کو خواہشات سے روکا۔ پس بیشک جنت اسکا ٹھکانہ ہے"۔

(وَحَاذِرِ) مکمل بچاؤ حاصل کر۔ اس سے کہ (اِنْ تُوَلِّيَهُ) اگر تو اس پر والی اور حاکم بن جاتے۔ (اِنَّ الْهَوٰى) نفس۔ نفس کا وہ میلان جو شہوات سے لذت حاصل کرتا ہے۔ ھوی اِنَّ کا اسم ہے۔ اور یُصَمِّ جو ان کی جز ہے مَاتَوَلّٰى مفعول جز ہے (مَا) یعنی وہ (تَوَلّٰى) نفس پر کنٹرول حاصل ہو۔ عاقلوں کی شمار میں نہیں آتا۔ بلکہ وہ تو جانوروں کی طرح ہیں۔ (یُصْمِ) یہ لفظ اصماء سے ہے قتل کر دیتی ہے کیونکہ یہ کفر اور سرکشی کی دھکیلتی ہے۔ اور (یَصُمُّ) عیب دار ہونا۔ وَصَمَ یَصِمُ سے ہے۔ کیونکہ یہ فسق اور گناہ کی طرف لے جاتی ہے۔

اس پر بطور حجت اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی کافی ہے۔ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ هواه۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا یہ فرمان خواہش نفس اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام جھوٹے خداؤں سے زیادہ مبغوض و ناپسند ہے۔ اور یہ فرمان کہ اے اللہ میں شر نفس سے پناہ مانگتا ہوں۔ یا اللہ ایک لمحہ بھی مجھے نفس باطل کے سپرد نہ کرنا۔ ورنہ میرا سپرد کرنا بچے کی طرف ہو گا۔ اگر آپ مجھے نفس کے

وعورة وذنب وخطيئة [1]

ولما بين معالجة النفس بصرف الهوى والحذر عن استيلائها خاف ان يغفل عنها حال استغالها بالعبادات فقال :

٢٠

وَرَاعِهَا وَهِيَ فِي الْأَعْمَالِ سَائِمَةٌ
وَإِنْ هِيَ اسْتَحْلَتِ الْمَرْعَى فَلَا تُسِمِ

(وَرَاعِهَا) أي كن حافظاً لها، رقيباً عليها لحظة بعد لحظة وساعة بعد ساعة (وَهِيَ فِي الْأَعْمَالِ سَائِمَةٌ) اي والحال أنها شاغلة فى الاعمال الحسنة ملازمة لها مداومة عليها مخافة أن ينشأ منها اذا ظهرت بصفتها من كونها أمارة و مسئولة إلى غير ذلك رياء محيط لتلك الاعمال السنية والأفعال الحسنة لقوله عليه الصلوٰة والسلام: لا يقبل الله تعالى عملاً فيه مقدار ذرة من رياء أو عجب مهلك [2] ولقوله صلى الله عليه وسلم "ثلاث مهلكات : شح مطاع و هوى متبع، وإعجاب المرء بنفسه" [3]

أو سمعة مردية لقوله صلى الله عليه وسلم: "يؤتى بالعالم والغازى و الزاهد فيقال: عملوا كذا وكذا فى سبيلك، فيقول الحق سبحانه وتعالى: لا بل ليسمع الناس ويقولوا لهم كذا وكذا" فقد قيل. [4]

(وَإِنْ هِيَ اسْتَحْلَتِ) اى وان عدت النفس المشبهة بالمطى (الْمَرْعَى) الاعمال

---

[1] راجع مسند الامام احمد ٥ /٣٣٤ وكتاب اللمع : ١٦٠ .

[2] انظر: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ١/ ٩٨ كتاب الايمان، واحياء علوم الدين ٣/ ٢٠٣ بيان ذم الرياء.

[3] اخرجه صاحب مشكوٰة المصابيح فى كتاب الآداب: ٤٣٤ باب الغضب والكبر، وانظر ايضاً مجمع الزوائد ١/ ٩٠ باب المنجيات والمهلكات، واحياء علوم الدين ٣ /٣٣٤ كتاب ذم الكبر والعجب .

[4] راجع: جامع الترمذى ٢/ ٦١ أبواب الزهد، باب ما جاء فى الرياء والسمعة والجامع الصحيح ٦ /٤٧ كتاب الامارة باب من قاتل للرياء والسمعة، مشكوٰة المصابيح : ص ٣٣ ، كتاب العلم .

حوالے کر دیں گے۔ تو گویا کمزوری، گناہ اور غلطی کے سپرد کرنا۔
اب جبکہ نفس کا علاج خواہشات کا رخ پھیرنے اور ان سے بچنے میں ہے۔ اس خوف سے کہ عبادات میں مشغولیت کی وجہ سے غافل ہوں۔

۲۰

نفس پر نظر رکھ اس لیے کہ یہ اعمال صالحہ میں چرنے والا ہے۔ اگر وہ چراگاہ میں چرنا پسند کرے تو اس کو روک لو۔

(وَرَاعِهَا) یعنی اس کا محافظ بن جا۔ ہر پل اور ہر لمحہ اس کا نگہبان بن جا۔ (وَهِيَ فِي الْاَعْمَالِ سَائِمَةٌ) حالانکہ اے (نفس) نیک اعمال میں مصروف ہونا چاہیے تھا۔ تاکہ اعمال حسنہ میں ترقی ہو۔ اور جب نفس امارہ غالب ہو جاتا ہے تو پھر نیک اعمال کو ریا سے آلودہ کرتا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ "اللہ تعالےٰ اس عمل کو ہرگز قبول نہیں فرماتا جس میں ذرہ برابر ریا اور تکبر شامل ہو۔ اور اسلیے بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تین (گناہ) ہلاک کر دینے والے ہیں شدید بخل، خواہشات کی پیروی اور خود کو نیک اور بہتر سمجھنا۔
یا جھوٹی شہرت کیلئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن غازی، عالم اور زاہد کو حاضر کر کے پوچھا جائے گا وہ کہیں گے، ہم نے آپ کی خاطر ایسا ایسا عمل کیا۔ حق سبحانہٗ فرمائیں گے۔ نہیں بلکہ لوگوں میں شہرت حاصل کرنے کیلئے تم نے کام کیے تھے تاکہ لوگ تمہیں اس طرح یاد کریں اور لوگوں نے تمہیں اس طرح یاد کر لیا۔
(وَاِنْ هِيَ اسْتَحْلَتِ) یعنی اگر آپ نفس کو مرنے والے جانور سے تشبیہ

المشبهة بالمرعى حلواً حسناً مضمرة شيئاً مما ذكر فيها.

(فلا تُسِمِ من الإسامة (أى لا تبقيها على الاسامة) مهملاً[١] لها عليها، بل كن مجداً[٢] فى تهذيبها بمحو الشوائب وقطع العلائق وتجريد النظر عن الخلائق والتبتل بشراشره الى رب الأرباب ومسبب الاسباب ومفتح الابواب منه المبدأ واليه المآب، وتعميرها بالأعمال بالله لله فى الله حتى تصير مطمئنة بذكر الله، معرضة عما سوى الله، وأما منعها عنها لأجل الرياء فليس تصحيح إذ ترك العمل للرياء رياء ايضاً، ولأن المقصود تهذيبها وذا لا يحصل به بل قد يؤدى إلى ترك العمل رأساً.

وقيل "وراعها" اى عاهدها، وارفق[٣] بها، واعظ نصيبها حال كونها فى الاعمال سائمة[٤] لقوله صلى الله عليه وسلم: "نفسك مطيك فارفق بها"[٥]، وان عدت النفس مرعى اللذات والشهوات حلوا وحزنت عن العبادة "فلا تُسِمِ" أى لا تعطها حظها بل حقها ايضاً وعالجها وجوعها وكلفها بالتكاليف الشاقه كما نقل عن ابى يزيد رحمه الله تعالى انه قال:

---

[١] مابين القوسين سقط من الاصل والتكملة من ب.

[٢] كذا وفى ب: مخلا.

[٣] كذا وفى ب: رافق.

[٤] كذا فى الاصل وفى ب: شاغلة.

[٥] انظر: عوارف المعارف ٢/١٤٧.

دیں۔ (وَالْمَرْعٰی) اور اعمال صالحہ کو اچھی چراگاہ سے تشبیہ دیں (یعنی نفس اعمال حسنہ کی چراگاہ میں خوب چرتا ہے جس طرح چراگاہ میں جانور چرتے ہیں)۔

(فَلَا تُسِمْ) یہ لفظ (اِسامۃ) سے بنا ہے۔ یعنی اس نفس کے جانور کو کھیتی میں چرنے نہ دو۔ اور اس کو مکمّل طور پر کھلا نہ رہنے دیں۔ بلکہ نفس کو مہذب بنائیں گناہوں کے مٹانے، غلط تعلقات کے ختم کرنے، لوگوں سے نظر کو دور رکھنے اور اللہ تعالیٰ کے حضور رونے اور گڑگڑانے سے جو سبب الاسباب اور تمام دروازوں کا کھولنے والا ہے۔ اسی سے ابتداء اور اس کی طرف انتہا ہے۔ اور نفس کی تعمیر نیک اعمال جو خالص اللہ کے لیے ہوں سے ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نفس مطمئن بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے مُنہ موڑ لیتا ہے۔ اور نفس کو ریاء کی وجہ سے کسی عمل سے روکنا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے ریا کے لیے عمل کو ترک کرنا بھی ریا ہے مقصد تو نفس کو مہذّب بنانا ہے، اور یہ خالصیت صرف اور صرف عمل کے بنیاد سے ریاء کو نکالنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اور بعض نے کہا۔ کہ نفس پر نرمی کر کے اس کے ساتھ معاہدہ کر۔ اور اس کو اس کا حصہ دیدے۔ اس حال میں کہ وہ اعمال میں چرنے والا ہے۔ اسلیے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ کہ نفس تیری سواری ہے۔ اس سے نرمی کا برتاؤ کرو۔ اور اگر تو یہ سمجھتا ہے۔ کہ نفس لذتوں اور شہوتوں کی رعایت کرتا ہے اور عبادت پر پریشان اور غمگین ہوتا ہے۔ (فَلَا تُسِمْ) تو اس کو اس کا حصہ اور حق نہ دے بلکہ بھوک، تکالیف اور مصیبتوں سے اس کا علاج کر جس طرح حضرت

تكاسلت نفسى على فى بعض الليالى عن بعض الأوراد فعاتبتها بأن منعتها الماء سنة لئلا تعتاد النعم التى هى[1] مؤدية الى البطالة ومفضية الى الكسالة ولذا قال صلى الله عليه وسلم: شرار امتى الذين غذوا بالنعيم ونبتت[2] عليه أجسادهم وانما همتهم ألوان الطعام وأنواع اللباس[3].

ثم بين ما فى البيت السابق بقوله:

٢١

كَمْ حَسَّنَتْ لَذَّةً لِلْمَرْءِ قَاتِلَةً
مِنْ حَيْثُ لَمْ يَدْرِ أَنَّ السَّمَّ فِى الدَّسَمِ

(كَمْ) مرة خبرية (حَسَّنَتْ) زينت النفس وسولت (لَذَّةً) مفعول "حسنت" (لِلْمَرْءِ) متعلق حسنت (قَاتِلَةً) صفة "لذة" فظن أنها لذة حسنة مرغوبة لافساد فيها بل هى خير محض (مِنْ حَيْثُ) من أجل (لَمْ يَدْرِ) لم يعلم المرء (إِنَّ السَّمَّ فِى) الطعام (الدَّسَمِ) بكسر السين يعنى كثيراً ما تسول النفس وتزين شيئاً قبيحاً غير مرضي مردياً للشخص فيراه[4] حسناً مرضياً منجياً كما قال الله تعالى: فَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوْءُ عَمَلِهِ فَرَاهُ حَسَناً[5] وهو داء عضال

---

[1] فى الاصل "هو" والصواب ما اثبت۔

[2] فى الاصل: وهنت، والتصويب من الاحياء۔

[3] راجع احياء علوم الدين ٣/٦٧ باب ذم الشبع۔

[4] كذا فى الاصل وفى ب: فرآه۔

[5] سورة فاطر: الاية: ٨

ابا یزید رحمۃ اللہ سے منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ بعض وظائف اور اوراد کی وجہ سے بعض راتوں میں میرا نفس سُست پڑگیا۔ اس پر میں نے اسکا پیچھا کیا اور ایک سال تک پانی سے منع کیے رکھا۔ تاکہ پھر ان نعمتوں کا عادی نہ بنے جو گمراہی اور سُستی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ اور اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ میری امت شریر لوگ وہ ہیں جو نعمتیں کھاتے ہیں اور انکے اجسام خوب موٹے ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا مقصد صرف اور صرف انواع واقسام کے کھانے اور لباس ہوتے ہیں۔

پھر سابقہ شعر کا مفہوم ذکر کیا۔

۲۱

نفس نے کتی مرتبہ انسان کیلئے قاتل لذتوں کو پسند کیا ہے اور انسان کو یہ بھی معلوم نہ ہوا۔ کہ زہر اس مرغن غذا میں ہے۔

(کَمْ) کتی بار (کم خبریہ ہے) (حَسَّنَتْ) نفس نے مزین اور خوبصورت بنایا۔ (لذۃ) یہ حسنت کا مفعول ہے۔ (لِلْمَرْءِ) یہ حسنت کے متعلق ہے۔ (قَاتِلَۃً) یہ لذت کی صفت ہے۔ گویا کہ یہ ایک مرغوب اور اچھی لذت ہے۔ اس میں بالکل فساد نہیں۔ بلکہ خیر ہی خیر ہے۔ (مِنْ حَیْثُ) اس لیے (لَمْ یَدْرِ) آدمی نہیں جانتا۔ (اِنَّ السَّمَّ فِی) کھانے میں (السُّم) سین کے نیچے زیر ہے۔ یعنی زیادہ مواقع میں نفس بُرے اور ناپسندیدہ اشیاء کو انسان کے سامنے مزین کر کے اور خوبصورت انداز میں پیش کرتا ہے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "جس کیلئے بُرے اعمال مزین کرے اس کو اچھے دیتے ہیں"۔ اور یہ ایک بہت ہی سخت بیماری ہے۔ جس کا

يوجب الحرمان ويثمر الخسران فعلى المتيقظ ان يحذر مواقع غرورها ويتقى مكائد شرورها ويتنبه[1] لتلبيسها وزورها۔

ولما بين وجوب محافظتها حالة الاشتغال بالعبادة بين أنه وجب ايضا فى الأحوال الضرورية كالجوع والشبع فقال.

٢٢

وَاخْشَ الدَّسَائِسَ مِنْ جُوْعٍ وَّمِنْ شِبَعٍ
فَرُبَّ مَخْمَصَةٍ شَرٌّ مِّنَ التُّخَمِ

(واَخشَ) أى كن خائفا من أن تقع بتسويلها فى افراط وتفريط والزم الوسط بين الجوع والشبع (الدَّسَائِسَ) جمع دسيسة، الامور المخفيه ناشئة من "دس الشئ" اخفاه، المؤدية الى الهلاك والردى والمثمرة للحرمان فى الاولى والعقبى ناشئة (من جُوْعٍ) من العجب والريا والسمعة (وَمِنْ شِبَعٍ) من البطالة والكسالة والفسق والفجور، فوجد الفاء للتعليل (رُبَّ مَخْمَصَةٍ) مجاعة مقرونة بالعجب وغيرهى (شَرٌّ مِنَ التُّخَمِ) اى من ذنب التخم لقوله صلى الله عليه وسلم: "لولم تذنبوا لخشيت عليكم ما هو أكبر من ذلك، العجب العجب"[2]

ويحتمل أن يقال لما بلغ فى الاحتراز عن اللذات، خاف إفراط المحاطب ومنعه النفس عن الحقوق ايضاً فقال: واخش الدسائس الامور المخفيه ناشئة

---

[1] فى الاصل "بنته" والتصويب من "ب"

[2] راجع إحياء علوم الدين ٣/٢٥٨ فى بيان ذم العجب۔

پھل گھاٹا اور حرمان ہے۔ بس ہر سمجھدار کو چاہیے کہ اس کے غرور سے بچے۔ مکرو فریب اور شر سے محفوظ رہے۔ اور اس کے مکر و تلبس اور جھوٹ پر متنبہ رہے۔

جب ہم نے نفس کے شر سے بچنے کو عبادت کے دوران ضروری قرار دے کر بیان کر دیا۔ بالکل اسی طرح اموال ضروریہ یعنی بھوک اور سیری میں بھی اس سے بچنا ضروری ہے۔ تو پھر فرمایا۔

۲۲

اور ڈر تو بھوک اور شکم سیری کے پوشیدہ مکر سے کیونکہ
بسا اوقات سخت بھوک زیادہ کھا لینے کی بہ نسبت زیادہ بری ہوتی ہے

(وَاخْشَ) ڈرنے والا بن۔ (الدَّسَائِسْ) رسیسہ کی جمع ہے۔ مخفی امور (مکرو فریب) (مِن جُوْعٍ) تکبر ریا سے (وَمِن شَبَعٍ) جھوٹ، سستی، فسق و فجور اس کے بعد فا تعلیل کیلئے ہے۔ (رُبَّ مَخْمَصَةٍ) وہ بھوک جو تکبر وغیرہ سے ملی ہوتی ہو۔ (شَرٌّ مِّنَ التُّخَمِ) بد ہضمی کے گناہ سے زیادہ ہوا ہے۔ اس بات سے خوف کر کہ تمہیں افراط اور تفریط میں ڈال کر گمراہ نہ کر دے۔ اور بھوک اور سیری میں درمیانی راستہ اختیار کرو۔ اس لیے مکر و فریب اس دنیا میں ہلاکت، تباہی اور مایوسی ہے۔ اور آخرت میں اس کا بدلہ سخت گرفت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم گناہ نہ کرو تو مجھے ڈر ہے کہ تم اس سے بڑے گناہ یعنی تکبر میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

ممکن ہے کہ نفس سے بچنے کا اس بیان مخاطب کو افراط (کمی) کا شکار نہ کر دے اور نفس کو اپنے حقوق سے محروم رکھے۔ اس لیے کہا کہ مخفی امور (مکر و فریب) سے

من جوع بالغ أقصى النهاية من عدم استطاعة الصوم والصلوة والذكر والا فالجوع مفتاح باب السعادة ولذا قال عليه السلام: "ما من عمل أحب الى الله تعالىٰ من جوع وعطش"[۱] وقال: "سيد الأعمال الجوع"[۲] وقال: "الفكر نصف العبادة وقلة الطعام هى العبادة"[۳] وقال: "أفضلكم عند الله أطولكم جوعاً و تفكراً و أبغضكم عند الله كل اكول ونوم و شروب"[۴] وقال: "ان الشيطان يجرى ابن آدم مجرى الدم، فضيقوا مجاريه بالجوع والظماء"[۵] وقال صلى الله عليه وسلم لعائشة رضى الله عنها: "أديموا قرع باب الجنة يفتح لكم، قالت: وكيف نديم؟ قال: بالجوع والظمأ"[۶] وقيل: "فى نفس ابن آدم ألف عضو من الشر كلها فى كف الشيطان متعلق بها فاذا جوع أحد بطنه و أخذ حلقه وروض نفسه، يبس كل عضو واحترق بنار الجوع، وفر الشيطان من وجوده، وإذا اشبع بطنه وترك حلقه فى لذائذ الشهوات فقد رطب اعضاوه وأمكن الشيطان"[۷]

"والشبع نهر فى النفس يردها الشياطين والجوع نهر فى الروح بردها

---

[۱] نفس المرجع ۳/۵۹ فى باب فضيلة الجوع وذم الشبع۔

[۲] نفس المرجع

[۳] انظر: احياء علوم الدين ۳/۶۰ فى باب فضيلة الجوع وذم الشبع۔

[۴] نفس المرجع ۳/۶۰۔

[۵] اخرجه الدارمى من حديث جابر (رض): ۲۷۴ وصاحب مشكوٰة المصابيح: ۱۸ فى كتاب الايمان، بدون قوله: فضيقوا مجاريه بالجوع والظمأ" وقال العلامة على القارى فى الموضوعات الكبيرى: ۱۲۲، فانه مدرج من كلام بعض الصوفية۔

[۶] راجع: إحياء علوم الدين ۳/۶۰ وعوارف المعارف ۳/۱۸۶ الباب التاسع والثلاثون فى فضل الصوم۔

[۷] انظر: عوارف المعارف ۳/۱۸۴ الباب التاسع والثلاثون۔

ڈر۔ جو بھوک کے پیدا کردہ ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ روزے، نماز اور ذکر اللہ کی طاقت بھی چھین لے۔ وگرنہ بھوک تو نیک بختی کے دروازے کی چابی ہے۔ اور اسلیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھوک اور پیاس سے زیادہ کوئی عمل پسندیدہ نہیں"۔ اور فرمایا: "نیک اعمال کا سردار بھوک ہے"۔ فرمایا: "غور و تدبر نصف عبادت ہے اور کم کھانا مکمل عبادت ہے"۔ اور فرمایا: "تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل زیادہ بھوک اور غور و فکر والا آدمی ہے۔ اور سب سے مبغوض (ناپسندیدہ) زیادہ کھانے والا، نیند کرنے والا اور پینے والا ہے"۔ فرمایا: "شیطان خون کی رگوں میں گردش کرتا ہے تم اس کے رستے بھوک اور پیاس سے بند کرو"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "جنت کے دروازے پر دستک دو وہ تمہارے لیے کھل جائے گا۔ عرض کیا۔ کیسے دستک دوں۔ فرمایا۔ بھوک اور پیاس سے۔ اور کسی نے کہا کہ انسان کے جسم میں ایک ہزار شر کے اندام ہیں یہ سب کے سب شیطان کے ہاتھ میں ہیں۔ جب ایک آدمی پیٹ کو بھوکا رکھتا ہے اور اس کے حلق کو پکڑ لیتا ہے۔ اور نفس کو سدھاتا ہے تو ہر اندام خشک ہو جاتا ہے اور بھوک کی آگ سے جل جاتے ہیں۔ شیطان جسم سے بھاگ جاتا ہے اور جب ایک انسان پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور اپنے حلق کو شہوات کی لذتوں میں بے مہار چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے اعضا تر ہو جاتے ہیں اور شیطان ڈیرہ ڈال لیتا ہے۔

سیری نفس کے اندر ایک نہر ہے۔ جہاں شیطان آتے رہتے ہیں اور بھوک

الملائكة وينهزم الشيطان من جائع نائم، فكيف اذا كان قائماً، ويعانق الشيطان[1] شبعانا قائماً فكيف اذا كان نائماً[2] ومن شبع واصل الى أقصى الغاية من ذهاب حلاوة العبادة وتعذر حفظ الحكمة وثقل المعدة وزيادة الشهوة والبلادة وعمى القلب وكثرة النوم الذى ينقص العمر الذى هو راس المال والاقامة الحقوق لحفظ البنيان من الواجبات واليه اشار بقوله صلى الله عليه وسلم "حسب ابن آدم لقيمات تقمن صلبه"[3].

فالواجب على السالك ان يكون مقتصداً اخذاً طريق الاعتدال الذى هو بين التفريط والافراط واليه الاشارة بقوله صلى الله عليه وسلم، نفسك مطيتك فارفق بها" وقوله، كلوا واشربوا فى انصاف البطون فانه جزء من النبوة"[4] فوجد رب مخمصة مجاعة هى شر اذقد تودى الى ترك العمل راساً من التخم جمع تُخَمَة وهى امتلاء المعدة۔

ولما بالغ فى الاحتراز عن مكائد النفس وشرورها والمنع عن لذاتها وشهواتها مخافة غرورها، بين ان موطن مكائدها حالة السراء

---

[1] فى الاصل "شيطاناً" والصواب ما اثبت من عوارف المعارف۔

[2] انظر عوارف المعارف بهامش الاحياء ٣/١٨٤ الباب التاسع والثلاثون فى فضل الصوم وحسن اثره۔

[3] اخرجه صاحب المشكوٰة عن المقدام بن معد يكرب فى كتاب الرقاق ٤٤٢ والحاكم فى المستدرك ٤/٣٣١ فى كتاب الرقاق والقاضى فى الشفا ١/٥٠۔

[4] راجع: احياء علوم الدين ٣/٥٩ فى باب فضيلة الجوع وذم الشبع۔

روح کے اندر ایک نہر ہے۔ جہاں فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ شیاطین کو بھگاتے ہیں۔ اس بھوک سے جو سو رہا ہو تو پھر جب بھوکا جاگ رہا ہو۔ شیطان کیسے قریب آئیگا۔ اور شیطان پیٹ بھر کر کھانے والے کو گلے ملتا ہے۔ جب وہ سو رہا ہو، پھر کیا حال ہوگا۔ اور جس نے انتہا درجے کا کھایا۔ اس سے عبادت کی لذت و حلاوت گئی۔ اور حکمت و دانائی کی حفاظت اس کیلئے مشکل ہوگئی۔ معدہ ثقیل ہوگیا۔ شہوت زیادہ ہوگئی۔ اور اس کا دل اندھا ہوگیا۔ نیند بہت زیادہ ہوجاتی ہے۔ جو قیمتی عمر کو کم کردیتی ہے۔ وگرنہ حقوق کی ادائیگی اور واجب چیزوں کی بنیادوں کی حفاظت تو لازمی امر ہے۔ اور اسی کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا: "ابن آدم کے لیے اتنے لقمے کافی ہیں۔ جس ریڑھ کی ہڈی سیدھی رہے۔"

سالک پر لازم ہے کہ وہ افراط اور تفریط کے درمیان درمیانہ اور اعتدال کا راستہ اختیار کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ "نفس تیری سواری ہے اس پر نرمی کرو۔" اور فرمایا۔ کہ پیٹ کے نصف ہونے تک کھاؤ اور پیو۔ یہ نبوت کا جز ہے۔ اور بہت سے سخت بھوکے اس طرح بھی پائے گئے ہیں کہ محض بھوک کی برائی سے نیک اعمال کو چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ اعمال صالحہ کا ترک عموماً تخم (جو تخمۃ کا جمع ہے) معدہ کے پُر ہونے سے ہوتا ہے۔

اور جب نفس کے مکر و فریب اور شر سے مکمل طور پر بچا جائے اور اس کے غرور کے ڈر سے شہوات اور لذات سے رُک جائے۔ اس لیے

والضراء فقال :

واخش الدسائس الخ. ناشئة من جوع فقر اضطراری من الغم بفوات الحظوظ العاجلة والسخطِ وعدم التسليم بقضاء الله تعالى والشكاية عنه تعالى والاعتراض عليه تعالى وعدم الرضاء بقسمته بين خليقته والإشغال بالقلب والجوارح فی تدبیر معيشته ولذا اكثر صلى الله عليه وسلم الاستعاذة منه وقال: "كاد الفقر أن يكون كفراً"[1].

فالواجب فی هذه الحالة على السالك أن يصبر ويحتسب ويرضى بقسمته تعالى وان يعلم ان ما يصيبه لم يكن ليخطئه وما يخطئه لم يكن ليصيبه وأنه لعله كفارة لذنوبه لقوله صلى الله عليه وسلم: "ما أصاب المومن من مكروه فهو كفارة لخطاياه حتى تحبسه النملة"[2] وان يتسلى بقوله صلى الله عليه وسلم حاكياً عن الله: إن من عبادی المؤمنين من لا يصلح إيمانه إلا الغنى لو أفقرته لأفسده ذلك، وان من عبادی المومنين من لا

---

[1] اخرجه البخاری فی صحيحه ١/ ٨٠ فی كتاب الايمان وصاحب المشكواة: ٤٣ كتاب الادب.

[2] راجع إحياء علوم الدين ٢/ ١٤٧.

کہ نفس کے مکر خوشی اور غمی دونوں حالتوں میں حملہ آور ہوتے ہیں۔ اِسلیے فرمایا: کہ نفس کے مکر و فریب سے ڈرنے والا بن۔ زیادہ بھوکا رہنے سے فقر اضطراری پیدا ہوتا ہے۔ جو لذتوں کے ضائع ہونے کا غم و غصہ کرتا ہے اللہ تعالےٰ کی رضا کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس سے شکایت کرتا ہے۔ اللہ پر اعتراض کرتا ہے اور مخلوق کے اندر اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتا۔ روزی کمانے کے سلسلے میں اپنے دل اور اعضاء پر بھروسہ کرتا ہے۔ اس لیے اکثر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اس حالت سے پناہ مانگتے۔ اور فرمایا: قریب ہے کہ فقر (بھوک) کفر تک پہنچاتے۔

اس صورت حال میں سالک پر واجب ہے کہ صبر کرے، احتساب کرے اور اللہ کی تقسیم پر راضی ہو۔ اور یہ بات جان لے کہ جو کچھ اس کو پہنچتا ہے یہ صرف اس کے غلطیوں کا بدلہ ہی نہیں ہوتا۔ اور جو غلطی کرتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ اس تک ضرور پہنچے گی۔ بلکہ قوی امکان ہے کہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو۔ جیسا کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "مومن کو جو بھی ناپسندیدہ کام کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ چیونٹی کا کاٹنا بھی"۔ اور چاہیے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اس حدیث شریف سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایت فرماتے ہیں، تسلّی حاصل کرے۔ "میرے مومن بندوں میں بعض کا ایمان صرف دولت سے صحیح رہتا ہے۔ اور اگر میں ان کو فقیر بناؤں تو ان کا ایمان فاسد ہو جائے۔ اور میرے ایمان والے بندوں بعض کا ایمان فقر کی وجہ سے صحیح رہتا ہے۔ اگر میں ان کو غنی کر دوں تو ان کا

يصلح إيمانه الا الفقر لو أغنيته لأفسده ذلك[١]۔

روى عن على رضى الله عنه قال: إن لله عز وجل فى خلقه مثوبات فقر و عقوبات فقر، فمن علامة الفقر إذا كان مثوبة أن يحسن خلقه ويطيع ولا يشكو حاله ويشكر الله تعالى على فقره، ومن علامة الفقر إذا كان عقوبة أن يسوء خلقه ويعصى ربه ويكثر الشكاية ويتسخط للقضاء[٢]" ومن شبع من البطر والفرح المنهى بقوله تعالى:

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا آتَاكُمْ[٣]۔

وسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أكثر ما يدخل الناس النار فقال: الغم والفرح والتكبر والتحير والعجب والتفاخر والتكاثر والنظر الى الفقراء بعين الازوراء[٤]۔

فالواجب على السالك حينئذ ان يشكر الله ويسعى لمرضاته[٥] و ينفق ابتغاء لذاته قائلًا:

إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُوْرًا[٦]۔

ليجزيه ربه:

---

[١] أخرجه ابن الجوزى فى "صفة الصفوة" ١/٣١ وزاد: وان من عبادى المومنين من لا يصلح إيمانه إلا السقم ولو أصححته لأفسده ذلك وإن من عبادى المؤمنين من لا يصلح إيمانه إلا الصحة ولو أسقمته لأفسده ذلك وإنى ادبر عبادى بعلمى بقلوبهم إنى عليم خبير"۔

[٢] انظر: عوارف المعارف بهامش الاحياء ٢/٧٩ الباب العشرون فى ذكر من ياكل من الفتوح۔

[٣] سورة الحديد، الاية: ٢٣۔

[٤] لم أعثر على تخريجة وفى ابن ماجه ٢/١٤١٨ حديث، فقال: الاجوفان: الفم والفرج۔

[٥] فى الاصل بدون اللام والصواب ثباتها۔

[٦] سورة الدهر، الآية ٩۔

ایمان فاسد اور خراب ہو جائے۔

اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرمایا، کہ اللہ تعالےٰ کیلئے مخلوق میں فقر ثواب بھی ہے اور عذاب بھی ہے۔ فقر کی علامت جب ثواب ہو۔ یہ ہے۔ کہ اس کے اخلاق اچھے ہو جاتے ہیں۔ اطاعت گزار بن جاتا ہے۔ اپنے حال کا شکوہ نہیں کرتا۔ اور اپنی تنگدستی پر اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ جب فقر عذاب ہو۔ تو اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے اخلاق بُرے ہو جاتے ہیں۔ رب کی نافرمانی کرتا ہے۔ کثرت سے شکایت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر غصہ کرتا ہے۔ کوئی شکم سیری کی وجہ سے تکبر اور ناجائز خوشی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے؛

"تاکہ تم فوت شدہ پر افسوس نہ کرو، اور عطا شدہ پر خوشی نہ کرو"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ دوزخ میں اکثریت کن لوگوں کی ہو گی۔ فرمایا، غم، خوشی، تکبر، حیرت، خود کو بڑا سمجھنا، ایک دوسرے پر فخر کرنا، ایک دوسرے سے مال بڑھانا اور فقراء کو ہلکی نظر سے دیکھنے والوں کی۔

سالک کے لیے لازم ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی رضا کے حصول کیلئے کوشش کرے۔ اور اپنا مال صرف اور صرف ذات الٰہی کے لیے خرچ کرے۔ یہ کہتے ہوئے کہ؛

"ہم تو صرف رضائے الٰہی کے لیے کھلاتے ہیں ہم تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں ہے۔"

اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بدلہ دیدے۔

جَنَّةً وَحَرِيْراً لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْساً وَّلَا زَمْهَرِيْراً[1]۔

فوجد رب مخمصة هي شر من التخم إذ قد ينجر الى الكفر۔

ولما بين ما يزول به اعوجاج النفس ويحصل به التقويم ويصير به مستعدة لقبول أنوار المعارف[2] الإلهية، بادر الى الأمر بالتوبة التى هى مبدا طريق السالكين ومفتاح سعادة المريدين وموجبة لمحبة رب العالمين، قال الله تعالى:-

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ[3]۔

وقال صلى الله عليه وسلم: "ان الله يحب العبد الممتحن التواب"[4] ولتكفير الذنوب قال صلى الله عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له"[5] فقال:

٢٣

وَاسْتَفْرِغِ الدَّمْعَ مِنْ عَيْنٍ قَدِ امْتَلَأَتْ
مِنَ الْمَحَارِمِ وَالْزَمْ حِمْيَةَ النَّدَمِ

(وَاسْتَفْرِغِ) اصبب (الدَّمْعَ) الذى هو شعار الصالحين والخائفين، وفى الحديث "اللهم ارزقنى عينين هطالتين" (مِنْ عَيْنٍ) خائنة بإحالة النظر إلى ما لا يحل إليه النظر كالنظر بالقصد إلى الامرد والى امرأة اجنبية بلا غرض صحيح

---

[1] كلمات قرآنيه، سورة الدهر، الآية ١٢، ١٣۔

[2] فى الاصل بدون الالف واللام وصوابه ثباتهما۔

[3] سورة البقرة، الاية ٢٢٢۔

[4] لم أجده بهذا اللفظ وفى المشكوٰة حديث: ان الله يحب العبد المومن المفتن التواب كتاب الاستغفار والتوبة: ٢٠٦۔

[5] راجع: سنن ابن ماجة: ٢/١٤٢ ومشكوٰة المصابيح: ٢٠٦ كتاب الاستغفار والتوبة۔

"باغات و ریشم ہونگے وہاں نہ سورج ہو گا اور نہ گرمی"۔

اور بہت سے لوگ ایسے ملیں گے، جن کے پیٹ بدہضمی سے خراب ہوں گے حالانکہ وہ کفر کی طرف تجاوز کریں گے۔

اب جبکہ نفس کی کمی کو ختم کرنے کے لیے بات واضح کی گئی۔ اس کے ذریعے نفس کو سیدھا کیا جائے اور ذکر الٰہی کیلئے اس کو مستعد رکھا جائے تاکہ معرفت الٰہیہ کے اقدار کو اپنے اندر جذب کرے۔ اب توبہ کی طرف جلدی کرنا ہی سالکین کے راستے کی ابتداء ہے۔ مریدوں کی نیک بختی کی چابی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو واجب کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرتا ہے جو امتحان میں گرفتار ہونے کے باوجود بھی توبہ کرتا ہے۔ اور گناہوں کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے۔ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

۲۳

اور بہا تارہ تو آنسو اس آنکھ سے جو بھر چکی ہے حرام سے اور شرمسار ہوکر تو ایسے کاموں سے پرہیز لازم پکڑ۔

(وَاسْتَفْرِغِ) جاری کر۔ بہا۔ (الدَّمْعَ) آنسو۔ (مِنْ عَيْنٍ) آنکھوں سے (قَدِ امْتَلَأَتْ) جو ڈبڈبا رہی ہیں۔ یہ عین کی صفت ہے یا اس حال سے واقع ہے (مِنَ الْمَحَارِمِ) محرم کی جمع ہے، مقطع کے وزن پر۔ حرام (وَالْزَمْ حِمْيَةَ) نعمۃ کے وزن پر محافظت

لقوله تعالیٰ:

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ[1].

(قَدِ امْتَلَأَتْ) صفة عين او حال منها[2] ومن قال: ولا يجوز أن يكون حالا منها لان حق ذی الحال التعريف فقد سها سهواً بيّناً.

(مِنَ الْمَحَارِمِ) جمع محرم، كمقطع، بمعنی الحرام (وَالزَمْ حِمْيَةً) كنعمة (النَّدَمِ) ای كن لازماً او اجعل لازماً لك الترك عن الذنب والاحتماء عن[3] الذی منشأه الندم علی الذنب من حيث هو ذنب مع العزم علی الترك حين قدّر فی الاستقلال والتلافی بحسب الامكان فی ما مضی وهذا هو معنی التوبة شرعاً، فالتوبة الشرعية لا تتحقق بدون رد المظالم۔

والتوبة متفاوتة[4] باعتبار تفاوت احوال الاشخاص۔

فتوبة العوام عن الذنوب الظاهرة۔

وتوبة الصالحين عن الاخلاق الذميمة الباطنة۔

وتوبة المتقين عن مواقع الريبة۔

وتوبة المحبين عن الغفلة المنسية للذكر۔

وتوبة العارفين عن الوقوف علی مقام فوقه مقام آخر۔

اذ المقام التحتانی نقيضه بالنسبة الی المقام الفوقانی، والترقی منه اليه توبة من تلك النقيضه، واليه اشار صلّی الله عليه وسلم۔

---

[1] سورة المومن، الاية: ١٢٩

[2] كذا فی الاصل وفی ب: عنها۔

[3] سقطت فی الاصل والتكملة من ب۔

[4] فی الاصل "متفاوت" وهو غلط والتصويب من "ب"

لازم جان، (اَلنَّدَم) ندامت۔
مفہوم، آنسو بہانا۔ صالحین اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کا طریقہ ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے:

"اے اللہ مجھے بہتی آنکھیں نصیب فرما۔"

آنکھ سے آنکھ کی خیانت آنسوؤں کی شکل میں بہا جا۔ یعنی وہ نظر جنکی طرف دیکھنا جائز نہ ہو۔ ارادتاً مرد (قرب البلوغ) یا اجنبی عورت کی طرف بلا غرض دیکھنا اور ہر اس کام سے اجتناب کرنا جو گناہ یا ناپسندیدہ ہو۔ جس کا نتیجہ ندامت اور شرمندگی ہو۔ اس کو پکے ارادے سے ترک کرنا۔ کہ آئندہ اس کے ارتکاب کا امکان ہی پیدا نہ ہو۔ یہ اب بیان ہو چکا اور یہی توبہ کا شرعی معنی ہے۔ ثابت ہوا کہ توبہ شرعی مظالم (گناہوں) کے چھوڑنے کے بغیر متحقق نہیں ہوتا۔ توبہ مختلف لوگوں کی حالت کی طرح مختلف درجوں کا ہوتا ہے۔

عوام کی توبہ ظاہر گناہوں سے ہوتی ہے۔

نیکوکاروں کی توبہ باطنی برُے اخلاق سے ہوتی ہے۔

متقیوں کی توبہ شک کی جگہوں سے ہوتی ہے۔

محبین کی توبہ بھول اور غفلت جو ذکر الٰہی سے ہو، ہوتی ہے۔

عارفین کی توبہ اس مقام پر کھڑا ہونا جس سے اوپر اور مقام ہو، سے ہوتی ہے۔ جبکہ نچلے مقام کی نسبت مقام اعلیٰ کا الٹ ہو۔ اور اس مقام اعلیٰ کی طرف ترقی اس نچلے مقام سے توبہ کرنے پر منحصر ہوتا ہے۔ اسی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انه ليغان على قلبي حتى استغفر الله فى اليوم والليلة سبعين مرة.[1]

ولما بين شرارة النفس وخباثتها وداءها ودواءها وأمر بمخالفتها اراد أن يبين خباثة الشيطان وبامر بمخالفتها مع ذكر النفس وتقديمها تنبيها على انها فى الشرارة اشد، ومخالفتها اشق، ولذا قال صلى الله عليه وسلم: أعدى عدوك نفسك التي بين جنبيك[2]. كما ذكر مع المنع عن كل البسط النهى عن البخل وقدم تنبيها على انه أفحش فى قوله تعالى:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا[4]. فقال.

۲۴

وَخَالِفِ النَّفْسَ وَالشَّيْطَانَ وَاعْصِهِمَا
وَإِنْ هُمَا مَحَضَاكَ النُّصْحَ فَاتَّهِمِ

(وَخَالِفِ) أى كن دائماً على مخالفة (النَّفْسَ) لأنها أعدى عدوك التي بين جنبيك (وَالشيطان) لأنه كان للإنسان عدواً مبيناً:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا[5].

---

[1] اخرجه المسلم من حديث الاغر المزنى ۲/۲۷ فى الذكر والدعاء باب: الاستسقاء واستحباب الاستغفار والاستكثار منه، وأبو داؤد ۲/۲۴۵ فى الصلاة، باب الاستغفار، وشرح السنة، باب الاستغفار ۵/۷۰، وأخرجه صاحب الحلية فى ترجمة الاغر المزنى ۱/۳۴۹، والامام شرف الدين النووى فى رياض الصالحين ۱/۲۵۵ والبخارى فى "صحيحه" ۷/۱۴۵ باب استغفار النبى صلى الله عليه وسلم فى اليوم والليلة.

[2] فى الاصل "خبيك" وهو التصحيف.

[3] راجع: كتاب اللمع: ۲۹ ورواه البيهقى فى الزهد عن ابن عباس رضى الله عنهما ۳/۲۴۱.

[4] سورة بنى اسرائيل، الاية: ۲۹

[5] سورة فاطر، الاية ۶۱.

اور جب نفس کی شرارت و خباثت، اس کا علاج و مرض بیان ہوگیا میرا ارادہ یہ ہے کہ شیطان کی خباثت بھی بیان کروں۔ کیونکہ وہ بھی ذکرِ الٰہی کی مخالفت کا حکم نفس کی طرح دیتا ہے۔

نفس کا ذکر پہلے اس لیے ہوا کہ یہ شرارت اور خباثت میں شیطان سے شدید ہے۔ اور اس کی مخالفت بہت مشکل ہے۔ اسلیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اپنے اس دشمن کو پہچان جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان ہے۔"

جس طرح ہر وسعت کے باوجود اس سے منع کیا گیا۔ اور بخل سے منع کیا گیا۔ اور تنبیہہ کی گئی کہ زیادہ فحش ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اپنے ہاتھوں کو نہ باندھ رکھو، اور نہ ہی بالکل کھلا چھوڑ دو، کہیں پریشان ہو کر بیٹھے ہی نہ رہو۔"

۲۴

اور نفس و شیطان کی مخالفت اور نافرمانی کر اور اگرچہ وہ تمہیں نصیحت کریں پھر بھی تو انہیں جھوٹے سمجھ۔

(وَخَالِفِ) اور ہمیشہ نفس کی مخالفت کرو۔ (النَّفْسَ) کیونکہ تیرا یہ دشمن دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ (وَالشَّیْطَانَ) اس لیے کہ یہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

"بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے، تم بھی اس کو دشمن سمجھو۔"

بامتثال أوامر الله واجتناب نواهيه (وَاعْصِهِمَا) فيما امراك به ونهياك[1] عنه (وَإِنْ هُمَا مَحَضَاكَ) اخلصاك (النُّصْحَ) النصيحة (فَاتَّهِمِ) إياهما أي فانسبهما إلى الكذب والتهمة بأن الخير فى مخالفتها ولا يصدقهما كيلا تكون تابعاً لهما ولو فى كلمة حق كما روى عن المسيح على نبينا وعليه السلام: انه ظهر عليه ابليس فقال: قل لا اله الا الله، قال: كلمة حق" ولكن لا"[2] أقولها بقولك.

ولما بين وجوب مخالفة النفس والشيطان، أشار الى الحكم بالمخالفة لمن كان من جنسهما فى شرارة، كائنا من كان، حتى لا تظن حصر المخالفة عليهما فقال:

٢٥

وَلَا تُطِعْ مِنْهُمَا خَصْماً وَّلَا حَكَماً
فَأَنْتَ تَعْرِفُ كَيْدَ الْخَصْمِ وَالْحَكَمِ

(وَلَا تُطِعْ) بضم الأول، ايها الطالب سبيل الرشاد والمحترز عن طريق[3] الغى والعناد[4] كائنا (مِنْهُمَا)، أى من[5] جنسهما فى الشرارة حال من (خَصْماً) أياً كان.

---

[1] فى الاصل "انهاك" وهو خطأ والصواب ما اثبت.

[2] فى الاصل مخروم والتكملة من "ب"

[3] سقطت فى الاصل والتكمله من ب.

[4] كذا فى الاصل وفى ب، الفساد. [5] سقطت من ب.

اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے اور نواہی سے اجتناب (وَاعْصِہِمَا) ان دونوں کی (نفس اور شیطان) نافرمانی کر اس طرح کہ کام کا حکم دے منع ہو جا جس سے روکے اس کو کر گزر (وَاِنْ ھُمَا مَحْضَاكَ) اگرچہ دونوں فحاص ہوں۔ (النُّصْحَ) نصیحت (فَاتَّھِمْ) یعنی ان دونوں کی نسبت جھوٹ اور تہمت کی طرف کر دے۔ اس لیے کہ اچھائی ان کی مخالفت میں ہے۔ اور اُن کی تصدیق و تائید بالکل نہ کرنا۔ مبادا تو ان کا تابع نہ بن جائے۔ اگرچہ کلمہ حق ہی کیوں نہ ہو۔ جس طرح کہ حضرت عیسیٰؑ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے کہ شیطان ان کے سامنے ظاہر ہوا۔ اس نے آپ سے کہا۔ کہ لا الہ الا اللہ فرمایا۔ یہ کلمہ حق ہے۔ لیکن چونکہ آپ کہتے ہیں۔ اس لیے میں نہیں کہوں گا۔

جب مخالفت نفس و شیطان کا واجب ہونا واضح ہو گیا۔ تو اشارۃً یہ حکم بھی دیا کہ جو چیز ان دونوں کے جنس سے ہو۔ اس کی مخالفت کرنا یعنی صرف ان دونوں کی مخالفت پر اکتفا نہ کرنا۔ پھر فرمایا:

۲۵

اور نہ پیروی کر تو نفس و شیطان کی وہ مخالف ہیں یا منصف
کیونکہ تو فریقِ مخالف اور فیصلہ کرنے والے کا مکر پہچانتا ہے۔

(وَلَا تُطِعْ) ت پر پیش ہے۔ اطاعت نہ کر۔ (مِنْھُمَا) دونوں کی (شیطان اور نفس (خَصْمًا) جھگڑالو (وَلَا حَکَمًا) اور مکر فیصلہ کرنے والے کا۔ (فَاَنْتَ) ف تعلیل کیلئے ہے پس تمہیں۔ (تَعْرِفُ کَیْدَ) جانتا ہے مکر۔ (اَلْخَصْمِ وَالْحَکَمِ) یعنی نفس اور شیطان دونوں۔

،ولا حكماً، أياً كان من شياطين الانس والجن من الظلمة والمبتدعة والملاحدة وغيرهما اى لا تطع خصماً من الخصماء، ولا حاكماً من الحكام حال كونه كائناً من جنس النفس والشيطان فى الشرارة والخباثة بمخالفة أدب من آداب رسول الله صلى الله عليه وسلم بقبول قولهما، والمجالسة معهما، وإظهار البشاشة بهما، والمداهنة لهما، والتزى بزيهما، وتعظيمهما لدفع ضرا وجلب نفع من الخصم الساعى لضرك والحكم الساعى لنفعك بل احذرهما[1] ولا تلتفت إليهما وتوكل على الله۔

وَلَا تَرْكَنُوْا إِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ[2]۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ[3]۔

وقال عليه الصلاة والسلام: من تشبه بقوم فهو منهم[4]۔ ومن وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام[5]۔ ومن أحب لله وأبغض لله

---

[1] فى الاصل "احضرهما" وهو تحريف والثواب ما اثبت۔

[2] سورة هود، الاية: ١١٣

[3] سورة المجادلة، الاية: ٢٢

[4] اخرجه ابوداود من حديث ابن عمر (رض) ٤/ ٦٥

[5] اخرجه صاحب المشكوٰة عن ابراهيم بن ميسرة: ص: ٣١: باب الاعتصام بالكتاب والسنة۔

مفہوم: ہدایت کے راستے کے طالب، گمراہی اور بغض کے رستے سے بچنے والے نفس اور شیطان کی اطاعت نہ کرنا۔ دونوں کی سرشت میں شرارت ہے۔ خواہ جھگڑالو بنے یا مکر سے فیصلہ کرنے والا۔ یعنی شیاطین نفس اور جن کا کام ہی ظلمت، ابتداع اور الحاد ہے۔ لہٰذا دشمنوں میں کسی دشمن جھگڑالو اور حکمرانوں میں کسی حکمران کی اطاعت و فرمانبرداری نہ کرنا۔ جو شیطان اور نفس کے جنس ہوں۔ اس لیے ان کا کام ہی شرارت اور خباثت ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتاتے ہوئے اداب کی مخالفت کر کے ان دونوں کی بات کو قبول کرنا، ان کے ساتھ بیٹھنا، ان کے ساتھ خوشی کا اظہار کرنا، ان کے لیے مواہب کرنا، ان کی وجہ سے جدا ہونا، ضرر کو دور رکھنے کے لیے اُن کی عزت و توقیر کرنا، اس جھگڑالو دشمن سے جو ہر وقت تجھے ضرر پہنچانے میں مصروف ہے۔ کے اشارے میں گناہ کر کے نفع کی اُمید رکھنا۔ اسی فکر سے فیصلہ کرنے والے سے بچارہ جو بظاہر آپ کے مفاد میں کوشاں ہے۔ ان دونوں میں ایک طرف بھی متوجہ نہ ہونا۔ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔

ظالموں کی طرف نہ جھکو ورنہ تمہیں آگ مس کرے گی۔

نہیں پاؤ گے تم کسی ایسی قوم کو جو اللہ اور آخرت پہ ایمان رکھتی ہو، وہ ان سے محبت رکھیں جو اللہ و رسول کے دشمن ہو۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی۔ وہ ان میں سے ہے اور جس کے صاحب بدعت کی توقیر کی اس نے اسلام کے گرانے میں معاونت کی۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کے محبت اور عداوت کی،

وأعطى لله ومنع لله فقد استكمل الايمان[1].

أوحى الله تعالى إلى عيسى على نبينا وعليه صلوات الله وسلامه: "لو أنك عبدتني بعبادة اهل السموات والارض، وحب في الله ليس، وبغض في الله ليس، ما اغنى عنك ذلك شيئاً.

وفي "المدارك" قال سهل: "من صحح ايمانه واخلص توحيده فانه لا يأنس بمبتدع ولا يجالسه" "ويظهر له"[2] من نفسه العداوة، ومن داهن مبتدعاً سلبه الله تعالى حلاوة اليقين ومن "اجاب"[3] مبتدعاً لطلب عز الدنيا أو عرضها اذله الله بذلك العز، وأفقره بذلك الغنى، ومن ضحك الى مبتدع الله تعالى نور الايمان من قلبه"[4]

(فَأَنْتَ) الفاء للتعليل اي انما نهيتك عن اطاعة جنس الخصم والحكم المجانس للنفس والشيطان في الشرارة لانك (تَعْرِفُ كَيْدَ) مكر (الْخَصْمِ وَالْحَكَمِ) المذكورين من النفس والشيطان، الساعيين لهلاكك في الدارين، فكذا اما يماثلهما في خبث الجوهر ليس حكماً لمصلحتك، فلا تمتثل واحداً منهما، وفر عنهما، كما تفر من السبع الضاري، فإن امتثال أمرهما ومطاوعة حكمهما يوجب الخسارة وذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ[5].

ولما أمر بصرف هوى النفس، والحذر عن توليتها، والمحافظة عليها،

---

[1] راجع: سنن ابي داؤد ٥/ ٦٠ في كتاب السنة ومشكواة المصابيح ١/ ١٤ كتاب الايمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة.

[2] سقطت هذه الألفاظ من الاصل والتكملة من تفسير مدارك التنزيل.

[3] التكملة من التفسير.

[4] انظر: تفسير مدارك التنزيل بهامش خازن ٤/ ٢٦١ في تفسير سورة المجادلة: الاية ٢٣١.

[5] سورة الزمر، الاية: ١٥

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عطا کیا اور روک (منع) دیا۔ اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ وعلی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل فرمائی۔
اگر آپ میرے حضور تمام آسمان والوں اور زمین والوں کی طرح عبادت ادا کریں۔ اس میں حب فی اللہ اور بغض فی اللہ نہیں ہے۔ تو اس کی وجہ سے تیری مدد نہیں کروں گا۔

تفسیر مدارک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جس کا ایمان صحیح ہوا توحید خالص ہوئی۔ تو وہ بدعتی سے محبت نہیں کرے گا اور نہ اس کے پاس بیٹھے گا۔ حالانکہ اس کے نفس سے اس کی دشمنی واضح ہو گئی۔ اور بدعتی سے محبت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے ایمان سلب کر لیتا ہے۔ جس نے دنیاوی عزت یا سازوسامان بدعتی کو دیا تو اس عزت کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرے گا۔ اور دولت کے ہوتے ہوتے بھی اس کو فقیر کر دے گا۔ جو بدعتی کو خوش کرنے کیلئے ہنسا۔ اللہ تعالیٰ اسکے دل سے نور ایمان کو سلب کرے گا۔

میں نے تمہیں شیطان اور نفس (جھگڑالو اور مکر سے فیصلہ کرنے والے) کی اطاعت سے ان کے شر کی وجہ سے منع کیا تھا۔ اس لیے کہ تو ان دونوں کے مکر و فریب کو جانتا ہے۔ یہ دونوں تمہیں دونوں جہانوں میں ہلاک کرنے کے درپے ہیں۔ کہ یہ دونوں میں کسی ایک کی مثال نہ اپنانا اور دونوں سے دور بھاگ جس طرح کہ ضرر دینے والے درندے سے تو بھاگتا ہے۔ ان دونوں کے امر کی تابعداری اور حکم کی اطاعت سراسر خسارہ ہے۔ "وَذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ"
جب نفس کی خواہشات سے پھیرنے کا حکم ہوا۔ اس کی حکمرانی سے بچنے،

واستفراغ الدمع[1] والتوبة ومخالفة النفس والشيطان ونهي عن اطاعتهما و

كان لا يخلو[2] عن مخالفة القول العمل الموجب لمقت[3] الله تعالىٰ۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ[4]۔

بادر الى الاستغفار الذى يمحو الخطايا، قال الله تعالىٰ،

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا[5]

وقال صلى الله عليه وسلم، والذى نفسى بيده لو أخطأتم حتى تملأ

خطاياكم ما بين السماء والارض ثم استغفرتم الله يغفر لكم[6] منتبهاً بصيغة

المضارع الدال على الاستمرار التجددى[7] على أنه كلما[8] يجد ذلك يرجع إلى

الاستغفار على ما هو شأن المتقين المختار فقال:

۲۶

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ قَوْلٍ بِلَا عَمَلٍ

لَقَدْ نَسَبْتُ بِهٖ نَسْلًا لِّذِىْ عُقُمٍ

(اَسْتَغْفِرُ اللّٰه) أى اطلب المغفرة من الله (مِنْ قَوْلٍ) صادر (بِلَا عَمَلٍ) بمقتضاه

لا من حيث هو بل من حيث أنه صادر بلا عمل إذ يجوز الاحتساب للعاصى

ايضاً بل قد يجب عليه، والله (لَقَدْ نَسَبْتُ بِهٖ) بسبب القول المذكور (نَسْلًا)

ولداً (لِّذِىْ) لشخص ذى عقم كفُرُسٍ وعُنُقٍ: نازائيدن[9]۔

---

[1] فى الاصل "الدم" والصواب ما اثبت۔ [2] فى الاصل "يخلوا" والالف زائدة وفى ب: يح، مقتضاه۔

[3] فى الاصل "لمعت" والتصويب من ب۔ [4] سورة الصف الاية ۳، [5] سورة النساء: الاية ۱۱۰۔

[6] رواه الدارمى ۲/۳۲۲ واحمد ۵/۱۵۴ والترمذى عن ابى ذر فى الدعوات ۲/۱۷۸ باب: غفران الذنوب

مهما عظمت وصاحب المشكوٰة باختلاف الالفاظ، كتاب الاستغفار والتوبة ۲۰۴۱۔

[7] فى الاصل "لتجددى" والتصويب من "ب"، [8] كذا وفى ب: كل من۔

[9] مصدر فارسى ومعناه، عدم القدرة على التوليد۔

اپنے آپ کی حفاظت کرنے، آنکھوں سے آنسو بہانے، توبہ کرنے، نفس و شیطان کی مخالفت کرنے اور دونوں کی اطاعت سے رُک جانے کا حکم دیا گیا نفس اور شیطان کی تابعداری سے قول اور ضروری عمل میں اختلاف ہو جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب ہے۔

"اللہ کے ہاں یہ شدید غضب کا سبب ہے کہ تم وہ کرو جو کر نہ سکو"

توبہ استغفار کی طرف جلدی کر کیونکہ اس سے گناہ مِٹ جاتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر تمہارے گناہوں سے زمین و آسمان کے درمیان خلا پُر ہو جاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرو۔ وہ تمہیں بخش دے گا۔ یغفر مضارع کا صیغہ اس لیے آیا۔ کہ استمرار اور تجدد پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی جب بھی ایسا ہو تو توبہ کیا جائے۔ کیونکہ متقیوں کی نشانی ہے۔

۲۶

اللہ سے معافی چاہتا ہوں ایسی بات سے جس پر خود عمل نہ کروں

اس طرح تو میں نے بانجھ عورت کی طرف اولاد کی نسبت کر دی۔

(اَسْتَغْفِرُ اللہَ) میں اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ (مِنْ قَوْلٍ) بات سے (بِلَا عَمَلٍ) بغیر عمل کے (لَقَدْ نَسَبْتُ بِہٖ) میں اسکی نسبت کی (نَسْلًا) اولاد۔ (لِذِی عُقُمٍ) بانجھ کی طرف۔ فرس اور عنق کے وزن پر۔

ونسبة الولد إلى العقيم هى نسبة الأعمال إلى نفسه ، إذ الظاهر[١] من حال الآمر انه عامل .

ويحتمل أن يراد به نسبة التاثير اليه ، إذ قيامه بالوعظ بين المسلمين يشعر بأنه يعتقد أن قوله يؤثر فيهم ، وليس كذلك ، لان الوعظ من غير اتعاظ لا ينفع المسلمين بل يستهزؤن به .

أو نسبته ان القول يورثه الخلافة لقوله عليه السلام ، من أمر بالمعروف ونهى عن المنكر فهو خليفة[٢] الله فى أرضه وخليفة رسوله وخليفة كتابه[٣] ولن يكون خليفة الا اذا كان له اقتداء به صلى الله عليه وسلم فى اقواله وأفعاله وأحواله .

أو نسبته انه يثمره رضاء الله تعالى لامتثاله بالمأمور ، وكيف يكون مرضياً ، وقد ورد " فى[٤] " القرآن .

كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقُولُوا مَالَا تَفْعَلُونَ[٥] .

أو نسبته أنه يوجبه المحبة لأنه لما امر بالمعروف ونهى عن المنكر فإنه

---

[١] كلمة (الظاهر) قد اقتضبها الناسخ وكتبها (الظ) الا أننا اثبتناها بكاملها .

[٢] فى الاصل : خليقة والتصحيف .

[٣] انظر : إحياء علوم الدين ٢/٢٤٥

[٤] سقطت من الاصل والتكملة من ب .

[٥] سورة الصف ، الآية : ٣

اس شعر کا مفہوم یہ ہے۔ کہ میں اللہ تعالیٰ سے قول بلا عمل سے معافی طلب کرتا ہوں۔ یعنی صرف بات کرنے کی معافی نہیں بلکہ وہ بات جو بغیر عمل کے کہی ہو۔ جبکہ گنہگار کے لیے اجتناب کرنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔ اولاد کی نسبت بانجھ کی طرف اس طرح جس طرح کہ اعمال صالحہ کی نسبت اپنے نفس کی طرف ہے۔ (یہ تو ظاہر ہے کہ حکم دینے والا خود صاحب عمل ہے)

یہ بھی احتمال ہے کہ اس نسبت سے نسبت تاثیر مراد ہو۔ جبکہ مسلمانوں کے اندر وعظ کر رہا ہو۔ اور وعظ کرنے والا یہ سمجھتا ہو، کہ اس کی تقریر اثر کر رہی ہے حالانکہ اس طرح نہیں۔ اس لیے کہ مسلمانوں کے اندر وعظ کرنا بغیر عمل فائدہ مند نہیں۔ بلکہ وہ اس کا مذاق اڑائیں گے۔

یا اس بات کی نسبت سے مراد خلافت کی وراثت ہے۔ جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے نیکی کا حکم دیا۔ اور برائی سے منع کیا۔ وہ اللہ کا خلیفہ ہے۔ اللہ کی زمین پر۔ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی کتاب کا خلیفہ ہے۔ اور کوئی اس وقت تک خلیفہ نہیں بن سکتا، جب تک اقوال، احوال اور اموال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء نہ کرے۔

یا قول کی نسبت رضائے الٰہی کے حصول کی طرف ہے، جس طرح مامور (حکم دیے ہوئے کام) پر اللہ کی رضا کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ حالانکہ محض قول اللہ تعالیٰ کیسے راضی ہوگا۔ اور قرآن میں آیا ہے "کیسی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو۔"

آیات کی نسبت محبت کے واجب اور لازم ہونے کی طرف ہے۔ اس

أظهر أنه لن يحب ان يعصى فى ارصه[1] تعالى فيكون محبا ومحبوبا وليس كذلك إذ القرآن شاهد على كذبه قال الله تعالى.

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ[2].

قال فى المدارك[3]: من ادعى محبة الله تعالى وخالف سنة رسوله فهو كذاب وكتاب الله يكذبه وكيف يكون خليفه ومرضيا ومحبوبا وقد قال صلى الله عليه وسلم: يوتى بالعالم يوم القيامة فيلقى فى النار فتندلق أقتاب بطنه[4] فيدور بها كما يدور الحمار بالرحى فيطوف به اهل النار فيقولون مالك؛ فيقول: كنت آمرا بالخير ولا اتيه، وناه عن الشر وآتيه[5].

ثم بين قوله "من قول بلا عمل" بقوله:

٢٧

أَمَرْتُكَ الْخَيْرَ لٰكِنْ مَا ائْتَمَرْتُ بِهِ
وَمَا اسْتَقَمْتُ فَمَا قَوْلِي لَكَ اسْتَقِمِ

(أَمَرْتُكَ الْخَيْرَ) أى بالخير أى بفعله[6] (لٰكِنْ مَا ائْتَمَرْتُ) امتثلت (به)

---

[1] فى الاصل "أو" وصوابه "و"

[2] سورة آل عمران: الآية: ٣١.

[3] راجع: تفسير مدارك التنزيل بهامش خازن ٢٤٣/١

[4] وفى الاصل: فيندلق ما اقتابه، والصواب ما اثبت. [5] اخرجه مسلم فى صحيحه من حديث اسامه بن زيد: ٢٢٤/٨١ كتاب الزهد والرقائق، باب عقوبة من يامر بالمعروف ولا يفعله، وصاحب المشكاة ٤٣٦ فى كتاب الادب، باب الامر بالمعروف. [6] فى الاصل "بفعله" وهو التصحيف.

لیے کہ جب وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے۔ پھر یہ تو ظاہر ہے۔ کہ خود اللہ کی زمین پر اس کی نافرمانی نہیں کرے گا۔ پھر وہ محبوب اور محب بن جائے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ اس لیے کہ قرآن اس کے جھوٹ پر شاہد ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا۔ "اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔"

تفسیر مدارک میں آیا۔ جس محبت الٰہی کا دعویٰ کیا۔ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی خلاف ورزی کی۔ وہ کذاب (جھوٹا) ہے۔ کتاب اللہ کو جھٹلاتا ہے۔ وہ کیسے خلیفہ، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا اور محبوب بنے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایک شخص کو لاکر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اسکے پیٹ کی انتیں نکل پڑیں گی۔ وہ ان آنتوں کے ساتھ اس طرح گردش کرے گا۔ جس طرح گدھا چکی کے گرد چکر لگاتا ہے پھر دوزخی اس کے گرد جمع ہوں گے اور اس سے کہیں گے اے فلاں شخص کیا تم ہم کو نیکی کا حکم نہیں دیتے تھے اور برائی سے نہیں روکتے تھے وہ

اس کے بعد قول بلا عمل کی مزید وضاحت ان الفاظ سے کی۔

۲۷

تجھے میں نے نیکی کا حکم کیا لیکن خود اسکی فرمانبرداری نہیں کی اور جب میں خود سیدھے راستہ پر نہ رہا تو میرا تجھے کہنا کہ سیدھے راستہ پر رہ (بیکار ہے)

(اَمَرْتُكَ الْخَيْرَ) میں نے تمہیں عمل نیک کا حکم دیا۔ (لٰكِنْ مَا ائْتَمَرْتُ) لیکن خود اس پر عمل نہیں کیا۔ (بہ) خیر پر۔ (وَمَا اسْتَقَمْتُ) میں نے خود عمل نہیں کیا۔ جیسا کہ حکم دیا۔ (فَمَا) اثر۔ (قَوْلِي لَكَ اسْتَقِمْ) یعنی حقیقت میں اس کا کوئی اثر نہیں۔

اى بالخير[١] والأولى بحال الامر أن يبدأ بالحسبة[٢] والوعظ نفسه ثم غيره كما روى انه أوحى الى عيسى على نبينا وعليه الصلوٰة والسلام: يا عيسى عظ نفسك ، فأن اتعظت ، فعظ الناس ، فإلا فاستحي منى.

وقال الحسن البصرى :

اذا كنت تأمر بالمعروف نفسك ، فكن من اخذ الناس به -

(وَمَا اسْتَقَمْتُ) على طريق الحق كما أمرت (فما) تاثير (قَوْلِيْ لَكَ اسْتَقِمْ) أى ليس له تاثيرا اصلا ، اذ التاثير انما يكون اذا كان الامر عاملاً ، والا فلا ينفع كلامه بل يستهزوبه -

ثم عطف تقريراً و تحقيقاً و اظهاراً للتحسر على فوات الشباب الذى هو وقت المجاهدة والرياضة والذى ورد[٣] فيه : سبعة يظلهم الله فى ظله يوم لا ظل الا ظله -

امام عدل[٤] -

وشباب نشا فى عبادة الله تعالى . على قوله " ما استقمت " -

---

[١] سقطت من الاصل والتكمله من ب -

[٢] كذا فى الاصل وفى ب ، بالحسنة -

[٣] سقطت من الاصل والتكمله من ب -

[٤] كذا وفى ب ، عادل -

شعر کا مفہوم کہ اے نفس میں نے تمہیں عمل صالح کا حکم تو دیا۔ لیکن خود عمل صبر نہیں کیا۔ حالانکہ حکم دینے والے کو پہلے خود اس پر عمل کرنا چاہیے۔ پہلے خود کو نصیحت بعد میں دوسروں کو چاہیے۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی۔ اے عیسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) اپنے آپ کو نصیحت کر۔ اگر تو نصیحت قبول کرے۔ تو پھر لوگوں کو بھی نصیحت کر۔ وگرنہ مجھ سے حیا کرو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ جب تو اپنے آپ کو نیک کام کا حکم دیتا ہے۔ تو پھر تمام لوگوں سے زیادہ عمل کرنے والا بن۔

اگر تو خود اس نصیحت پر عمل نہیں کرتا تو تیری نصیحت میں تاثیر نہیں ہوگی۔ اثر وعظ میں تب ہوتا ہے۔ جب حکم دینے والا عامل ہو۔ بصورت دیگر اس کے وعظ کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس کا مذاق اڑایا جائیگا۔

اس کے بعد اس نے گئی جوانی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے تحقیق اور تقریراً عطف کیا۔ کہ جوانی مجاہدے اور ریاضت کا وقت تھا۔ جس کے متعلق حدیث شریف میں آیا۔ کہ سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عرش کے نیچے سایہ میں جگہ دے گا۔ کہ جس دن سوائے عرش کے سایہ کے اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

(۱) امام عادل۔

(۲) وہ نوجوان جس نے عبادت الٰہی میں زندگی گزاری۔

٢٨

وَلَا تَزَوَّدْتَ قَبْلَ الْمَوْتِ نَافِلَةً
وَلَمْ اُصَلِّ سِوَى فَرْضٍ وَلَمْ اَصُمِ

(وَلَا تَزَوَّدْتُ) اى ما اتخذت زاداً لسفر بعيد، ليس فيه رفيق ممد ونصير، ولا حميم مشفق وظهير۔

بَلْ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ۔

وأسير (قَبْلَ الْمَوْتِ) اى قبل الهرم الذى هو كالموت فى الزمانة وعدم القوة على العمل وذهاب القوى۔

(نَافِلَةً) مثمرةً للقرب منه تعالى ومحبته وحفظ الجوارح عما لا يرضا الله تعالىٰ لقوله عليه الصلوٰة والسلام:

لا يزال عبدى يتقرب إلى بالنوافل حتى احبته، فكنت سمعه الذى يسمع به، وبصره الذى يبصر به ويده التى يبطش بها ورجله التى يمشى بها[1]۔

[1] اخرجه البخارى فى صحيحه عن ابى هريرة ٢/٢٩٣ فى باب التواضع وانظر: شرح السنة فى باب التقريب الى الله بالنوافل والذكر، صفة الصفوة ١/٤٠٧، ومسند احمد ٦/١٥١۔

۲۸

اور میں نے مرنے سے پہلے نفلی عبادت کا توشہ نہ لیا اور نہ فرض کے
علاوہ نماز پڑھی اور نہ روزہ رکھا میں نے۔
(وَلَا تَزَوَّدْتُّ) میں نے سامان سفر تیار نہیں کیا۔ (قَبْلَ الْمَوْتِ) بڑھاپا جو
موت کی طرح ہے، اس سے پہلے (نَافِلَةً) زائد عبادت (وَلَمْ اُصَلِّ) میں
نے نماز نہیں پڑھی۔ (سِوٰی فَرْضٍ وَلَمْ اَصُمْ) فرض کے علاوہ۔ اور روزہ بھی
بغیر فرض کے نہیں رکھا۔
مفہوم: دور کے فرض کے لیے (موت) سامان راہ تیار نہیں کیا۔ نہ اس
سفر میں رفیق، امداد کرنے والا اور بصیرت کرنے والا۔ حمیم، شفقت کرنے والا،
اور ظہیر ہے۔

اور قیدی ہے۔ بڑھاپا جو کہ موت کی طرح ہے۔ اس سے پہلے زادِ سفر
تیار نہیں کیا۔ کیونکہ اس عمر میں قوت عمل نہیں ہوتی۔ اور قوی زائل ہو جاتے ہیں۔
میں نے اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے کے لیے کوئی عمل نہیں کیا۔
اسی طرح محبت الٰہی، اعضاء کا گناہوں سے محفوظ رکھنا یہ بھی نہیں ہو سکا۔ اس
لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا
قرب حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں۔ پھر میں
اس کی سماعت بن جاتا ہوں۔ جن سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھیں جن سے
وہ دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ جن سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کے پاؤں جن سے

والمراد بالنافلة، الزائدة على الفرض والواجب والسنة الموكدة من الصلواة والصوم والصدقة وغيرها فقوله۔

(وَلَمْ اُصَلِّ) صلواة (سِوَی فرضٍ وَّلَمْ اَصُمِ) صوماً سوی فرض، تخصیص بعد تعمیم اظهاراً لتعظیمها، وتحسراً علی فوات هذین العملین الشریفین اللذینّ[1] ورد فیهما:

"أن العبد اذا قام الی الصلواة، رفع الله تعالی الحجاب بینه وبین عبده وجهه[2] بوجهه الکریم، وقامت الملائکة من لدن منکبیه، یصلون بصلاته ویؤمنون علی دعائه"، "الصوم لی و أنا أجزی به"[3]۔

ثم أکد قوله: "ولا تزودت" تحقیقا له وانتقالاً الی ما هو مقصوده من مدح سید المرسلین حبیب إله العالمین صلی الله علیه وسلم بقوله:

٢٩

ظَلَمْتُ سُنَّةَ مَنْ اَحْیَ الظَّلَامَ اِلٰی
اَنِ اشْتَکَتْ قَدَمَاهُ الضُّرَّمِنْ وَّرَمِ

(ظَلَمْتُ) ترکت (سُنَّةَ) طریقة (مَنْ) الذی (اَحْیَ الظَّلَامَ) فی الصراح[4]: الظلام بالفتح، ظلمة أول اللیل، وفی المهذب: الظلمة، وفی الصحاح[5]: أول اللیل

---

[1] فی الاصل "الذی" وصوابه "اللذین" [2] فی الاصل واجه، والصواب ما اثبت۔
[3] راجع، صحیح البخاری ٢٢٦/٢ کتاب الصوم، والجامع الصحیح ١٥٧/٣ باب فضل الصیام، والترمذی ٩٥/١ ابواب الصوم الدارمی: ٢٢٣ باب فی فضل الصیام۔
[4] راجع الصراح ١٠١: ٣٠ وغیاث اللغات: ٢٧٥۔
[5] انظر الصحاح ١٩٧٨/٥ تحت المادة "ظلم"۔

وہ چلتا ہے۔

نفل سے مراد اضافی عبادات ہے، جو فرض، واجب اور سنت موکدہ یعنی نماز، روزہ اور صدقہ سے زائد ہو۔

سوائے نماز اور روزہ کے کوئی نفل عمل نہیں کیا۔ تخصیص کے بعد تعمیم اظہار تعظیم کیلئے ہے۔ جبکہ نفلی روزے اور نماز کے فوت ہو جانے پر اظہار افسوس کرتا ہے۔ جن کے بارے حدیث شریف میں آیا ہے۔

"جب ایک آدمی نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے اور بندے کے درمیان پردہ اٹھا دیتا ہے اور وجہ کریم سے مخاطب ہوتا ہے اور فرشتے اس کے کندھوں کے قریب کھڑے ہوتے ہیں۔ اس پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دونگا۔"

اس کے بعد (وَلَا تَزَوَّدْتُ) کی تاکید کی یعنی کہ میں نے سامان سفر تیار نہیں کیا۔ تحقیقی اور انتقالی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اسکا مقصود ہے۔

۲۹

میں نے ظلم کیا اس محبوب کی سنت پر جس نے راتوں کی تاریکی میں اس قدر عبادت کی کہ آپ کے مبارک قدموں پر ورم کی تکلیف ظاہر ہو گئی۔

(ظَلَمْتُ) میں نے چھوڑا۔ (سُنَّةَ) طریقہ۔ (مَنْ) اس کا۔ (اَحْيَ الظَّلَامِ) صراح میں کہ ظلام کے ظا پر زبر ہے۔ یعنی رات کی ابتدائی تاریکی۔ مہذب میں ہے کہ اندھیرا۔ صحاح میں اس کا معنی یوں ہے۔ رات کا ابتدائی حصہ، یہاں اس

والمراد ههنا: الليلة المظلمة[١]، وفى التعبير عنها بأول الليل على ما فى الصحاح إشارة إلى أنه صلّى الله عليه وسلّم كان نشيطا على إحياء الليل ملتذاً[٢]، به، مستغرق الهم به، بحيث كان عنده الليل بمنزلة أول الليل كما قيل: سَنَة الوصال سنة وسِنة الهجر سَنَة" يعنى انه صلّى الله عليه وسلّم أحى الليلة المظلمة بترك النوم فيها بالاشتغال بالعبادة.

(إلى أنِ اشْتَكَتْ) من الشكاية اى ذهبت بالشكاية الى الله تعالى كما روى (قَدَمَاهُ الضُّرّ) بضم الضاد، مفعول "اشتكت" (مِنْ) ابتدائية أو بنائية (وَرَمٍ) انتفاخ اى اشتكت قدماه الضر ناشيئاً من انتفاخ أو الضر الذى هو انتفاخ لطول قيامه صلّى الله عليه وسلّم بالليل على ما روى عن المغيرة بن الشعبة رضى الله عنه "انه قام صلّى الله عليه وسلّم حتى انتفخت قدماه فقيل له: أتتكلف هذا وقد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر، قال: افلا أكون عبداً شكوراً[٣]".

واعلم أنه يعلم من ملازمته صلّى الله عليه وسلّم القيام وعدم تركه مع تورم قدميه صلّى الله عليه وسلّم أنه أمر عظيم لا ينبغى أن يتساهل

---

[١] فى الاصل "الظلمة" والتصويب من "ب"

[٢] كذا فى ب: متلذذا.

[٣] انظر "الترمذى" ٣١٢/١ فى الصلاة، باب ما جاء فى الاجتهاد فى الصلاة وفى "الشمائل" ٢٥٨ وصحيح البخارى ٧٢٩/٢ فى تفسير سورة الفتح باب قوله ليغفر الله لك "ومسلم" ٣٧٥/١ فى صفات المنافقين وأحكامهم باب اكتساب الاعمال والاجتهاد فى العبادة وأخرجاه أيضاً من حديث ام المؤمنين عائشة رضى الله عنها، وشرح الشفا لعلى القارى ٣١٥/١ ودلائل النبوة للبيهقى ٣٦٩/١ -

سے مراد اندھیری رات ہے۔ اصل میں یہاں ظلام سے مُراد ابتدائے شب ہے جس طرح کہ صحاح میں ذکر کیا ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

جس طرح کہ کہا گیا ہے کہ سالِ وصال ایک گھڑی ہوتا ہے۔ اور ہجر کی گھڑی ایک سال ہوتا ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اندھیری رات میں نیند کو چھوڑ کر عبادت کو زندہ کیا۔

(الی اَنِ شتکت) شکایت سے ہے۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ کے پاس شکایت لے کر گیا۔ جس طرح کہ روایت ہے۔ (قدماہ الضر) ض پر پیش ہے۔ اشتکت کا مفعول ہے۔ مِن ابتدائیہ ہے۔ یا بنائیہ۔ (ورم) پھول جانا۔ یا وہ تکلیف جو سوج ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طویل قیام کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام کے لیے کھڑے ہوتے۔ یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک پھول جاتے۔ عرض کیا گیا۔ کیا آپ کی عبادت پر مکلف ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پچھلے اور آئندہ گناہ معاف فرما دیے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں اللہ کا شکر گزار بندہ ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام کو باوجود قدمین شریفین کے پھول جانے کے نہ چھوڑنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بہت بڑا کام ہے۔ اس

فيه، كيف وقد قال الله تعالى: وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا[١] وقيل في قوله تعالى: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ.[٢] كان عملهم قيام الليل.

وفي الخبر: "عليكم بقيام فإنه مرضاة لربكم وهو دأب الصالحين قبلكم ومنهاة عن الاثم وملغاة للوزر ومذهبة كيد الشيطان ومطردة للداء عن الجسد"[٣] وفي الآخر: اذا نام العبد عقد الشيطان على رأسه ثلاث عقد، فإن عقد وذكر الله تعالى انحلت عقدة، وإن توضأ انحلت عقدة أخرى، وإن صلى ركعتين انحلت عقدة كلها، فأصبح نشيطاً طيب النفس ولا اصبح كسلاً خبيث النفس[٤] وفي الآخر: من نام حتى يصبح، بال الشيطان في أذنه[٥] فمن حرم قيام الليل فقد حرم خيراً كثيراً.

هذا والمراد بترك السنة إما مطلق النوافل أو خصوص ما في هذه الصلات من قيام الليل واختيار الجوع والترفع عن الدنيا والزهد فيها.

---

[١] سورة الفرقان، الاية: ٦٤ [٢] سورة السجدة الاية: ١٧

[٣] اخرج "البخاري" برواية أبي امامة الباهلي في باب التهجد ١/٣٢٥ وراجع "المستدرك" ١/٣٠٨ و"سنن ابي داؤد" في باب التطوع و"الدارمي" "كتاب الرقاق" و"شرح السنة" ٤/٣٤ في باب التحريض على قيام الليل.

[٤] رواه "مسلم" عن أبي هريرة في باب قيام الليل ١/٢٥٦ و"البخاري" ٢/٤٦ في صلاة الليل و"شرح السنة" في باب التحريض على قيام الليل ٤/٣٣ والنسائي ٣/٢٠٤ وأبو داؤد ٢/٤٤ وابن ماجه ١/٢٢١.

[٥] وهذا اشطر من حديث رواه البخاري ١/٣٣٣ في التهجد، باب اذا نام ولم يصل، بال الشيطان في أذنه و"مسلم" ١/٢٤٨ في صلاة المسافرين، باب ما روى فيمن نام، و"شرح السنة" ٤/٤١ التحريض على قيام الليل و"ابن حبان" في صحيحه باب: من نام عن الفريضة والنسائي ٣/٢٠٣.

میں سستی اور غفلت نہیں چاہیے۔ اور کیوں نہ ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اور وہ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کیلئے سجدے اور قیام میں۔

اور فرمایا:

تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی ہے صلہ ان کے کاموں کا۔

ان کا عمل قیام لیل تھا۔

حدیث شریف میں ہے۔ کہ تمہارے اوپر قیام لازم ہے۔ اس میں تمہارے رب کی رضا ہے۔ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ ہے۔ گناہ سے روکنے والا ہے۔ بوجھ ہلکا کرنے والا ہے۔ شیطان کے مکر کو زائل کرنے والا ہے۔ تم کو مرض سے چھٹکارا دینے والا ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے: "جب انسان سو جاتا ہے۔ شیطان اس کے سر پر تین گرہیں دیتا ہے۔ اگر وہ بندہ اللہ کو یاد کرے تو پہلی گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر صبح وہ پاکیزہ نفس کے ساتھ بیدار ہوتا ہے اور سستی اور کاہلی سے اس کا نفس محفوظ رہ جاتا ہے۔" ایک اور حدیث شریف میں آیا۔

جو بندہ سویا۔ یہاں تک صبح ہو گئی۔ شیطان اس کے کان میں پیشاب کرتا ہے۔ جو بندہ قیام لیل (تہجد) سے محروم ہے وہ بہت زیادہ خیر سے محروم ہے۔

ترک سنت سے یہی مراد ہے۔ یا تو مطلق نوافل چھوڑنے مراد ہے یا تہجد کی نماز۔ بھوک اختیار کرنا۔ دنیا سے محبت کو اٹھا لینا اور دنیا میں زہد کو اختیار کرنا۔

٣٠

وَشَدَّ مِنْ شَغَبٍ أَحشَاءَهُ وطَوَى
تَحْتَ الْحِجَارَةِ كَشْحاً مُتْرَفَ الأَدَمِ

(وَ) ظلمت سنة من (شَدَّ) بالحجارة ليقوم صلبه (مِنْ شَغَبٍ) لأجلٍ[1] جوع عظيم، روى عن ابن عباس رضى الله عنهما أنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يبيت الليالى المتتابعة طاويًا هو وأهله، لايجدون عشاءً وكان خبزهم خبز الشعير[2] وعن عائشة رضى الله عنها قالت: "ما شبع رسول الله صلى الله عليه وسلم من خبز شعير يومين متتابعين حتى قبض"[3] وقال صلى الله عليه وسلم، ولقد أتت على ثلاثون من بين ليلة ويوم مالى وبلال طعام ياكله ذوكبد الاشئ يواريه إبط بلال"[4] (أحشَاءَهُ) امعاءه، مفعول "شد" (وَطَوَى) عطف عليه (تَحْتَ الْحِجَارَةِ) ظرف "طوى" (كَشْحاً) خاصرة، مفعول "طوى" (مُتْرَفَ الأَدَمِ) صفة "كشحا" اى ناعم الجلد، وأدم ككرم.

روى عن طلحة رضى الله عنه انه قال: "شكونا الى رسول الله صلى الله

---

[1] فى الاصل "لاجله" والصواب ما اثبت.

[2] انظر: شمائل الترمذى: ١٠ باب ماجاء فى صفة خبز رسول الله صلى الله عليه وسلم وشرح الشفا لعلى القارى ١/٣١٠

[3] راجع شمائل الترمذى: ١١ ومدارج النبوة ١/٧٦١ والشفا للقاضى ١/٣٠٧ وحليه الاولياء ١/١٠٠ فى ترجمة عبد الرحمن بن عوف.

[4] انظر: شمائل الترمذى: ٢٧ باب ماجاء فى صفة خبز رسول الله صلى الله عليه وسلم ومشكواة: ٤٤٨ كتاب الرقاق وأعلام النبوة: ١٩٢-

٣٠

اور آپ نے بھوک کے سبب لپنے شکم کو باندھا اور لپنے ناز پرورده پہلو کو پتھر سے کسا۔

(و) اور سنت پر تاریکی چھا گئی۔ (شَدَّ) پتھر کی طرح سخت۔ اس کی سختی کو کم کیا جائے۔ (مِنْ سَغَبٍ) سخت بھوک کے ذریعے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ (وَ شَدَّ) اور باندھا۔ (مِنْ سَغَبٍ) بھوک سے (اَحْشَائِہٖ) وہ اعضاء جو شکم میں ہیں۔ (وَطوَیٰ) اور لپیٹا (تحت) نیچے۔ (الحجارۃ) پتھر۔ (کشحاً) وہ حصہ جو سے ڈھڈی تک ہے۔ (مُتْرَفَ) ناز پرورده۔ (اَلْاَدَمِ) جلد۔

سخت بھوک کی وجہ سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صلب کو سیدھا رکھنے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل کئی دفعہ خود بھی اور آپ کے گھر والے فاقے کرتے۔ رات کا کھانا نہ ہوتا (اور کبھی اگر روٹی ملتی بھی)، تو وہ جو کی ہوتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ وصال کے دن تک پوری زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مسلسل دو دن تک جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر تناول نہ فرمائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے اوپر تیس دن اور راتیں اس طرح بھی آئیں۔ کہ میرے اور بلال رضی اللہ عنہ کے پاس کھانے کے لیے کچھ بھی نہ ہوتا۔ جس کو جاندار کھا سکے۔ مگر وہ جو جس کو بلال کا بغل چھپائے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

عليه وسلّم الجوع ، ورفعنا عن بطوننا عن حجر حجر ، فرفع رسول الله صلّى الله وسلّم من بطنه عن حجرين[1] "وكل ذلك كان منه صلّى الله عليه وسلّم اختياراً لا اضطراراً، كيف ولما عرضت الدنيا عليه صلّى الله عليه وسلّم قال "لا، أجوع يوماً وأشبع يوماً"[2]

واليه أشار الفاضل بقوله،

٣١

وَرَاوَدَتْهُ الجبالُ الشمُّ مِنْ ذَهَبٍ
عَنْ نَفْسِهِ فَأَرَاهَا أَيَّمَا شَمَمِ

(وَ) ظلمت سنة من (رَاوَدَتْهُ) جارت وذهبت عنده صلّى الله عليه وسلّم، وفعلت فعل المخادع مع صاحبه لأمر يريد وقوعه منه (الجِبَالُ الشُّمُّ) جمع الأشم وهو الأرفع كائنة (مِنْ ذَهَبٍ عَنْ نَفْسِهِ) متعلق "راودت"[3] اى راودته لأجل نفسه ليقبلها ويتمتع بها ويصرفها فى حاجاته (فَأَرَاهَا) أى فأرى النبى صلّى الله عليه وسلّم تلك الجبال نفسه (أَيَّمَا شَمَمٍ) كاملاً فى الهمة، مرتفعاً عنها، مستنكراً منها، فلم يقبلها ولم يلتفت إليها حيث صغرت فى عينيه عليه الصلوٰة والسّلام بمشاهدة مكونها، وتوجه الى الله تعالىٰ وأعرض

[1] أخرجه الترمذى من حديث ابى طلحة (رض) فى باب ما جاء فى عيش رسول الله صلّى الله عليه وسلّم.

[2] راجع، جامع الترمذى فى أبواب الزهد ٢/٥٨ ومشكوٰة المصابيح ٤٢٢ فى كتاب الرقاق ودلائل النبوة لأبى نعيم ٢/٢١٥ وشرح الشفا للعلامة على القارى ١/٣٠٨ -

[3] فى الاصل "راودت" وهو تحريف والصواب ما اثبت -

کے حضور بھوک کی شکایت کی۔ اور اپنے پیٹوں سے کپڑا ہٹا کر، ایک ایک پتھر دکھایا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شکم مبارک سے کپڑا ہٹا کر دو پتھر دکھائے۔ اور یہ بھوک اور فقر اختیاری تھا۔ نہ کہ اضطراری۔ اور کیوں نہ فقر اضطراری ہوتا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا پیش کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہیں میں ایک دن بھوکا اور ایک دن سیر رہوں گا۔ اور اسی طرف شاعر اصل نے اشارہ کیا۔

۳۱

اور سونے کے بلند پہاڑوں نے آپ کی توجہ اپنی طرف مائل کرنا چاہی
تو آپ نے نہایت بلند ہمتی سے انہیں حقیر دیکھا۔

(وَ) اور (رَاوَدَتْهُ) ارادہ کیا۔ (اَلْجِبَالُ) جمع جبل۔ پہاڑوں۔ (الشم) بلند نے (مِنْ ذَهَبٍ) جو سونے کے تھے۔ (مِنْ نفسہ) آن کی ذات مبارک سے۔ (فاراھا) تو ان کو حضور نے دیکھا۔ (اَیُمَا) کس شان سے۔ (شمم) اپنے بلند حوصلے سے۔

تاریک سالوں میں (بھوک) سونے کے بلند و بالا پہاڑ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے اور پھر چلے گئے۔ پہاڑ اس ارادے سے پیش ہوئے۔ تاکہ قبول کرتے، ان میں تصرف کرتے، ان سے حاجات میں فائدہ اٹھاتے، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بلند ہمتی کی نظر میں پہاڑ کی طرف دیکھا۔ اس کو قبول کرنے سے انکار فرمایا اور اس کی طرف توجہ تک بھی نہ فرمائی۔ اور اتنے بڑے پہاڑ کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ہیچ نظر آیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کر کے ہر چیز سے اعراض فرمایا۔ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے۔ ان تمام نعمتوں

عما سواه، وترك وراء ظهره الأرضين والدنيا بحظوظها العاجلة والسموات والآخرة بحظوظها الآجلة[1] قائلاً: بأن الدنيا دار من "لا"[2] دار له، ومال من لا مال له، قد جمعها من لا عقل له[3] فأثنى عليه الناموس قائلاً: قد ثبتك الله يا محمد بالقول الثابت، عليه أكمل التحيات وافضل الصلوات الى يوم الميقات.

ولما بين إعراضه صلى الله عليه وسلم عن الجبال كل الاعراض كأنه توهم السامع كيف ذلك الاعراض بمكان الضرورة فدفع ذلك بقوله.

٣٢

وَاكَّدَتْ زُهْدَهُ فِيهَا ضَرُورَتُهُ
إِنَّ الضَّرُورَةَ لا تَعْدُو عَلَى الْعِصَمِ

(وَاكَّدَتْ) أحكمت (زُهْدَهُ)، والزهد هو عزوف[4] النفس عن الدنيا وانزواؤها طوعاً مع القدرة عليها، وأما إن انزوت الدنيا عن الرجل وهو قانع راضٍ صابر فهو الفقر الذى ورد فيه "أحب العباد الى الله تعالى الفقير القانع"[5] "ويدخل فقراء امتى الجنة قبل أغنيائها بخمس مائة عام"[6] "والفقراء الصبر، هم جلساء الله تعالى يوم القيامة" وإن كان بالعكس فهو الفقر الذى ورد فيه "كاد الفقر ان يكون

---

[1] فى الاصل: العاجله، والتصويب من ب.

[2] سقطت من الاصل والصواب ثباتها.

[3] اخرجه الامام احمد فى مسنده حديث أم المومنين عائشة رضى الله عنها ٦/٧١ والقاضى فى الشفا ١/٣٠٩ وانظر: مشكواة المصابيح: ٤٤١ فى كتاب الرقاق.

[4] فى الاصل "غروف" وهو تصحيف والصواب ما اثبت.

[5] لم أجده بهذا اللفظ وعند ابن ماجه حديث: ان الله يحب الفقير المتعفف وفى مشكواة حديث: ان الله يحب عبده المومن المتعفف" كتاب الرقاق ٤٤٩ باب فضل الفقراء.

[6] راجع: جامع الترمذى ٢/٥٨ والدارمى ٢/٣٨٤ وابن ماجه ٢/١٣٨ فى كتاب الزهد باب فضل الفقراء.

اور خزانوں کو آخرت کی نعمتوں اور خزانوں پر قربان کر دیا۔ یہ فرمایا کہ دنیا اس آدمی کا گھر ہے۔ جس کا گھر نہ ہو۔ اس کا مال ہے، جس کا مال نہیں، اس نے جمع کیا جس کی عقل نہیں۔ اللہ رب العزت نے آپکی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

"یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کی تائید قول سے ثابت فرمائی"۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہاڑوں سے مکمل طور پر اعراض واضح ہو گیا۔ پڑھنے والا گمان کر سکتا ہے کہ یہ اعراض ضرورت کی بنا پر تھا۔ شاعر نے اس خیال کو رد کیا۔

۳۲

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد کو دنیا میں ضرورتوں نے اور مضبوط کر دیا

بے شک ضرورتیں آپ کی عصمت مآبی پر غالب نہیں آسکتیں۔

(وَاَکَّدَتْ) تاکید سے ہے، پختہ اور مضبوط کرنا۔ (زُھْدَہٗ) دنیا سے اعراض (فِیْھَا) اس دنیا میں۔ (ضَرُوْرَتُہٗ) اکدت کا فاعل۔ ظاہری حاجت۔ (اِنَّ الضَّرُوْرَۃَ) بیشک بشری حاجت۔ (لَا تَعْدُوْ) غالب نہیں آسکتی۔ (عَلَی الْعِصَمِ) عصمت اور عفت مآبی پر۔ عین کے نیچے زیر اور ص پر زبر ہے۔ زہد دنیا سے نفس کے کنارہ کش ہونے کا نام ہے۔ اور قدرت کے باوجود دنیا سے دور رہنا اور اگر دنیا انسان سے دور ہو۔ اور وہ اس حال میں بھی صابر۔ راضی اور قانع ہو۔ اس کے بارے فرمایا گیا۔ اللہ اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب فقیر قناعت کرنے والا ہے۔ اور میری اُمت کے فقراء، امیروں سے پانچسو سال قبل جنت میں داخل ہوں گے۔ اور صبر کرنے والے فقراء قیامت کے

كفراً[١]- اللّهم إنى اعوذبك من الفقر، الفقر سواد الوجه فى الدارين-

(فيها) اى عزوفه واعراضه صلّى الله عليه وسلّم[٢] عن الدنيا وامتعتها،

يقال، زهد[٣] فى الامر، اذا أعرض عنه، وزهد عن الامر، إذا مال اليه، و

رغب بالعكس، وإرجاع الضمير اليها أولى بمكان تقدمها معنى-

(ضَرُورَةٌ) فاعل "اكدت" اى حاجته صلّى الله عليه وسلّم اليها بمقتضى

حاجة البشرية ولوازمه النفسانية يعنى ان حاجته باعثة داعيه إلى

الإعراض عن الدنيا وما فيها على الاطلاق فضلاً عن الجبال وتمتعها، فحاجته

عليه الصّلاة والسّلام لا تدعوه إلى الدنيا أصلاً، كيف وهى موكدة للزهد

فيها بل انما تدعوه الى الإعراض عنها-

ثم بين ذلك أولاً بوجه عام بقوله :

(إنَّ الضَّرُورَةَ) الحاجة البشرية (لَا تَعْدُوْ)[٤] لا تجاوز ولا تغلب بان تدعوه

إليها (عَلَى الْعِصَمِ) الالهية الازلية فى حق نبينا صلى الله عليه وسلّم بل

العصمة[٥] جعلت ضرورة مؤكدة للزهد فيها-

وذلك لأنه صلّى الله عليه وسلّم لما أمطر عليه بمقتضى العصمة سحائبُ[٦]

اللطف والاحسان الأزلية وشآبيب الرحمة والعناية السرمدية فرأى الدنيا

بصورتها وشكلها كما هى مبغوضة خسيسة فانية مكدرة بالام مشوبة[٧] بالاسقام

والآخرة بحقيقتها وماهيتها كما هى مرضية جليلة باقية صافية عن المكدرات

خالية عن النقمات، صارت ضرورته باعثة داعية الى الاعراض عنها بالكليه

---

[١] انظر : مشكوٰة المصابيح ، ٣٠٨ه كتاب الادب [٢] وردت فى ب : من

[٣] راجع التاج ٢٦٥/٣١ تحت المادة "زهد" [٤] فى الاصل "تعدوا" وصوابه بدون الالف -

[٥] وعبارة ب : العصميه جعلت ضرورية مؤكدة -

[٦] وفى ب : سحائب - [٧] وفى ب : منسوبة -

روز اللہ تعالیٰ کے ہم نشین (قرب) ہوں گے۔ اور فقر اس کے برعکس ہو تو اس کے بارے وارد ہے کہ

اور فرمایا۔ اے اللہ میں تیرے ساتھ فقر سے پناہ مانگتا ہوں، جو دونوں جہانوں میں چہرے کی سیاہی ہے۔ زہد فی الامر سے مراد اعراض کرنا ہے اور زہد عن الامر سے مراد میلان اور رغبت کرنا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاجات بشری اور لوازمات انسانی کے باوجود دنیا و مافیہا سے اعراض کرنا، پہاڑوں اور ان کے موائد سے بڑھ کر فضیلت کا حامل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاجات ہرگز دنیا کی طرف متوجہ نہیں۔ کس طرح یہ دنیا کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ ان حاجات کی وجہ سے اُن کا زہد اور بھی پختہ بن جاتا ہے۔ بلکہ دنیا سے اعراض اور کنارہ کشی کی طرف آپ کا زہد بلاتا ہے۔ پھر پہلے اس کو عمومی طور پر ذکر کیا کہ بشری حاجات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب اور متجاوز نہیں۔ حالانکہ بشری حاجات کو اپنی طرف بلاتی ہیں، بلکہ حقیقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد اپنی حاجات بشری کی وجہ سے مزید پختہ اور مضبوط ہوتا ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بمقتضائے عصمت ازلی لطف و احسان، رحمت کے بعد اور سرحدی عنایت کی بارش برسی۔ تو آپ نے دنیا کو اپنی صورت اور شکل میں دیکھا۔ کہ یہ مبغوض، ذلیل، فانی، تکالیف سے آلودہ، بیماریوں سے مرکب ہے۔ اور آخرت کو بھی دیکھا۔ جو کہ اللہ تعالیٰ نے رضا کی جگہ، عظیم، باقی گندگیوں سے صاف اور عیوب سے خالی ہے۔ تو دنیا سے اعراض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس کی ضرورت بنا۔ جس طرح کہ مردار سے اعراض ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

كما يعرض عن الجيفه ، فأعرض عنها وعن لذاتها قائلاً: لو كانت الدنيا تزن عند الله جناح بعوضة ، لما سقى منها كافراً شُربة ماء[1] وقنع بادنى مايقوم به البنية قائلا: "اللهم لا تجعل الدنيا مبلغ علمی ولا اكبر همی".

(والعصم) بكسر الأول وفتح الثانی ، جمع عصمة ، وهی لطف من الله تعالی ؛ يحمل العبد على فعل الخير ويرجره عن الشرمع بقاء الاختيار۔

وبين ثانياً بوجه يختص به صلی الله عليه وسلم بقوله ؛

٣٣

وَكَيفَ تَدعُو إِلَى الدُّنيَا ضَرُورَةُ مَن
لَولَاهُ لَم تَخرُجِ الدُّنيَا مِنَ العَدَمِ

(وَكَيفَ) ای لا (تَدعُوا[2] إِلَى الدُّنيَا) الدنيا ای الخسيسة من "الدنا" وكيف لا ، وقد ورد فی الخبر ؛ أن الله لم ينظر اليها منذ خلقها ، او القريبة من "الدنو" ای إلى الزوال لأنها ظل زائل وجدار مائل أو إلى

---

[1] أخرجه الترمذی من حديث سهل بن سعد فی أبواب الزهد ٥٦/٢ باب ماجاء فی هوان الدنيا على الله والحاكم فی المستدرك ٣٧٨/٢ وابن ماجه ٣٧٧/٢ فی كتاب الزهد : باب مثل الدنيا وانظر ، مشكواة المصابيح فی كتاب الرقاق ؛ ٤٤١۔

[2] فی الاصل "تدعوا" وهو تحريف۔

دنیا اور اس کی لذات سے اعراض فرما کر فرمایا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی حیثیت مکھی کے پر کے برابر بھی ہوتی۔ تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ڈھانچے کو سیدھا رکھنے کے لیے معمولی کھانے پر ہی اکتفا کیا۔ اور فرمایا۔

عصمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لطف و کرم کو کہتے ہیں۔ جو بندے اچھے کاموں پر اکساتا ہے۔ اور برے کاموں سے اختیار کے ہوتے ہوئے بھی منع کرتا ہے اور زجر و نہی کرتا ہے۔

ایک دوسری صفت جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم متصف ہیں۔ بیان کیا۔

۳۲

اور کیسے دنیا کی طرف ضرورت ایسی ذات کو بلا سکتی ہے کہ وہ اگر
نہ ہوتے تو دنیا عدم سے وجود میں نہ آتی۔

(وَکَیۡفَ) اور کیونکر۔ (تَدۡعُوۡ اِلَی الدُّنۡیَا) دنیا کی طرف بلائیں۔ (ضَرُوۡرَۃُ مَنۡ لَّوۡلَاہُ) حوائج ظاہری اس ہستی کی۔ اگر وہ پاک ذات نہ ہوتی۔ (لَمۡ تُخۡرِجِ الدُّنۡیَا مِنَ الۡعَدَمِ) دنیا نہیں سے ہے میں ظاہر نہ ہوتی۔

آپ صلی اللہ علیہ کیسے دنیا دینہ (۱) (جو کہ خسیس ہے اور لفظ دنا سے بنی ہے) اپنی طرف متوجہ کر سکتی ہے۔ کیوں نہیں کہ حدیث شریف میں آیا۔ کہ دنیا کی تخلیق سے لے کر آج تک اللہ تعالیٰ نے دنیا کی طرف نہیں دیکھا۔ (۲) دنیا یا دنو سے بنی ہے۔ یعنی زوال کے قریب اس لیے کہ یہ زائل، ختم ہونے والا سایہ اور ٹیڑھی دیوار ہے۔ (۳) یا اس لیے لوگوں کی طبیعتوں اور نفسوں میں دنیا کی

الطبائع والنفوس بالحب والقبول لكونها حلوة خضرة، قال عز من قائل فى الانسان.

إِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ[١] وقال،

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ[٢] الاية -

أو[٣] القريبة المقدار، يقال: فلان قريب المحل والمقدار أى دنيه أى السهلة المقدار يصل اليها من هو ملوث بلوث اللذات والشهوات ويتداولها الحمقى والمجانين من أبنائها الذين هم متدنسون بدنس الغفلات[٤] والجهالات بخلاف الآخرة فإنها عظيمة الشان رفيعة المقدار "يصل[٥] إليها الامن طهر بماء الرحمة عن لوث[٦] التعلقات ووفق بتوفيق الله تعالى للاعراض[٧] عن اللذات والشهوات فاستبقى طيباته لدار التحيات فيقال لهم طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ[٨] (ضرورة من لولاه) موجود -

(لَمْ تَخْرُجِ الدُّنْيَا مِنَ الْعَدَمِ) بل انما تدعوه إلى الزهد فيها لأنه لما كان صلى الله عليه وسلم هو السبب والمنشاء والواسطة فى خروج الدنيا عن حضيض العدم إلى أوج الوجود كما ورد: "لولاك لما خلقت الافلاك[٩] كانت الدنيا كأنها اثر من آثار وجوده صلى الله عليه وسلم، ومن عادات الكرام أن لايخطروا

---

[١] سورة العاديات، الاية: ٨ [٢] سورة آل عمران: الاية ١٤ -

[٣] كذا وفى ب: و [٤] كذا وفى ب: العقلات -

[٥] سقطت من الاصل والتكملة من ب [٦] كذا فى الاصل وفى ب: بعض

[٧] فى الاصل: الاعرض، والتصويب من ب. [٨] سورة الزمر، الاية: ٧٣ [٩] انظر الخصائص الكبرى ٢/١٩٣ وشرح الشفا القارى ١/٦٨ وجواهر البحار ١/٩٨ والموضوعات الكبرى: ٢٩٥ -

محبت اور قبول کرنے جذبہ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ دنیا میٹھی اور سرسبز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے بارے فرمایا۔

بے شک وہ مال کی چاہت میں ضرور کرا (تیز) ہے۔

اور فرمایا۔ لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں۔

(۴) یا دنیا سے مراد قدسی مقدار ہے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے۔ کہ فلاں جگہ اور مقدر کے قریب ہے۔ (یعنی دَنِیَّۃٌ) جو شخص لذتوں اور شہوتوں میں ملوث ہے۔ وہ دنیا میں بہت قریب ہے۔ اس کی طرف پہنچ جاتے گا۔ دنیا سے احمق اور مجنوں قسم کے لوگ محبت کرتے ہیں۔ اور دنیا کے بیٹے غفلت اور جہالت کے سیل سے آلودہ ہیں۔ بخلاف آخرت کے کیونکہ وہ عظیم الشان اور بلند شوکت ہے۔ آخرت کی بھلائی کی طرف صرف وہ لوگ پہنچتے ہیں جو الائشوں سے رحمت کے پانی سے صاف ہو چکے ہوتے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے شہوتوں سے اعراض اور لذتوں سے کنارہ کشی کی توفیق دی ہو۔ آخرت میں اُن کے لیے طیب وظاہر نعمتیں ہیں۔ ان سے کہا جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو زہد کی طرف اس دنیا میں بلا رہے ہیں۔ اسلیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا کے عدم سے وجود میں آنے کا سبب منشا اور واسطہ ہیں۔ جیساکہ حدیث قدسی میں ہے۔ (اے محبوب) صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمان بھی پیدا نہ کرتا۔ گویا کہ دنیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ نیک لوگوں کی مبارک عادات سے یہ بھی

ببالهم ما بذلوه بل يعرضون عنه كل الاعراض ويجعلونه كالمنسى فضلاً عن دعتهم ضرورتهم إليه.

هذا وبما ذكرنا ظهر، أن كلا الوجهين مبنيان على المنع، وهو اولى من القول بأن الاول مبنى على تسليم الدعوة والثانى على منعها. كيف وهو مناف لقوله: واكدت زهده[1] الخ فتدبر ا هذا ما خطر[2] بالبال، والله أعلم بحقيقة الحال.

ثم لما ذكر للممدوح[3] من صفات العظام ما يتحير فيه الأفهام، تاق السامع واشتاق الى استماع اسمه المبارك وكأنه سأله عنه فقال إجابةً لمسؤله هو:

٣٤

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالثَّقَلَيْنِ
وَالْفَرِيقَيْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

(مُحَمَّدٌ) حمده الله سبحانه وتعالىٰ بقوله:

إِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ[4] وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ[5] إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا وَّدَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا[6]

ويحتمل الجر على البدلية والنصب على المدح.

(سَيِّدُ) اهل (الْكَوْنَيْنِ) أى الدنيا والآخرة من الملك والانس والجن وغيرهم

---

[1] إشارة الى البيت رقم: ٣٢. [2] كذا فى الاصل وفى ب: خطرنى.

[3] فى الاصل "للمداوح" وهو خطأ والصواب ما اثبت. [4] سورة القلم: الاية ٤.

[5] سورة الانبياء: الاية: ١٠٧. [6] سورة الأحزاب، الاية: ٤٥.

ہے کہ دل میں دنیا کا خیال تک بھی آتا۔ دنیا سے مکمل اعراض کرتے۔ دنیا کو بالکل بھلاتے ہیں۔ وہ اس سے کہیں بالاتر ہیں۔ کہ دنیا ان کو اپنی طرف بلاتے۔

یہ بات ہماری گفتگو سے ظاہر ہوتی۔ کہ دونوں وجوہات منع کرنے پر منحصر ہیں۔ ان میں سے پہلی وجہ "مسلم دعوت" پر مبنی ہے اور دوسری وجہ اس کے منع پر مبنی ہے اور یہ اس قول کے منافی ہے۔ والکدت زہدہ (سابقہ کی طرف اشارہ ہے) اس پر غور کرو۔ میرے دل میں یہی خیال ہے۔ اور اللہ تعالےٰ حقیقت حال کو بہتر جانتا ہے۔

پھر اس کے بعد ممدوح کی وہ عظیم صفات ذکر کیں۔ جن پر عقل و فہم حیران ہے۔ سننے والا اس اسم مبارک کے سننے کیلئے مشتاق و بیتاب ہے اور گویا کہ سوال کرنے والا اس نام نامی سے متعلق پوچھتا ہے۔ اور مصنف رحمۃ اللہ یوں جواب دیتے ہیں۔

۳۴

محمد صلی اللہ علیہ وسلم سردار ہیں دنیا و آخرت کے، جنوں اور انسانوں کے اور دونوں جماعتوں کے عرب اور عجم سے۔

(محمدٌ) اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بدیں الفاظ فرمائی۔ بیشک تمہاری خو بو (خلق) بڑی شان کی ہے۔ ہم نے آپ کو نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔ اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے عہ بدلیت کی وجہ سے جر کا احتمال رکھتا ہے۔ اور مدح کی وجہ نصب کا۔

(سیّد) اہل (الکونین) یعنی دنیا اور آخرت، فرشتے، انسان اور جن وغیرہ یعنی

عہ تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری [illegible]

اى الفائق على اهلها باسرِهم بحيث لا يوجد فيهم من يفوقه اصلاً لأنه ارتفع عن الإتباع ونال درجة الاستتباع وتفرد بعلو رتبته بحيث يفيد الخلق ولا يستفيد ويستتبع ولا يتبع ولا يشهده أحد الا ويفنى عن ملاحظة نفسه ويصير مستوفى اللهم به غير ملتفت إلى ذاته فلا يطمع احد فى استتباعه ولم يحظ بهذا غيره صلى الله عليه وسلم ولذا قال:

لو كان موسى بن عمران حياً ما وسعه الا اتباعى[1]۔

وأنا اكرم الاولين والاخرين عند الله ولا فخر۔

وأنا سيد ولد آدم ولا فخر۔

وآدم ومن دونه تحت لوائى[2]۔

وقد يطلق "الكريم" على الله تعالى الحكيم الورع والذى لا يغلبه غضبه والذى يطيع ربه[3] ولا يعصيه، والحَسَن الخلق، والمالك لنفسه والقانع بما قسم له، والذى لا يحسد[4]، والراضى بقضاء الله تعالى، والمتوكل على الله

---

[1] راجع: مسند الامام احمد ٣/٣٨٧ ومدارج النبوة ١/١٢٠ والمنار المنيف ٢٧ ومجمع الزوائد ١/١٧٤۔

[2] اخرجه الترمذى من حديث عبد الله بن عباس (رض) فى ابواب المناقب ٢/٢٠٢ باب ما جا فى فضل النبى صلى الله عليه وسلم، وانظر شرح الشفا لعلى القارى ١/٧٤۔

[3] سقطت فى الاصل والتكملة من ب۔

[4] فى الاصل بجند، والتصويب من ب۔

ان تمام مخلوقات پر فائق اور محترم ہیں۔ ان سب چیزوں میں کوئی بھی فرد ان سے بلند مرتبہ کا مالک نہیں۔ اس لیے کہ وہ اتباع (پیروی) کے درجے سے بلند ہے بلکہ ان کی پیروی کی جاتی ہے۔ اور اپنے مرتبے میں منفرد ہے۔ بایں طور کہ مخلوق کو فائدہ دیتے ہیں۔ نہ کہ فائدہ لیتے ہیں۔ پیروی کرتے نہیں۔ بلکہ ان کی پیروی کی جاتی ہے۔ جب بھی کوئی ان کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوتا ہے تو اپنے نفس کو وہاں قربان کرتا ہے اور اپنے خیالات و تفکرات کو فنا کر دیتا ہے۔ پھر اپنی ذات کی طرف توجہ اور التفات نہیں کرتا ہے۔ انکی اتباع کے بغیر کوئی اور طمع ہی نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کے سوا کوئی مزہ آتا ہے۔ اس لیے فرمایا۔

اگر موسیٰ علیہ السلام، بن عمران زندہ ہوتے۔ تو ان کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔

اور میں اوّلین و آخرین مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہوں۔ اور اس پر فخر نہیں۔

اور میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور اس پر فخر نہیں۔

آدم (علیہ السلام) اور اسکے سوا میرے جھنڈے کے نیچے ہیں۔

لفظ "کریم" اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جاتا ہے جو حکم ہے۔ اس پر اپنا غضب غالب نہیں آتا۔ وہ (محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) رب کی اطاعت کرتا ہے نافرمانی نہیں کرتا۔ اچھے اخلاق کا مالک ہے۔ اپنے نفس کا مالک ہے۔ تقسیم خداوندی پر قانع ہے۔ حسد نہیں کرتے۔ بقضائے الٰہی پر راضی ہے۔ اللہ پر متوکل ہے اتنا

تعالی، والذی عظمت همته أن یخطر[1] الدنیا بقلبه، والذی تحرز عن رق الکونین وتحقق بعبادة المکون، ومن استوت أحواله عند المنع والإعطاء۔

(والثقلین) ای الانس والجن، أفردهما بالذکر اهتماماً بشأنهما لکونه علیه الصلوٰة والسلام مبعوثاً الیهما (والفریقین) خصهما بالذکر إظهاراً للفضل علی الجن (من عرب ومن عجم) بیان للفریقین، والعرب والعجم جاء بفتحتین و بضم الاول وسکون الثانی، لکن الاول ههنا جار[2] علی الثانی والثانی علی الاول ومن قال الاول محتمل، فقد سها، والنکتة فی الاعادة الإیذان[3] باستقلال سیادته علی کلا الفریقین۔

والقول بأنه تخصیص بعد التعمیم اظهاراً لزیادة فضلهما، لیس علی ما ینبغی، لأنه یلزم[4] تفضیل الثقلین علی الملائکة مطلقاً اذ المتبادر من ذکر الخاص بعد العام أنه امتاز عن سائر افراد العالم بصفات الکمال علی الاطلاق بحیث یعد جنساً آخر، وکذا القول بأنه للرد علی من زعم ان نبوته مختصة بالانس کما ان تخصیص الفریقین للرد علی من زعم ان نبوته مختصه بالعرب وذالك لان هذا القائل لو اثبت کونه صلی الله علیه وسلم مبعوثاً الی الثقلین و الفریقین یکونه صلی الله علیه وسلم الکونین یلزم کونه مبعوثاً الی الملائکة

---

[1] فی الاصل، یحظر، مصحفا۔

[2] کذا فی الاصل وفی ب، جاء۔

[3] کذا فی الاصل وفی ب، الاستیذان۔

[4] وردت فی ب، یستلزم۔

عظیم کہ عظمت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جو دونوں جہانوں کی نرمی سے احتراز فرماتے ہیں۔ اور ہر ممکن عبادت بجالاتے ہیں۔ وہ ذات کہ جن کی حالت دکھ اور سُکھ میں یکساں ہوتی ہے۔ (وَالثَّقَلَيْنِ) یعنی انسان اور جن۔ دونوں کو ایک ساتھ اہتمام شان کے لیے ذکر کیا۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کی طرف تشریف لاتے ہیں۔ (وَالْفَرِيْقَيْنِ) دونوں کو اس لیے ذکر کیا۔ تاکہ انسانوں کی جنوں پر فضیلت کا اظہار ہو جاتے۔ (مِنْ عُرُبٍ وَّمِنْ عَجَمٍ) یہ فریقین کا بیان ہے۔ (عرب اور عجم) عرب وعجم دونوں مفتوح ہیں۔ پہلا حرف مفہوم ہے اور دوسرا ساکن ہے، اس لیے کہ یہاں پہلا حرف دوسرے پر جار ہے۔ اور دوسرا حرف پہلے پر جار ہے۔ اور جس نے یہ کہا کہ پہلے کا احتمال ہے۔ وہ بھول کا شکار ہو گیا۔ دوبارہ (عرب وعجم) کا ذکر کر کے یہ جتلانا مقصود ہے کہ حضرت انسان کی سیادت دونوں میں مستقل ہے۔ اور یہ کہنا عام کے خاص ذکر کرنا اظہار فضیلت کے لیے ہے۔ مصنف کے منشا کے مطابق نہیں۔ اس لیے کہ پھر ثقلین کی فضیلت فرشتوں سے بھی زیادہ ہو گی۔ جبکہ عام کے بعد خاص کے ذکر سے فوری طور پر یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ تمام افراد عالم سے مطلقاً ممتاز اور منفرد ہے۔

اور اسی طرح یہ کہنا کہ اس گمان اور خیال کو رد کرنے کے لیے دوبارہ ذکر کیا۔ کہ نبوت انسان کے ساتھ مختص ہے۔ اسی طرح انس وجن کی تخصیص سے یہ خیال بھی رد ہے۔ کہ نبوت عربوں کے ساتھ مختص ہے۔ اور یہ اس لیے کہ اگر قائل یہ ثابت کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ثقلین اور فریقین کی طرف مبعوث ہیں۔ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ملائکہ کی طرف بھی مبعوث ہیں

ايضاً بل الى كل ما فى الكون الأول وإلا فلا يحصل الرد فتدبر! وكذا[1] القول

بأنه لما ذكر سيادته أورد شهداء كثيرة إجمالاً وتفصيلاً لأن كثرتهم

أدل على صدق الدعوى، باطل وبطلانه غنى عن البيان.

ولما ذكر ان له سيادة تامة ورياسة كاملة على اهل الاولى والعقبى

أشار إلى وجه الأولى بقوله:

٣٥

نَبِيُّنَا الآمِرُ النَّاهِى فَلَا أَحَدٌ
أَبَرَّ فى قَوْلِ لَا مِنْهُ وَلَا نَعَمِ

(نَبِيُّنَا)[2] فعيل من النبوة وهى الرفعة أو من النبا وهو الخبر، والنبى انسان

بعثه الله تعالى إلى الخلق لتبليغ الاحكام وبينه وبين الرسول مساواة عند

بعض، لكن يخالف ما روى عنه عليه الصلاة والسلام أنه سئل عن الانبياء

فقال: "مئة ألف واربعة وعشرون ألفاً"، فقيل: فكم الرسل منهم؟

فقال: ثلاث مئة وثلاثة عشر[3]

وقيل: الرسول إنسان بعثه الله لتبليغ ما أوحى إليه فإن كان صاحب

كتاب أو ناسخ شريعة سابقة فهو نبى، وعلى هذا يكون النبى اخص، وهذا

---

[1] فى الاصل: لذا، والتصويب من ب.

[2] الاصل "نبيا" وهو تحريف.

[3] اخرجه صاحب الحلية فى حديث طويل فى ترجمة ابى ذر رضى الله عنه: ١/١٦٧ وانظر ايضاً

مسند احمد: ١/١٩٠ باب عدد الانبياء والمرسلين بلفظ "ثلاث مئة وخمسة عشر".

بلکہ ہر اس چیز کی طرف جو کون اوّل کے زمرے میں آتی ہے۔ بصورت دیگر اس کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ غور فرمائیں۔

اور اسی طرح یہ بات کہ جس ان کی سیادت کا ذکر فرمایا۔ تو اس پر اجمالاً اور تفصیلاً بہت سے گواہ لاتے۔ اس لیے کہ گواہوں کی کثرت دعویٰ کی سچائی پر دلیل ہے۔ یہ باطل ہے۔ اور اس کا باطل وضاحت کا محتاج نہیں۔

اور جب یہ بیان ہو چکا۔ کہ ان کی سیادت و سرداری مکمل اور حکومت کامل دنیا و آخرت پر ہے۔ پہلی وجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوتے فرمایا۔

۳۵

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم دینے والے اور روکنے والے ہیں کوئی ایک بھی آپ سے زیادہ سچا نہیں بات میں وہ بات نفی میں ہو یا اثبات میں۔

(نَبِیُّنَا) نبوت سے فعیل کے وزن پر ہے۔ اس کا معنی بلندی ہے۔ یا یہ لفظ نبأٌ سے بنا ہے۔ جو خبر کو کہتے ہیں۔ اور نبی ایک انسان ہوتا ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف احکام الٰہیہ کی تبلیغ کیلئے مبعوث فرماتا ہے۔ بعض کے نزدیک رسول اور اس کے درمیان مساوات (برابری) ہے۔ لیکن نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت اس کے مخالف ہے۔ جب آپ سے انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار (۱۲۴۰۰۰) ہیں۔ پھر عرض کیا گیا۔ ان میں رسول کتنے ہیں۔ فرمایا تین سو تیئس (۳۲۳)۔ بعض علماء نے فرمایا۔ کہ رسول انسان ہوتا ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ وحی کی تبلیغ کیلئے مبعوث فرمایا ہے۔ اگر وہ صاحب کتاب ہو۔ یا سابقہ شریعت کا ناسخ ہو۔ تو نبی ہے۔ اس

تعریف سے نبی خاص ہو گا۔

اوراس کے خلاف بھی کہا گیا۔ اللہ تعالےٰ کے اس فرمان سے دلیل لیتے ہوئے کہ

بعض نے کہا۔ کہ رسول نئی شریعت کا مالک ہوتا ہے۔ اور نبی عام ہے اس سلسلے میں قاضی اپنی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد جو اسماعیل علیہ السلام کے بارے ہے ذکر کیا۔

اس آیت سے دلیل اس طرح بھی لی ہے۔ کہ رسول کے لیے نئی شریعت کا ہونا لازم نہیں ہوتا۔ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ان کی شریعت میں گامزن رہی لفظ نبینا رفع خبر سے پڑھ سکتے ہیں جس طرح کہ پہلے ذکر ہو چکا۔ یہ بھی ممکن ہے۔ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہو۔ ممکن ہے کہ یہ مبتدا ہو۔ اور اسکی خبر۔ (الآمر الناھی) بعض نے کہا کہ خبر کا معرف بلام ہونا حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ حالانکہ یہ اس طرح نہیں۔ جس طرح ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ سب انبیاء کرام علیہم السلام اس طرح تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

(۳۶)

هُوَ الۡحَبِیۡبُ الَّذِیۡ تُرۡجٰی شَفَاعَتُہٗ
لِکُلِّ هَوۡلٍ مِّنَ الۡاَهۡوَالِ مُقۡتَحِمِ

(هُوَ) ای النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم (اَلۡحَبِیۡبُ الَّذِیۡ) یَکُوۡنَ الۡخَلۡقُ بِأسوته واتباعه، محبین للّٰہ تعالی و محبوبین له تعالی، قال اللّٰہ تعالی: قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ ○ و الذی (تُرۡجٰی) تتوقع (شَفَاعَتُہٗ) للمجرمین من المؤمنین، یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡهِ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیۡهِ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیۡهِ، یدل علی ذلك قوله صلی اللّٰہ علیه وسلم: "لکل نبی دعوة مستجابة، فتعجل کل نبی دعوته، و أنی اختبأت دعوتی شفاعة لأمتی یوم

---

(۳۶) وہ حبیب پیارا جس کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے ہر آنے والی ہولناکی اور مصیبت کے وقت۔

(وہ، آپ) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (حبیب پیارا جس کی) اتباع اور نمونہ پر مخلوق ہے، اس حال میں کہ وہ اللہ تعالی سے محبت کرنے والے ہیں اور وہ اس کے پیارے ہیں، اللہ تعالی نے فرمایا: اے محبوب آپ کہہ دو اگر تم اللہ تعالے سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا، اور وہ جس کی (شفاعت کی امید کی جاتی ہے) مومن جرم کرنے والوں کے لئے، اس دن میں جس دن آدمی اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک دلالت کرتا ہے، "ہر نبی کے لئے ایک دعا مستجاب تھی تو انہوں نے اس دعا میں جلدی کی اور میں نے اس دعا کو روک رکھا ہے قیامت کے

القيامة فهی نائلة ان شاء الله تعالی من مات من أمتی لا يشرك بالله شيئا "۔(ل) أجل (كُلِّ هَوْلٍ) وتخويف من "هاله هولا" خوفه تخويفا (مِنَ الْاَهْوَالِ) المتنوعة (مقتحم) صفة "هول" أی مدخول فيه الناس بعنف و شدة أو داخل فيهم كذلك۔

و الحصر المستفاد من التعريف حقيقی، لأن جنس الحبيب الذی يتوقع شفاعته لجميع الاهوال مخصوص به صلى الله عليه وسلم ، وان كان لغيره رتبة الشفاعة فی البعض او جنس الحبيب الذی يتوقع شفاعته الكائنة قبل كل احد لقوله صلى الله عليه وسلم: اَنَا اَوَّلُ شَفِيْعٍ اَوِ الْمَقْبُوْلَةِ قَبْلَ كُلِّ اَحَدٍ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ "اَنَا اَوَّلُ مُشَفَّعٍ"۔

دن اپنی امت کی شفاعت کے لئے ،تو وہ ہر اس آدمی تک پہنچے گی جو میری امت میں سے مر گیا اور اس نے اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہوگا ،ان شاء اللہ تعالی۔

(ہر ہولنا کی) اور ڈرانے ک سبب ،ہول ،ہالہ ہولا ، سے ہے جس کا معنی ڈرانا ہے۔رنگا رنگ (مصائب سے) سخت ہول کی صفت ہے ، معنی ہوا وہ سخت ہولنا کی جس میں لوگ داخل کر دئے جائیں گے یا جس میں لوگ داخل ہوں گے۔

اور حصر جو تعریف سے سمجھا جا رہا ہے وہ حصر حقیقی ہے ، کیونکہ جنسِ حبیب جس کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے تمام خطرناک ڈروں میں وہ خاص کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں ، اگر چہ بعض مواقع میں آپ کے غیر کے لئے بھی شفاعت کا مرتبہ ہے ، یا اس کا معنی یہ ہوگا حبیب جس کی وہ شفاعت متوقع ہے جو سب سے پہلے ہونے والی ہے ، اس کی جنس مراد ہو تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے ، اس لئے کہ آپ کا رشاد مبارک ہے: میں سب سے پہلے سفارش کرنے والا ہوں ، یا پھر اس شفاعت کی بات ہے جو سب سے پہلے مقبول ہے ، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: میں سب سے پہلا ہوں جس کی سفارش قبول کی جائے گی۔

او الذی یرجو و یتوقع شفاعته کل احد لعلو درجته ومرتبته عند الله تعالی و عموم سیادته و ریاسته علی الخلائق لقوله علیه الصلوة والسلام: "اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیامَةِ وَآدَمَ وَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِیْ" والخلق مولعون فی التوسل باخص الخواص عند الملک الذی لہ مجال القول عندہ۔

و یؤید هذه الاحتمالات قوله صلی الله علیه وسلم: "یجمع الله الناس یوم القیامة فیهتمون لذلک، فیقولون: لو استشفعنا علی ربنا حتی

یاوہ جس کی شفاعت کی امید ہر ایک کرتا ہے اس لئے کہ آپ کا مرتبہ ومقام اللہ کے ہاں بلند وبالا ہے اور آپ کی سیادت میں ریاست میں اس قدر عموم ہے، کہ ساری مخلوقات کو پہنچنے والی ہے، اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے:

میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، آدم اور ان کے سوا سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، اور مخلوق بادشاہ کے مقرب کو وسیلہ بنانے کی دلدادہ ہے جس کی بادشاہ کے ہاں کوئی خصوصیت بھی ہے اور وہ بادشاہ کے حضور بات کرنے جراءت بھی رکھتا ہے۔ ۱

اور ان احتمالات کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کرتا ہے "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع فرمائے گا، تو لوگ اس وجہ سے غم واندوہ میں ہوں گے، پھر کہیں گے: کاش ہم اپنے رب کے حضور کوئی سفارشی تلاش کریں جو ہمیں اس غم واندوہ سے راحت عطا کرے، تو وہ سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے

۱ (معنی یہ ہوا کہ نبی کریم اللہ تعالیٰ کے اس قدر خاص بندے ہیں کہ مخلوق آپ کو وسیلہ بنانا بھی چاہتی ہے اور آپ کا وسیلہ مقبول بھی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور بات بھی کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے قبول بھی ضرور فرمائے گا (قاری محمد یاسین قادری شطاری)

يريحنا من مكاننا هذا، فيأتون آدم فيقولون: أنت أبوالخلق، خلقك الله بيده، و نفخ فيك من روحه، و امر الملائكة فسجدوا "لك" اشفع لنا عند ربك حتي يريحنا من مكاننا، فيقول: لست هناكم، فيذكر خطيئته التي اصاب، فيستحي ربه منها، ولكن ايتوا نوحا، اول رسول بعثه الله، فيأتون نوحا، فيقول: لست هناكم، فيذكر خطيئته التي أصاب، فيستحي ربه منها، ولكن ايتوا ابراهيم الذي اتخذه الله خليلا، فيأتون ابراهيم فيقول: لست هناكم، ويذكر خطيئته التي أصاب، فيستحي ربه منها ولكن ايتوا

پاس آئیں گے، عرض کریں گے: آپ مخلوق کے باپ ہو، اللہ تعالی نے آپ کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا، اور آپ میں اپنی روح پھونکی، اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کو سجدہ کریں، آپ ہمارے لئے اپنے رب کے حضور سفارش کیجئے! حتی کہ وہ ہمیں اس تکلیف سے نجات دیدے، تو آپ فرمائیں گے، یہ کام میرا نہیں ہے، اور اپنی لغزش کا اظہار فرمائیں گے، جو آپ سے واقع ہوئی، اس کی وجہ سے اپنے رب سے حیا فرمائیں گے۔ اور فرمائیں گے کہ تم نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس جاؤ! وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالی نے مبعوث فرمایا، تو وہ نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس حاضر ہوں گے، تو آپ فرمائیں گے: یہ میرا کام نہیں ہے، پھر وہ اپنی لغزش کا ذکر کریں گے، جو آپ سے ہوئی، اپنے رب سے حیا کریں گے، اور فرمائیں گے لیکن تم سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس جاؤ، کہ اللہ تعالی نے انہیں اپنا خلیل بنایا، تو وہ سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس جائیں گے، تو آپ فرمائیں گے: یہ میرا کام نہیں، یا اس کام کے لئے میں نہیں ہوں، اور اپنی لغزش کو یاد کریں گے، اس کی وجہ سے اللہ تعالی سے حیا فرمائیں گے، اور فرمائیں گے: لیکن تم موسی علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالی نے کلام فرمایا اور انہیں تورات عطا کی، جب ان کے

موسی الذی کلمه الله واعطاه التوراة، فیأتون موسی، فیقول : لست هنا کم، ویذ کر خطیئته التی أصاب، فیستحی ربه منها، و لکن ایتوا عیسی روح الله و کلمته، فیاتون عیسیٰ روح الله و کلمته فیقول : لست هنا کم، ولکن ایتوا محمدا "صلی اللهعلیه وسلم" عبدا قد غفر له ما تقدم من ذنبه و ما تاخر، فیاتوننی، فاستاذن علی ربی فیؤذن لی، فا ذا انا رایته وقعت ساجدا فیدَعُنِیْ ما شاء الله ان یدعنی فیقال یا محمد : ارفع رأسك، قل تسمع، سل تعط، اشفع تشفع۔

فارفع رأسی فأحمد ربی بتحمید یعلمنیه ربی، ثم اشفع فیحد لی

پاس آئیں گے تو وہ بھی فرمائیں گے میں اس کام کو نہیں کر سکتا اور اپنی لغزش کو یاد کریں گے جو آپ سے متعلق ہوئی، اس کی وجہ سے اللہ تعالی سے حیا فرمائیں گے اور فرمائیں گے لیکن تم عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں، تو وہ اللہ کی روح اور اس کے کلمہ عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس آئیں گے، آپ بھی فرمائیں گے یہ کام میرا نہیں ہے مگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ! وہ ایسے بندے ہیں جن کے صدقہ میں اللہ تعالی نے ان کے اگلے پچھلوں کے گناہ بخش دیئے ہیں، تو لوگ میری بارگاہ اقدس میں حاضر ہو جائیں گے، تو میں اللہ تعالی سے اجازت مانگوں گا تو مجھے اجازت دی جائے گی پھر میں اچانک اپنے رب کو دیکھوں گا تو فوراً سجدے میں گر جاؤں گا تو اللہ تعالی مجھے جب تک خطاب کرنا نہ چاہے گا مخاطب نہ فرمائے گا، پھر کہا جائے گا یا محمد! اپنا سر اٹھاؤ، کہو، تم سے بات سنی جائے گی، مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا، سفارش کرو، تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔

تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا پھر اپنے رب کی ایسی حمد کروں گا جو میرا رب تعالی مجھے سکھائے گا، پھر میں سفارش کروں گا تو اللہ تعالی میرے لئے حد مقرر کر دے گا تو

حدا فاخرجهم من النار وادخلهم الجنة ثم اعود فاقع ساجدا فيدعني ما شاء الله ان يدعني فارفع رأسي فاحمد ربي بتحميد يعلمنيه ربي، ثم اشفع فيحد لي حدا فاخرجهم من النار وادخلهم الجنة۔

هذا وبما ذكرنا ظهران السؤال بان قصر الصفة على الموصوف يقتضي ان غيره ليس بحبيب، والجواب بان جعل محبة غيره في جنب محبته ليس بشيء، اذ المقصود هو مجموع الموصوف والصفة لاالموصوف وحده فتأمل! ولما بين انه صلى الله عليه وسلم أفضل الأولين و الآخرين وسيد ما في الكونين من العالمين، ناسب أن يشير الى ان دينه الذي قال

میں انہیں جہنم سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کروں گا، میں پھر رب کریم کی طرف لوٹ کر متوجہ ہوں گا تو سجدے میں گر جاؤں گا، تو جب تک اللہ تعالیٰ خطاب نہ کرنا چاہے گا مخاطب نہ فرمائے گا، پھر میں اپنا سر اٹھاؤں گا تو اپنے رب کی ایسی حمد کروں گا جو میرا رب مجھے تعلیم فرمائے گا، پھر میں سفارش کروں گا تو میرے لئے حد مقرر کر دی جائے گی، تو میں لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔

یہ اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس سے ظاہر ہو گیا کہ سوال یہ ہے کہ صفت موصوف تک ہی محدود ہوتی ہے اور اس بات کا تقاضا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر حبیب نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ساتھ کسی اور کی محبت کو رکھنا یہ کوئی شے نہیں، اس لئے مقصود صفت و موصوف کا جمع ہونا ہے نہ کہ صرف موصوف، غور و فکر کر! اور جب علامہ بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات بیان کر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب پہلوں پچھلوں سے افضل ہیں، عالمین میں جو کچھ بھی کونین میں ہے اس کے آپ سردار ہیں، تو انہوں نے یہ مناسب جانا کہ اشارہ کر دیں اس طرف کہ آپ کا دین وہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الله تعالى فيه : اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الاِسْلَامُ ○ وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ○ وَ هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ○ افضل من سائر الاديان، فقال مستأنفا، و يحتمل العطف على الصلة بحذف العاطف، و هو جائز في الشعر، و يحتمل أن يكون صلة بعد صلة بلاعاطف بينهما كما في الأخبار والصفات والقصر باعتبار المفعول أو أنه هو الداعي حقيقة۔

(۳۷)

دَعَا اِلَى اللهِ فَالْمُسْتَمْسِكُوْنَ بِهٖ
مُسْتَمْسِكُوْنَ بِحَبْلٍ غَيْرِ مُنْفَصِمِ

بے شک اللہ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہے☆اور جو کوئی اسلام کے علاوہ دین چاہے گا، اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا☆اور وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے!☆ یہ دین سارے دینوں سے افضل ترین ہے، تو علامہ بوصیری نے نئے سرے سے فرمایا، اور اس کا صلہ پر عطف ہو اس کا بھی احتمال ہے اور عاطف محذوف ہے، اور یہ حذف عطف شعر میں جائز ہے، اور یہ احتمال بھی ہے دوسرا صلہ بغیر عطف کے صلہ کے بعد ہو جیسا کہ خبروں اور صفتوں کے درمیان ہوتا رہتا ہے۔ اور قصر مفعول کے اعتبار سے ہے یا اس اعتبار سے کہ حقیقت میں داعی آپ ہی ہیں۔

۳۷) آپ نے مخلوقِ خدا کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تو آپ سے جو کوئی وابستہ ہو گیا وہ حقیقت میں ایسی رسی سے وابستہ ہوا جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں ہے۔

(دعا) النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل واحد من الانس والجآن،
حذف للتعمیم کقولہ تعالی: وَاللّٰہُ یَدۡعُوۡٓا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ (الی) الایمان ب
(اللہ) وامتثال أوامرہ و اجتناب نواھیہ، اختارہ من بین الأسماء لان ھذا
الاسم اعظم الاسماء، لانہ ادل علی الذات الجامعۃ للصفات الالٰھیۃ کلھا
بحیث لا یشذَ منھا شیء، وسائر الاسماء لا یدل أحادھا الا علی أحاد المعانی
من علم و قدرۃ و غیرھما ولانہ اخص الاسماء، اذ لا یطلقہ احد علی غیرہ
لا حقیقۃ ولا مجازًا۔

(فالمستمسکون) فالذین تمسکوا و اعتصموا (بہ) أی بالایمان

لج پال پریت نوں توڑ دے نیں   جدی باں پھڑ دے اونہوں چھوڑ دے نیں

(دعوت دی، بلایا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان و جنات میں سے ہر ایک کو، اسے عموم کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''اور اللہ تعالی دار السلام کی طرف بلاتا ہے،، اللہ تعالی پر ایمان لانے کی طرف اور اس کے احکام پر عمل اور اس کی منع کردہ باتوں سے پرہیز کی طرف، علامہ بوصیری رحمہ اللہ تعالی نے اللہ تعالی کے ناموں میں سے اس نام کو اختیار کیا اس لئے کہ یہ اسم، اسمِ اعظم ہے، کیونکہ اس کی اس ذات پر دیگر ناموں سے زیادہ راہنمائی ہے، جو ذات تمام صفاتِ الٰہیہ کی جامع ہے، اس طرح کہ ان میں سے کچھ بھی کم نہیں ہے، اور باقی اسماء میں سے ہر ایک، ایک معنی پر ہی دلالت کرتا ہے، وہ معنی جیسے علم، قدرت، وغیرہ اور اس لئے بھی کہ یہ نام تمام ناموں سے خاص ہے، کیونکہ اس کا اطلاق اس کے سوا کسی ایک پر نہیں ہوتا نہ حقیقۃ اور نہ مجازا۔

(تو آپ کے دامن سے وابستگی کرنے والے) یعنی وہ لوگ جنہوں نے مضبوط تھام لیا اور قوت سے پکڑ لیا اللہ تعالی پر ایمان لا کر یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر

بالله او بالنبی صلی الله علیه وسلم إطاعته فیما جاء به، و الاقتداء به فی هد یه أو بدعا ئه الی الله تعالی (مستمسکون بحبل) بدین، کقوله تعالی: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ (غیر منفصم) ذلك الحبل، بالفاء أی غیر منقطع بل باق الی قیام الساعة بخلاف سا ئر الادیان۔

و یجوزان یرا د با لحبل القر آن لقوله صلی الله علیه و آله وسلم: "القر آن حبل الله المتین، لا ینقضی عجائبه، و لا یخلق عن کثرة الرد، من قا ل به صد ق، و من عمل به رشد، و من اعتصم به فقد هدی الی صراط مستقیم" و المرا د بکون القر آن غیر منفصم، انه یبقی معمولا إلی یوم

ایمان لاکرآپ کی اطاعت کے ساتھ، ان احکام میں جوآپ اللہ تعالی کی طرف سے لے کر آئے، اورآپ کی اقتداء کر کے آپ کی ہدایت یا آپ کی اللہ تعالی کی طرف دعوت میں، (ایسی رسی کو مضبوط تھامنے والے ہیں) رسی سے مراد دین ہے، جیسے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: اور مضبوطی سے اللہ تعالی کی رسی کو تھام لو وہ رسی (ٹوٹنے والی نہیں) منفصم فاء کے ساتھ ہے، جس کا معنی ہے نہ ٹوٹنے والی بلکہ قیامت کے قائم ہونے تک باقی رہنے والی، بخلاف باقی دینوں کے، کہ وہ مٹ جائیں گے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین باقی رہے گا۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ رسی سے مراد قرآن ہو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے، اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے، اور نہ زیادہ پڑھنے سے اس کی تلاوت میں بوسیدگی آئے گی، جس نے اس کے ساتھ بات کی اس نے سچ کہا، اور جس نے اس پر عمل کیا وہ ہدایت پا گیا اور جس نے اس سے مضبوط تعلق قائم کیا اسے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دی گئی، اور قرآن کے غیر منفصم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس پر حشر نشر کے دن تک عمل ہوتا رہے گا، یا یہ کہ وہ

النشور او انه هاد فی الاولی و شفیع فی العقبی لقوله صلی اللّٰہ علیه وسلم :
" ان القرآن یاتی یوم القیامة شفیعا لأصحابه، مامن شفیع افضل منزلة عند الله تعالی یوم القیامة من القرآن، لا نبی ولا ملك ولا غیر"۔

و ناهیك حجة علی افضلیة هذا الدین، انه عم الانس و الجان، و نسخ جمیع الشرائع و الادیان، و بقی الی یوم النشور و المیزان۔

ثم انه بعد ما أثبت سیادته علی الاطلاق اراد ان یفصل بعض التفصیل و یبین تفوقه علی الانبیاء فیما هو امهات الصفات ومنبع محاسن الاخلاق من الخلق الذی ورد فیه : " اثقل ما یوزون فی المیزان خلق حسن" "وافضل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقاً" وقیل ما الدین؟ فقال

دنیا میں ہادی ہے اور آخرت میں سفارشی ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: بے شک قرآن قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لئے سفارشی بن کر آئے گا، مرتبہ ومقام کے اعتبار سے کوئی سفارشی قرآن سے افضل نہیں ہوگا، نہ نبی اور نہ فرشتہ اور نہ کوئی اور۔

اور تجھے اس کا کافی ہونا دین کے افضل ہونے کی دلیل وحجت ہے، کہ یہ جن وانس سب کو عام ہے، اور اس نے تمام شریعتیں اور دین منسوخ کردئے ہیں، اور خود یہ دین وقرآن حشر نشر اور قیامت کے دن تک باقی رہے گا۔

پھر علامہ بوصیری رحمہ اللہ تعالی نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی سیادت کو مطلق ثابت کرنے کے بعد ارادہ کیا ہے کہ کچھ تفصیل بیان کردیں اور آپ کا تمام انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام پر فوقیت رکھنا بیان کریں، کیونکہ آپ صفات کی اصل ہیں، اور محاسن اخلاق کا منبع ہیں، اس خلق سے جس کے بارے میں حدیث وارد ہے: "میزان میں جو چیز سب سے زیادہ وزنی ہوگی وہ حسنِ خلق ہے،" "اور مومنوں میں

عليه الصلوۃوالسلام: حسن الخلق۔

والعلم الذی ورد فیه : یرفع الله الذین آمنوا منكم و الذین واوتوالعلم درجات فی الدنیا من العزة و الهیبة و الكرامة و المحبة و الشریعة و الوقار و الثناء، و فی الآخرة من العطاء و البهاء و الرضاء و اللقاء و الاجر الكثیر و الرحمة و الشفاعة و تضعیف الحسنات، قال علیه الصلاۃ و السلام: ”فضل العالم علی العابد كفضل القمر لیلة البدر علی سائر الكواكب، وعبادة العالم یوما واحدا تعدل عبادة العابد اربعین سنة۔

والكرم الذی ورد فیه : ”السخاء شجرة تنبت فی الجنة، فلا یلج الجنة الا سخی“۔ ”السخی الجهول احب الی الله تعالی من العابد البخیل“۔

افضل ترین ایمان والا وہ ہے جو احسن ترین اخلاق والا ہے،، اور عرض کیا گیا دین کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسنِ خلق۔

اور وہ علم جس کے بارے میں آیت وارد ہوئی ہے: ”اللہ تعالی تم میں سے ان لوگوں کے درجات کو بلند فرماتا ہے، جو ایمان لائے اور انہیں علم دیا گیا، دنیا میں عزت، ہیبت، کرامت، محبت، شریعت، وقار، اور ثناء سے، اور آخرت میں عطا، بہاء، رضا، ملاقات، اجر کثیر، رحمت، شفاعت اور نیکیاں دوگنی کر کے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: عالم کی فضیلت عبادت گذار پر ایسے ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت ہے، باقی ستاروں پر، اور عالم کی ایک دن کی عبادت بے علم عابد کی چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے۔

اور وہ کرم جس کے بارے حدیث وارد ہوئی ہے: کہ ”سخاوت ایک درخت ہے جو جنت میں اگتا ہے، لہٰذا جنت میں سخی کے سوا کوئی نہ جائے گا،، ”سخی جاہل اللہ تعالی کو کنجوس عبادت کرنے والے سے زیادہ پسندیدہ ہے، اور اگلی بات علامہ نے نئے

فقال مستانفا، و يحتمل العطف على الصلة بحذف العاطف۔

(۳۸)

فَاقَ النَّبِيّٖنَ فِيْ خَلْقٍ وَفِيْ خُلُقٍ
وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمٖ

(فاق) علا (النبيين) كل واحد منهم (فى خلق) كنصر، الصورة الظاهرة، ويدل عليه قوله صلى الله عليه وسلم: "انا املح"

ذكر فى "شواهد النبوة": ان حسنه صلى اللہعليه وسلم و جماله و تناسب اعضائه الشريفة و الطاقة جسمه اللطيف و طيب رائحته وعرقه و نزاهة بدنه المبارك كان على وجه لا يتصور عليه مزيد كما بين فى الاحاديث الصحيحة، قال انس رضى الله تعالى عنه: ما شممت عنبرًا و لا

سرے سے کی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ صلہ پر عطف ہو اور عاطف محذوف ہو۔

(فائق ہوئے) بلندی والے ہوئے (انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام میں سے) ہر ایک پر (خلقت میں) ظاہری شکل وصورت، کمالاتِ ظاہری، حسنِ صورت وحسنِ سیرت اور اس معنی کے مراد لینے پر نبی کریم کا اپنا ارشاد مبارک راہنمائی کرتا ہے۔: "میں حسنِ نمکین والا ہوں"۔

"شواہد النبوۃ" میں مذکور ہے: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن وجمال، اور اعضاءِ شریفہ کا تناسب اور طاقت، آپ کا جسمِ لطیف، آپ کی خوشبو اور پسینہ کی مہک، آپ کے بدنِ مبارک کی نزہت اس انداز پر تھی کہ ان اوصاف کو اس سے زائد تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بیان کیا گیا ہے، سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: "میں نے کبھی کوئی عنبر یا کوئی کستوری رسول اللہ صلی اللہ علیہ

مسکا اطیب من رائحة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

(وَ) فاقهم (فی خلقٍ) کعنق، السیرة الباطنة، یدل علیه قوله تعالیٰ: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ○ وذکر فیه ایضًا ان اخلاقه صلی اللّٰہ علیه وسلم من العلم والعفو والجود والشجاعة والحیاء وحسن المعاشرة مع الخلق والشفقة والرأفة والرحمة علی جمیع الخلائق والوفاء بعهد وصلة الرحم والتواضع والعدل والامانة والعفة والصدق والوقار والمروة والزهد فی الدنیا والقناعة وغیر ذلک من الاخلاق الحمیدة والاوصاف الشریفة کان فی کمال الاعتدال بحیث لم یتصور علیه مزید۔

وذکر السید علی الهمدانی فی بعض مصنفاته ان امهات

وسلم کی خوشبو سے زیادی پیاری نہیں سونگھی،،

(اور) آپ ان سب پر جیسے حسنِ خلقت میں بلند و بالا ہیں (اسی طرح آپ اخلاقِ عالیہ میں) بھی ان پر فوقیت رکھتے ہیں، خُلُق کا معنی سیرتِ باطنہ، اس مفہوم پر جو شعر سے سمجھ آرہا ہے آیتِ مبارکہ کی دلالت ہے: اور آپ بلاشک یقیناً عظیم اخلاق والے ہیں ☆ اسی سلسلہ میں نیز مذکور ہے: کہ بلاشک آپ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات یعنی علم، درگزر، معاف کرنا، سخاوت، بہادری، حیاء، مخلوق کے ساتھ حسنِ معاشرت، شفقت، نرم دلی، تمام مخلوق پر مہربانی، اور وفاءِ عہد، صلہ رحمی، عاجزی، تواضع، عدل و انصاف، امانت، پاک دامنی، سچائی، وقار، مروّت، دنیا میں بے رغبتی، قناعت، اور اس کے علاوہ اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ شریفہ کامل طور پر آپ کی ذاتِ اقدس میں تھے کہ ان پر زائد ہونا ان اوصاف کا متصور ہی نہیں ہوسکتا۔

سید علی ہمدانی نے اپنی کسی تصنیف میں ذکر کیا ہے: کہ وہ اوصافِ کمال جو انسانی اخلاق کی خوبیوں میں سے ہیں اور اصلِ کمال ہیں ان میں سے بھی اصل کمال

الاوصاف الكمالية التى هى اصول مكارم الاخلاق الانسانية عشرة، و سائر الصفات الحميدة تنشعب منها و هى: العلم و الحلم و الحياء و السخاوة و التقوى و الشجاعة و العدل و الصبر و الصدق و اليقين و هذه الصفات على الكمال لا توجد فى غير ذات النبى صلى اللّٰه عليه وآله وسلم، و بقدر حصول هذه الحقائق للانبياء و الاولياء والعلماء يحصل لهم بالروح النبوية رابطة معنوية، تكون وسيلة الى قرب الحضرة الصمدية۔

(ولم يدانوه) اى لم يقرب جميع الانبياء النبى فضلًا ان يساووه او يزيدوا عليه (فى علم) من العلوم، كيف و قد قال عليه الصلوة و السلام: "علمت علم الاولين و الآخرين" و لان كمال علمه و عقله و معرفته كان بمثابة لم يوجد فى انسان اصلا بل كان خارجا عن طوق

اوصاف دس ہیں: اور باقی تمام اوصافِ حمیدہ ان سے نکلتے ہیں، اور وہ علم، بردباری، حیاء، سخاوت، تقویٰ، شجاعت، عدل وانصاف، صبر، سچ، اور یقین ہیں، اور یہ صفات کامل طور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی ذاتِ اقدس کے سوا کسی میں نہیں پائے جاتے، انبیاء، اولیاء اور علماء کو ان اوصاف میں جس قدر حاصل ہوں اس سے نبی کریم صلی علیہ وسلم کی روحِ مبارکہ سے رابطہ معنویہ حاصل ہوتا ہے، یہ رابطہ بارگاہِ صمدیت میں......قرب کا وسیلہ بن جاتا ہے۔

(اور وہ آپ کے قریب نہ ہوئے) یعنی تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ان اوصاف میں نہ ہوئے چہ جائے کہ وہ آپ کے برابر ہوتے یا بڑھ جاتے (کسی علم میں) علوم میں سے، اور یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے اولین وآخرین کے علم کو جان لیا"، اور اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم، عقل اور معرفت کا کمال اس حد تک پہنچا ہوا تھا

البشر۔

والدليل عليه انه مع كونه صلى الله عليه وسلم اميا لم يتعلم من احد اصلا، كان اعماله واحواله وشمائله على وجه، لا يفي به علم احد ولا عقله، وكان عالمًا بما في التوراة والانجيل وسائر الكتب المنزلة من غير ان يتعلم من احد او يطالعها او يجالس اهل الكتاب (ولا كرم) كيف وقد قال الله تعالى: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

ثم انه اشار الى ان الانبياء كلهم معترفون بفضله و شرفه عليه، طالبون منه معرفة المعارف و الاسرار، محتاجون اليه احتياج المتعلم (الى المعلم) فقال:

کہ کسی دوسرے انسان میں بالکل نہیں پایا جاسکتا، بلکہ بشری طاقت سے باہر ہے۔

اور اس پر دلیل یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجودیکہ امی تھے، کسی ایک سے بالکل کچھ نہ سیکھا تھا آپ کے اعمال، احوال اور شمائل کا حال یہ تھا کہ ان میں کسی ایک کا علم وعقل پورا نہیں اتر سکتا، آپ اس کے بھی عالم تھے جو کچھ تورات وانجیل میں اور باقی نازل شدہ کتابوں میں تھا، کسی سے سیکھے، بغیر مطالعہ کئے بغیر، اہل کتاب سے بیٹھک کئے بغیر (اور کرم میں) یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ”ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر،،

پھر شاعر علامہ بوصیری رحمہ اللہ تعالی نے اشارہ کیا اس بات کی طرف کہ انبیاء سارے صلوات اللہ علیہم والتسلیمات آپ فضل وشرف کا اعتراف کرنے والے ہیں، آپ سے معارف اسرار کی معرفت کے طلبگار ہیں، آپ کے اس طرح محتاج ہیں جیسے کوئی طالب علم استاذ کا محتاج ہوتا ہے، تو علامہ نے فرمایا:

٣٩

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَسُولِ اللهِ مُلْتَمِسٌ
غَرْفاً مِنَ الْبَحْرِ أَوْ رَشْفاً مِنَ الدِّيَمِ

(وَكُلُّهُمْ) أي الأنبياء عليهم السلام (مِنْ رَسُولِ اللهِ) المقدام عليهم في عالم الارواح لقوله عليه الصلاة والسلام "كنت نبيا وآدم بين الماء والطين"[١] لا من غيره، إذ لا أكمل حالاً منهم غيره عليه السلام، ووضع المظهر موضع المضمر تفخيما للشان، وهو متعلق بقوله (مُلْتَمِسٌ) خبر لكلهم اى كلهم طالب من رسول الله (غَرْفاً) كفاً من الماء.

(مِنَ الْبَحْرِ) وهو معروف، استعير لجهة الولاية التي هي عبارة عن التوجه الى الله استعارة تصريحية، وذكر الغرف ترشيح اى كلهم طالب من ولايته[٢] المحيطة بجواهر المعارف ولالى الاسرار المشار إليها بقوله عليه الصلوة والسلام.

"لى مع الله وقت، لا يسعنى فيه ملك مقرب ولا نبى مرسل"[٣].

معرفة شئ من المعارف والأسرار، وفيه رمز إلى ان علوم جميع الأنبياء بالنسبة الى علمه عليه الصلاة والسلام بمنزلة كف الماء من البحر.

---

[١] انظر: دلائل النبوة لأبي نعيم ١/٥٢ والمستدرك ٢/٦٠٠ وشرح الشفا للعلامة على القاري ١/٦٤ والخصائص الكبرى ١/٣١ ودلائل النبوة للبيهقي ١/٣٨٨ باب الوقت الذى كتب الذى كتب فيه محمد صلى الله عليه وسلم نبياً.

[٢] فى الاصل "ولاية" والصواب ما اثبت.

[٣] انظر: كتاب اللمع: ١٦١ وعوارف المعارف ٢/١٤٧ وجواهر البحار ١/٣٢٩ وقال العلامة على القارى فى الموضوعات الكبرى: ٢٢٩: معناه صحيح ولكن السند لا يعرف ويذكره الصوفية كثيراً.

اور تمام انبیاء کرام آپ کی جناب میں التماس کرنے والے ہیں آپ کے دریائے کرم سے ایک چلو یا آپکی مسلسل برسنے والی باران رحمت سے ایک قطرہ کا

(وَکُلُّهُمْ) یعنی تمام انبیاء کرام علیہم السلام (مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ) عالم ارواح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے مقدم تھے آپ نے خود فرمایا "میں اس وقت بھی نبی تھا جس وقت آدم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر سے نہیں مانگتے۔ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کوئی ایسا نہیں مظہر (رسول اللہ) کو مضمر کی جگہ رکھنا عظمت شان کی وجہ سے ہے۔ من رسول اللہ ملتمس کا متعلق ہے۔ اور ملتمسٌ کُلُّهُمْ کے لیے خبر ہے۔ یعنی سب انبیاء کرام علیہم السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے التماس کرنے والے ہیں۔ (غرفاً) پانی کا چلو۔

(مِنَ الْبَحْرِ) یہ مشہور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مقام و دنبہ اور ولایت و نبوت حاصل ہے۔ اس کو بیان کرنے کے لیے بحر استعارہ تصریحیہ ہے۔ اور غرفا چلو اس لیے ذکر کیا کہ ہر نبی علیہ السلام بحر نبوت و ولایت کے جواہر و معارف کا طلبگار ہے۔ اس لیے کہ آپ نے خود فرمایا۔

"میرے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور وقت ہے۔ جہاں تک کسی مقرب فرشتے اور نبی و رسول کی رسائی نہیں"۔

یہ حدیث معارف و اسرار میں سے ہے اور اس کے اندر یہ اشارہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں گویا

(أو رشفاً) والرشف، المص، والمراد القطرة، وفيه إشارة إلى غاية احتياجهم إليه عليه الصلاة والسلام احتياج الطفل إلى المربي۔

(من الديم) كنعم جمع ديمة كنعمة، وهو المطر الكثير الدرور، واستعيرت لجهة النبوة التي هي متعددة بكثرة الشرائع والاحكام منزلة باعتبار كل شريعة منزلة مطر استعارة تصريحية[1]، وذكر الرشف ترشيح اى كلهم طالب قطرة ماء من نبوته التي كالمطر الكثير الدرور ليكون رياض مللهم وأديانهم مخضرة ذا نضارة۔

وفيه إيماء الى أن ما بلغوه من مشكوٰة نبوة عليه الصلوٰة والسلام الى الامم من الشرائع والأحكام بمنزلة قطرة من قطرات المطر بالنسبة الى هذه الشريعه، وفى التعبير عن جهة الولاية النبوية التى هى الأولى من جهة النبوة لاجهة الولاية فى الولى لأنها وجه إلى الله تعالى ومقصودة بالذات فى جميع الأوضاع والأحوال بالبحر الذى هو جار[2] دائماً۔

وعن جهة النبوة التى هى وجه الى الخلق ومقصودة بالغير فى بعض الأحيان بالأمطار التى تكون فى بعض الأزمان وعن المطلوب من الاولى بالغرف ومن الثانية بالرشف من المناسبات مالا يخفى، ويجوز أن يراد من الاولى الثانية ومن الثانية الأولى۔

---

[1] فى الاصل "تصريحة" وهو خطأ والصواب ما اثبت۔

[2] وعبارة ب: التى هى جارية دائما۔

سمندر کے مقابلے میں ہے۔

(رَشفاً) گھونٹ۔ اس سے مراد قطرہ ہے اور اس میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی بارگاہ مصطفویت شدت احتیاج کو بیان کیا۔ جیسا کہ بچہ کو والدین کی ضرورت ہوتی ہے۔

(مِنَ الدِّیَمِ) نِعَمٍ کی طرح دِیْمَۃ کی جمع ہے۔ نعمہ کی طرح۔ سخت موسلا دھار بارش۔ اس استعارے کو اس لیے ذکر کیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام شریعتوں اور احکام کو جامع ہے۔ اور شریعت کا نزول بارش کے نزول سے استعارہ تصریحیہ ہے اور پھر رشف کو ذکر کیا۔ کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام گویا نبوت کے پانی کے قطروں کے طالب ہیں۔ جس طرح بارش کے قطروں کے طلب گار ہوتے ہیں۔ تاکہ ان اقوام اور ادعیان کے باغ سرسبز و شاداب ہو۔

اور اس کے اندر اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے جگمگاتے ہوئے سورج سے (شریعت) دیگر شریعتوں اور احکام نے بارش کے قطروں کی طرح فیض لیا۔ اور نبوی ولایت کی تعبیر صرف نبوت سے اولیٰ ہے۔ اس لیے نبوی ولایت صرف اور صرف ذات الٰہی کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور تمام حالات میں اللہ تعالیٰ ہی مقصود بالذات ہوتا ہے۔ گویا ایسا سمندر ہے، جو ہر وقت جاری رہتا ہے۔

اور اس جہت نبوت سے جو مخلوق کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات میں غیر مقصودی ہوتی ہے۔ اس بارش کی طرح ہے جو بعض اوقات میں برستی ہے۔ اوّل سے غرف چلو، اور دوسری سے رشف قطرہ یا گھونٹ مراد ہے۔ یہ مناسب آپ پر مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔ اور یہ ممکن ہے کہ اس کے برعکس مراد ہو۔

"وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا"[1] فتدبر!

ثم[2] عطف قوله "ملتمس" بياناً لغاية أدبهم معه عليه الصلاة والسلام عند حضورهم عنده[3] ولذا روعى فى المعطوف جانب المعنى تقريراً للسابق۔

٤٠

وَوَاقِفُونَ لَدَيْهِ عِنْدَ حَدِّهِمِ
مِنْ نُقْطَةِ الْعِلْمِ أَوْ مِنْ شَكْلَةِ الْحِكَمِ

(وَوَاقِفُونَ) من الوقوف (لَدَيْهِ) أى النبى صلى الله عليه وسلم (عِنْدَ حَدِّهِمِ) المعين الذى لا يجاوزونه أصلاً ملتمسين (مِنْ نُقْطَةِ الْعِلْمِ) اى من النقطة التى هى علمه عليه الصلاة والسلام تحصيل الحقائق والمعارف الالهية، ولما كان النقطه سبب التميز[4] بين الحروف، ناسب أن يعبر بها عن العلم الذى هو سبب[5] التمييز بين الرجال، (أو) لمنع الخلو، ملتمسين۔

(مِنْ شَكْلَةِ الْحِكَمِ)[6] اى من الشكلة التى هى حكمة وشرائعه طرق إمضاء الاوامر والنواهى، ولما كانت الشكلة التى هى كتبة الحركات والنقطة مبينة للمقصود ناسب ان يعبر بها عن الشرائع[7] التى تبين ماينفع فى الدارين ومايضر۔

ثم فرع على ما ذكر من كونه عليه الصلاة والسلام افضل الخلق فى الصورة والسيرة قوله۔

---

[1] سورة البقرة، الآية ١٤٨؛ [2] وعبارة ب: عطف قوله ملتمس [3] فى الاصل، عنه والتصريب من ب۔

[4] كذا فى الاصل وفى "ب" التمييز [5] قد وردت فى الاصل كلمة: سبب، بالتكرار

[6] فى الاصل "شكله" وهو تحريف [7] كذا فى الاصل وفى ب، الشريعة۔

"اور ہر ایک کے لیے توجہ کی ایک سمت ہے کہ وہ اسی طرف پھرتا ہے"۔ غور فرمائیں۔
پھر "ملتمس" کا عطف بیانیہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی وجہ سے۔
پھر معطوف میں معنی کی رعایت کرتے ہوئے اپنی سابقہ بات کو پختہ کیا۔

۴۰

تمام انبیاء کرام علیہم السلام دربار رسالت میں نقطہ علم کی صورت یا اعراب حکمت کے مطابق اپنے حدود و منصب پر براجمان ہیں۔

(وَوَاقِفُوْنَ) وقوف کھڑا ہونا۔ (لَدَیْہِ) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (عِنْدَ حَدِّھِمْ) وہ مقررہ حد جس سے مانگنے والے تجاوز نہیں کر سکتے۔ (مِنْ نُقْطَۃِ الْعِلْمِ) یعنی وہ نقطہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شریف ہے۔ جو کہ حقائق اور معارف الٰہیہ کا حصول ہے۔ اور یہ نقطہ دیگر حروف کے اندر تمیز کا سبب ہے۔ "اَوْ" منع الخلو کے لیے ہے یعنی سوال کرتے ہوئے۔

(مِنْ شَکْلَۃِ الْحِکَمِ) وہ اعراب جو حکمت اور شریعت ہیں۔ یعنی اوامر اور نواہی ہیں اور جب شکلہ سے اعراب مراد ہیں۔ اور نقاط مقصود کو واضح کرتا ہے، مناسب ہی معلوم ہوتا ہے کہ شکلہ سے شریعت مراد لیں۔ وہ شریعت مطہرہ جن سے نافع اور خود دینے والے امور معلوم ہوں۔

پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیرت و صورت کے لحاظ سے افضل ہونے کا ذکر فرمایا:۔

۞

٤١

فَهُوَ الَّذِی تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُورَتُهُ
ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِیباً بَارِئُ النَّسَمِ

(فَهُوَ) النبی صلی اللہ علیہ وسلم (الَّذِی تَمَّ) کمل (مَعْنَاهُ) کمالاته المعنوية (وَصُورَتُهُ) الظاهرة ای الذی کمل کمالاته الظاهرة والباطنة منحصر فیه صلی اللہ علیه وسلم (ثُمَّ) للاستبعاد بین المضمونین (اصْطَفَاهُ) اختاره، عطف علی "تم" (حَبِیباً) مفعول ثان بتضمین معنی الجعل أی اختاره جاعلاً له حبیباً، ماخوذ من قوله علیه الصلاة والسلام۔

"ألا أنا حبیب الله ولا فخر"[1]

(بَارِئُ النَّسَمِ) موجد الخلق، والله تعالیٰ خالق من حیث أنه[2] مقدر، وباری من حیث أنه مخترع موجد، ومصور من حیث أنه مرتب صُوَرَ المخترعات والنسم جمع نسمة کحسنة بمعنی النفس بتحریک العین أو الانسان اوذی الروح۔

٤٢

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِیکٍ فِی مَحَاسِنِهِ
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِیهِ غَیْرُ مُنْقَسِمِ

(مُنَزَّهٌ) خبر بعد خبر لقوله فهو ای مبعد (عَنْ شَرِیکٍ فِی مَحَاسِنِهِ) کمالاته المعنوية والصورية، جمع حسن علی خلاف القیاس (فَجَوْهَرُ) حقیقة (الحسن)

---

[1] اخرجه الترمذی من حدیث ابن عباس فی أبواب المناقب ٢٠٢/٢ باب ماجاء فی فضل النبی صلی الله علیه وسلم والدارمی، ١٦، باب ما اعطی النبی (ص) من الفضل وشرح الشفا ٤٤٧/١۔

[2] کذا فی الاصل وفی ب: هو۔

۴۱

آپ کی ذات مقدسہ ظاہری اور باطنی کمالات میں مکمل ہے۔اور جن کو
خالق ارواح نے محبوب بنایا۔

(فَهُوَ) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔(الَّذِیْ تَمَّ) جو مکمّل و کامل و اکمل ہو۔(مَعْنَاهُ) معنوی کمالات۔(وَصُوْرَتُهُ) وہ ظاہری صورت مبارکہ جس کے اندر ظاہری اور باطنی کمالات جمع ہیں۔صلی اللہ علیہ وسلم۔(ثُمَّ) یہ بعد (دوری) کیلئے ہے۔دو مضمونوں کے اندر (اصْطَفَاهُ) ان کو چن لیا۔یہ ثم پر عطف پر

(حَبِیْبًا) مفعول ثانی ہے۔اس لیے کہ اس کے اندر جعل (بنانے) کا معنیٰ ہے۔
یعنی آپ کو چن کر اور بنا کر حبیب منتخب فرمایا۔اور یہ لفظ حدیث پاک سے ماخوذ ہے۔
"خبردار میں اللہ کا حبیب ہوں اور میں یہ فخریہ نہیں کہتا۔"

(بَارِئُ النَّسَمِ) مخلوق کو بنانے والے۔اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے خالق ہے۔کہ وہ پیدا کرنے والا ہے اور ایجاد کرنے والا ہے۔اور اس حیثیت سے مصور ہے۔کہ نئی چیزوں کی صورتیں بنایا ہے۔اور لفظ نسم نسمۃ کی جمع ہے۔حسنۃ کی طرح۔یا تو عین کی حرکت سے اس کا معنیٰ نفس ہے۔یا انسان اور یا ذی روح (جاندار) ہے۔

۴۲

آپ کی ذات مبارکہ اپنے اوصاف جلیلہ میں ہر شرکت سے منزہ ہے اور
جوہر حسن آپ کے سوا کسی میں بھی نہیں۔

(مُنَزَّهٌ) شاعر کے قول ہو۔خبر کے بعد خبر ہے۔یعنی دور ہیں۔(عَنْ شَرِیْكٍ فِیْ مَحَاسِنِهٖ) آپ کے ظاہری اور باطنی کمالات۔محاسن کا لفظ حسن کا خلاف قیاس جمع ہے۔(فَجَوْهَرُ

الكائن (فِيْهِ) صلى الله عليه وسلم (غَيْرُ مُنْقَسِمِ) إذ لم يصل أحد من الخلائق الى حد خلقه فمن توهم أنه[1] مضمون خيالى فقد غفل، وكذا من قال: ان فيه شائبة ادعاء الالهية ولذا اردفه "بدع" فتدبر!

ولما ذكر نبذا من أوصافه عليه الصلاة والسلام التى لا توجد فى الانبياء فضلاً عن غيرهم، خاف أن يفرط المخاطب ويقع فى الغلط كما غلط النصارى فقال:

٤٣

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارَى فِى نَبِيِّهِمِ
وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحاً فِيْهِ وَاحْتَكِمِ

(دَعْ) اى اترك وهو مأخوذ من قوله عليه الصلوٰة والسلام: لا تطرونى كما أطرت النصارى عيسى ابن مريم، إنما انا عبد الله، فقولوا عبد الله و رسوله[2] (مَا) الذى (ادَّعَتْهُ النَّصَارَى) جمع نصران كسكران و سكارى، وهم[3] قوم عيسى عليه الصلاة والسلام، سموا أنفسهم بذلك لادعائهم أنهم ناصروه (فِى) شان (نَبِيِّهِمِ) من ظنهم اتحاد اللاهوت بالناسوت أو الحلول فيه اى فى عيسى عليه السلام.

قال الامام الغزالى حجة الاسلام: أن القول بالاتحاد باطل، لان قول

---

[1] كذا فى الاصل وفى ب: إنه.

[2] أخرجه الترمذى من حديث عمر بن الخطاب فى الشمائل: ٣٢ باب ما جاء فى تواضع رسول الله صلى الله عليه وسلم والدارمى: ٥، ٣٢ باب قول النبى صلى الله عليه وسلم: لا تطرونى، وشرح الشفا للعلى القارى ١/٢٨٩

[3] كذا فى الاصل وفى ب: هو.

حقیقت۔ (الحسن) موجود (فیہ) صلی اللہ علیہ وسلم۔ (غیر منقسم) اس لیے کہ مخلوق میں کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و صورت تک نہیں پہنچ سکتا۔ جس نے یہ سمجھا کہ یہ محض خیالی مضمون ہے اور غافل ہے۔ اور اس لیے کسی نے کہا کہ اس میں الوہیت کے دعویٰ کا شائبہ ہے۔ اس لیے شاعر نے سفر کا آغاز (دَعْ) چھوڑ۔ سے کیا۔ غور فرمائیں۔

اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اوصاف جمیلہ کا بیان ہوا جو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام میں نہیں پائی جاتیں۔ شاعر نے گمان کیا کہ کہیں عیسائیوں کی طرح مخاطب افراط میں نہ پڑ جائے۔

۴۳

عیسائیوں والی تعریف (ابن اللہ ہونا) چھوڑ! اس کے سو حکم لگا کر اور فیصلہ کر کے جو نعت کہیں۔ آپ کہہ ڈالیں۔

(دَعْ) چھوڑ دیں۔ اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک سے لیا گیا ہے۔ مجھے اس طرح (حد سے) نہ بڑھاؤ جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو حد سے بڑھایا۔ بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہو۔

(ما) وہ۔ (ادعتہ النصاریٰ) نصران کی جمع ہے۔ سکران اور سکاریٰ کی طرح اور یہ عیسیٰ علیہ السلام کی قوم ہے۔ انہوں نے خود کو اس لیے نصاریٰ کہا کہ بزعم خویش وہ عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار تھے (فی) شان۔ (نبیھم) ان کا گمان تھا کہ لاہوت اور ناسوت یکجا ہو گئے۔ یا دونوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اندر حلول کر چکے ہیں۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لاہوت و ناسوت کے متحد

القائل ان العبد صار هو الرب، كلام متناقض فى نفسه، يجب أن ينزه الرب عن أن يجرى اللسان فى حقه بأمثال هذا المحال[1].

ونقول قولاً مطلقاً ان قول القائل، ان شيئاً صار شيئاً آخر، محال على الاطلاق لانا نقول.

اذا عقل زيد وحده وعمرو وحده[2].

ثم قيل،

ان زيداً صار عمرواً،

واتحد به، فلا يخلو عند الاتحاد إما ان يكون كلاهما موجودين او معدومين أو أحدهما موجوداً والآخر معدوماً ولا يمكن قسم وراء هذه الاربع.

فان كان موجودين لم يصر أحدهما عين الآخر بل عين كل واحد منهما موجود وإنما يتحد مكانهما، وذلك لا يوجب الاتحاد.

فان العلم والارادة والقدرة قد يجتمع فى ذات واحدة ولا يتباين محالها[3].

فلا يكون القدرة هى العلم.

وإن كانا معدومين فما اتحدا بل عدما، ولعل الحادث شئى ثالث.

وان كان احدهما موجوداً والآخر معدوماً فلا اتحاد، اذ لا يتحد موجود

---

[1] انظر: المرشد الامين للامام الغزالى: ٢٣

[2] وفى الاصل فى الموضعين: جده، والصواب ما اثبت.

[3] وردت فى ب: محالها.

ہونے قول باطل ہے۔ اس لیے کہ بندہ یہ کہتا ہے کہ بندہ رب بن گیا۔ یہ کلام فی نفسہٖ متناقص ہے۔ کیونکہ اس محال کے ممکن ہو جانے کی صورت میں لازم آئے گا کہ کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے منزہ اور اعلیٰ ہے۔ اس کے حق میں بات کی جاتے۔ ہم مطلق بات کہتے ہیں۔ اس لیے کہ کہنے والا کی اس بات سے ایک چیز دوسری بن گئی۔ اور مطلقاً ناممکن اور محال ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں:۔

"جب زید اور عمر کو الگ الگ سمجھ لیا"

پھر کہا جائے:۔

"زید عمرو بن گیا اور وحدت بن گیا۔

پس یہ وحدت تین صورتوں سے خالی نہیں ہو گا۔ یا تو دونوں موجود ہوں گے، یا موجود نہیں ہوں گے، یا ایک موجود ہو گا۔ اور دوسرا معدوم ہو گا۔ چوتھی قسم اس کے علاوہ نہیں بن سکتی۔

جب دونوں موجود ہوں کہ ایک دوسرے کا عین نہیں بن سکتا۔ بلکہ ہر ایک الگ الگ موجود ہے اور دونوں ایک مکان میں متحد ہیں۔ اس سے دونوں کا وحدت لازم نہیں آتا۔

اس لیے کہ علم، ارادہ، قدرت ایک ذات میں جمع ہوتی ہے اور اس کا ناممکن ہونا نہیں۔ پس قدرت ہی علم نہیں۔

۲۔ اور اگر دونوں معدوم ہوں۔ پس یہ وحدت نہیں۔ بلکہ معدوم ہیں۔ اور شاید حادث تیسری چیز ہو۔

۳۔ اور اگر ان میں سے ایک چیز موجود اور دوسری معدوم ہو۔ تو یہ وحدت نہیں

بمعدوم، فالاتحاد بين الشيئين مطلقاً محال۔

وهذا جارٍ[1] فى الذوات المتماثلة فضلاً عن المختلفة فانه يستحيل ان يصير هذا السواد ذلك السواد كما يستحيل ان يصير هذا السواد ذلك البياض أو ذلك العلم والتباين بين الرب والعبد اعظم من التباين بين السواد والعلم، فأصل الاتحاد إذن باطل، فكيف يتصور ان يقال، إن الرب حل فى العبد او العبد فى الرب، تعالى رب الارباب عما يقول الظالمون!!! وكذا الحلول، لأن المفهوم منه امران۔

احدهما النسبة التى بين الجسم والمكان الذى يكون هو فيه و ذلك لا يكون الا بين الجسمين، فالبرئ[2]۔

عن الجسميه يستحيل فى حقه ذلك، والثانى النسبة التى بين العرض والجوهر، فإن العرض يكون قيامه بالجوهر، فقد يعبر عنه بأنه حال فيه وذلك محال على كل ما قوامه بنفسه، فدع عنك ذكر الرب تعالى فى هذا المعرض فان كل ما قوامه بنفسه يستحيل أن يحل فيما قوامه بنفسه۔

الا بطريق المجاورة الواقعة بين الاجسام۔

فلا يتصور الحلول بين العبدين، فكيف يتصور بين العبد والرب

---

[1] وردت فى ب، جاء۔

[2] فى الاصل "فالرى" والتصريب من "ب"

ہے۔اس لیے کہ موجود کا معدوم کے ساتھ متحد ہونا محال ہے۔اس لیے دو چیزوں کے درمیان وحدت محال ہے۔

یہ اصول ذوات متماثلہ میں رائج ہے۔یہ بات تو اختلاف سے بالا ہے۔کہ یہ کالاپن وہ کالاپن بن جائے۔جس طرح کہ یہ محال ہے کہ یہ کالاپن وہ سفیدی بن جائے۔یا وہ علم اور تباین اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تو کالے پن اور علم کے درمیان تباین وتضاد سے بھی بڑھ کر تضاد ہے۔پس اب یہاں تو وحدت محال ہے۔تو کیسے یہ کہنے کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ رب تعالیٰ نے بندے کے اندر حلول کیا۔یا بندے نے رب تعالیٰ کے اندر حلول کیا۔اللہ تعالیٰ رب الارباب ظالموں کے اس قول سے بلند و بالا ہے۔اور اسی طرح حلول بھی۔اس لیے کہ اس سے دو امر سمجھ میں آتے ہیں۔

۱۔پہلی وہ نسبت جو جسم اور موجودہ مکان کے اندر ہوتی ہے اور یہ اتحاد دیکھا ہونا دو جسموں کے درمیان ہی متصور ہے۔تو اس سلسلے میں جسمیت سے بری ہونا محال ہے۔

۲۔دوسری وہ نسبت ہے جو عرض اور جوہر کے درمیان ہوتی ہے۔عرض کا قیام جوہر کے ساتھ ہوتا ہے۔یوں کہا جائے گا۔کہ عرض نے جوہر کے اندر حلول کیا ہوا ہے۔اور جوہر از خود قائم ہے۔آپ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کا ذکر چھوڑ دیں۔ہر وہ چیز جو قائم بنفسہ ہو۔اس کا قائم بنفسہ چیز کے اندر حلول کرنا محال اور ناممکن ہوتا ہے۔

دو بندوں کے درمیان حلول کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔پس رب تعالے اور

واذا بطل الاتحاد والحلول فحيث[1] يطلق الاتحاد، يقال:

هولا يكون الا بطريق التوسع والتجوز اللائق بعادة الصوفيه والشعراء

فإنهم لأجل تحسين مواقع الكلام من الأفهام يسلكون سبيل الاستعارة

كقول الشاعر:

أنا من أهوى ومن أهوى أنا[2]

وذلك مأول عنده فإنه لايعنى به أنه هو تحقيقاً، بل كأنه هو، فإنه مستغرق الهم به، فيعبر عن هذه الحالة بالاتحاد على سبيل التجوز، وعليه ينبغى ان يحمل قول ابى يزيد رحمة الله تعالىٰ حيث قال:

"انسلخت من نفسى كما ينسلخ الحية من جلدها، ثم نظرت فإذا هو أنا"

ويكون معناه ان من ينسلخ من شهوات نفسه وهواها وهمها فلا يبقى فيه متسع لغير الله تعالى ولا يكون له همة سوى الله تعالى حتى صار مستغرقاً به يصير كأنه هو، لا أنه تحقيقاً۔

وكذا قوله إن صح عنه.

سبحانى ما أعظم شأنى.

اما ان يكون جارياً على لسانه فى معرض الحكاية عن الله تعالى واما ان يكون قد شاهد كمال حظه من صفة القدس فى الترقى بالمعرفة[3] عن الموهومات والمحسوسات

---

[1] فى الاصل "بحيث" والصواب ما اثبت۔

[2] هذا البيت ذكره العارف أبو نصر السراج فى كتاب اللمع: ص: ٤٣٨ وهو

انا من اهوى ومن اهوى انا ۔۔۔ فإذا ابصرتنى ابصرتنا

نحن روحان معاً فى جسد ۔۔۔ البس الله علينا البدنا

[3] فى الاصل "بالمعرفته" والصواب ما اثبت۔

بندے کے درمیان حلول کا تصور کیسے جا سکتا ہے۔ جب وحدت اور حلول دونوں باطل ہو گئے۔ پھر کہاں سے اتحاد ہے۔ اس سلسلے میں یہ کہا گیا۔ اس اتحاد سے مراد مجازاً اتحاد ہے۔ جس طرح کہ صوفیاء کرام اور شعراء کی عادت ہے۔ کہ سمجھانے کی خاطر استعارہ کو استعمال کر کے کلام کو خوبصورت بناتے ہیں۔ شاعر نے کہا:۔

میں انکی خواہش اور وہ میری خواہش سے ہے۔

اور اس کی اُن کے نزدیک تاویل کی گئی ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ حقیقتاً یہ ایک دوسرے کے خواہشات بن چکے ہیں۔ بلکہ گویا وہ اسی خیال میں مستغرق ہو گیا ہے۔ تو اس حالت کو مجازاً وحدت کیا گیا۔ اور اسی پر ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو محمول کیا جس میں انہوں نے فرمایا:

میں نفس کی چادر سے اس طرح خارج ہوا۔ جس طرح کہ سانپ اپنے چمڑے سے نکل جاتا ہے پھر میں نے دیکھا تو میں وہ (اللہ تعالیٰ) تھا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص نفس کی شہوتوں، خواہشات اور فکروں سے نکل گیا۔ تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور اس کے لیے کشش نہیں رکھتا۔ اور اس کے سوا اس کی فکر نہیں ہوتی۔ جہاں تک وہ یاد الٰہی میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ گویا کہ وہ بندہ اللہ کا قرب حاصل کر کے وہ بن جاتا ہے۔ نہ کہ حقیقتاً اللہ بن جاتا ہے۔

اور اسی طرح یہ قول بھی اگر صحیح ہو۔

میں پاک ہوں میری شان کتنی بلند ہے۔

تو یہ قول ان کے زبان پر اللہ تعالیٰ کی شان بیان کرنے کے لیے جاری ہو گیا ہو گا۔ یا موہومات اور محسوسات سے معرفت کی بلندیوں کی وجہ سے حق تعالیٰ کے

وبالهمة عن الحظوظ والشهوات، فأخبر عن قدس نفسه وقال، سبحانى، ورأى عظم شان نفسه بالإضافة إلى شان عموم الخلق فقال، ما أعظم شانى وهو مع ذلك يعلم أن قدسه (وعظم شأنه[1]، بالإضافة إلى الخلق ولا نسبة له إلى قدس الرب تعالى وعظم شأنه، ويكون قد جرى هذا اللفظ فى سكر وغلبات حال، فان الرجوع الى الصحو واعتدال الحال يوجب حفظ اللسان عن الألفاظ المؤهمة، وحال السكر لا يحتمل ذلك.

فإن جاوزت، هذين التاويلين إلى الاتحاد فذلك محال قطعاً، فلا تنظر إلى مناسب الرجال حتى تصدق بالمحال بل ينبغى أن تعرف الرجال بالحق لا الحق بالرجال، وكذا قول من قال، أنا الحق، اما أن يكون معناه معنى قول الشاعر، أنا من أهوى.

واما أن يكون قد غلط فى ذلك كما غلط النصارى.

فإن قلت، كلمات الصوفية بناء على مشاهدات، انفتحت لهم فى طور الولاية، والعقل يقصر عن درك ذلك، وما ذكرتموه تصرف ببضاعه العقل فاعلم أنه لا يجوز أن يظهر فى طور الولاية ما يحكم العقل باستحالته[2]، نعم يجوز ان يظهر ما يقصر العقل عنه بمعنى أنه لا يدرك[3] بمجرد العقل مثاله، أنه يجوز ان يكاشف الولى بأن فلانا سيموت غداً، وهذا لا يدرك ببضاعة العقل بل يقصر العقل عنه، ولا يجوز أن يكاشف بأن الله تعالى غداً سيخلق

---

[1] ما بين القوسين سقط من الاصل والتكملة من ب.

[2] فى الاصل: باستحالة، والصواب ما اثبت من: ب [3] وفى ب، بدركه.

صفات کمال کا مشاہدہ کر کے کیا ہوگا۔ یا اپنے پاک صاف نفس کے اندر طہارت و پاکیزگی کے انوار دیکھ کر اپنے آپ کے بارے کیا ہوگا۔ اعظم شانی کا جملہ دوسری مخلوق کی نسبت کیا ہوگا۔ اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سے بھی بلند ہے۔ ممکن ہے کہ یہ قول سکر اور غلبہ حال کی وجہ سے کہا ہو۔ پس حال اعتدال کی طرف رجوع اور الفاظ موہومہ سے زبان کو محفوظ رکھنا حال سکر میں نہیں ہوسکتا۔

اگر ان تاویلات کو وحدت اور حلول کے لیے جواز بنایا جائے۔ تو یہ بالکل محال ہے۔ لوگوں کے مناصب کی طرف نظر نہ کریں۔ اس طرح کہ محال بھی ممکن ہو جائے بلکہ چاہیے کہ حق کے ذریعے لوگوں کو پہچانا جائے۔ کہ حق کو لوگوں کی وجہ سے پہچانا جائے۔ اور یہ قول بھی انہی اقوال کی طرح ہے۔ جس نے کہا کہ انا الحق۔ میں حق ہوں، اگر اس کا معنی قول شاعر کی طرح ہو۔ یعنی انا من اھوی میں اسکے خواہشات ہوں۔

اور یا عیسائیوں کے غلط اور باطل عقیدہ کی طرح ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ صوفیائے کرام کے ملہمات مشاہدات پر مبنی ہیں۔ انکو ولایت میں ایسے رستے مل جائیں گے۔ کہ عقل ان کو سمجھنے سے قاصر و عاجز ہوگی۔ اور جو تم نے عقلی استطاعت سے اس تصرف کو بیان کیا۔ پس جان لینا چاہیے۔ کہ ولایت کے بارے ایسی باتیں کہنا جو عقل کے لیے محال اور ناممکن ہوں۔ ناجائز و ناروا ہیں۔ ہاں اگر عقل اس کے سمجھنے اور ادراک سے قاصر ہو۔ ان کا ظاہر کرنا جائز ہے۔ مثلاً ولی یہ کہے۔ کہ فلاں بندہ کل مرے گا۔ اب یہ بات عقل کے ذریعے معلوم نہیں کی جاسکتی بلکہ عقل اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ اور اس طرح کشف سے بتانا کہ کل اللہ تعالیٰ اس جیسا دوسرا انسان پیدا فرمائے گا۔ جائز نہیں۔ اس لیے کہ یہ عقلاً محال ہے۔ نہ

مثل نفسه، فإن ذلك يحيله العقل، لا أنه يقصر عنه، وأبعد من ذلك ان يقول، سيجعلني الله مثل نفسه۔

وأبعد من ذلك أن يقول، إن الله تعالى يصير في نفسه أي أصير أنا هو، لأن معناه، اني حادث والله تعالى يجعلني قديماً، ولست خالق السموات والارض، والله يجعلني خالقهما، وهذا معنى قوله "نظرت فإذا أناهو" إن لم يأول، ومن صدق بمثل هذا فقد انخلع عن غريزة العقل ولم يتميز عنده ما يعلم عما لا يعلم، فليصدق بأنه يجوز أن يكاشف ولي بأن الشريعة باطلة وانها وإن كانت حقاً فقلبها[1] الله تعالى باطلة، وأنه جعل جميع اقاويل الانبياء كذباً، فإن انقلاب الصدق كذباً ليس بأبعد من انقلاب الحادث قديماً، ومن لا يفرق بين ما أحاله العقل وبين ما لا[2] يناله فهو أخس من أن يخاطب، فليترك وجهله، انتهى۔

(وَاحْكُمْ) عطف على "دع" يعني بعد المجاوزة عما لا يوصف به غير الله تعالى كن حاكماً (بِمَا شِئْتَ) من الفضائل والكمالات ذاهباً الى منتهى فكرك (مَدْحاً) حال كونك مادحاً (فيه) اى النبي صلى الله عليه وسلم متعلق "باحكم" (وَاحْتَكِمِ) عطف على "احكم" اى كن حاكماً على سبيل المبالغة والقصد والاعتماد۔

---

[1] وفي ب: فقبلها۔

[2] سقطت في الاصل والتكملة من ب۔

یہ کہ اس سے عقل قاصر ہے۔ اور یہ بات تو اس سے بھی زیادہ ہے کہ جلد ہی اللہ تعالیٰ مجھے اپنے مثل بنائے گا۔

اور پھر یہ قول ان تمام اقوال سے بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے نفس میں حلول کر گیا۔ یعنی میں وہ (اللہ تعالیٰ) ہوگیا۔ (نعوذ باللہ) اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ مجھ حادث کو اللہ تعالیٰ نے قدیم بنا دیا۔ اور زمین و آسمان کا خالق نہیں ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے مجھے خالق السمٰوت والارض بنایا۔ اور یہی معنی اس قول کا ہے۔ "میں نے دیکھا تو میں وہ (اللہ) تھا۔" اگر اس کی تاویل نہ کی جائے۔ اور جس نے ان جیسی باتوں کو سچ جانا۔ وہ عقل کی طبعیت سے خارج ہوا۔ اور وہ تمیز نہ کر سکا کہ علم اور لاعلمی کیا ہے اس آدمی کی حماقت یہاں تک پہنچ سکتی ہے۔ کہ کہے کہ ولی کے کشف کے ذریعے بتایا۔ کہ شریعت باطل ہے۔ اگرچہ شریعت مطہرہ حق بھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اب اس کو باطل کر دیا۔ اور تمام انبیاء کرام علیہم السّلام کے اقوال و فرامین نعوذ باللہ جھوٹ پر مبنی ہیں۔ اس لیے کہ سچ کا جھوٹ میں تبدیل ہونا میں حادث کا قدیم میں تبدیل ہونے سے بعید نہیں ہے۔ کہ بندہ رب بن جائے۔ اور جو آدمی محال عقلی اور نہ سمجھنے والے امر میں فرق اور تمیز نہیں کر سکتا۔ وہ مخاطب کرنے کا اہل نہیں۔ کہ اس سے بات کی جائے۔ ایسے آدمی سے کنارہ کرنا چاہیے۔

(وَاَحْکُمُ) یہ دَعْ پر عطف ہے۔ یعنی اس کی غصب الوہیت سے ہٹ کر کھل کر تعریف کی جائے۔ (بماشت) منتہا کے فکر تک ان کے کمالات و فضائل بیان کریں (مدحاً) تعریف کرتے ہوئے (فیہ) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ فیہ باحکم کا متعلق ہے۔ (وَاحْتَکِمِ) یہ لفظ احکم پر عطف ہے۔ یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

٤٢

فَانْسُبْ إِلَى ذَاتِهِ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ
وَانْسُبْ إِلَى قَدْرِهِ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمِ

(فَانْسُبْ إِلَى ذَاتِهِ) صلی اللہ علیہ وسلم (مَا شِئْتَ) مفعول "اُنْسُبْ" ای الذی شئته (مِنْ شَرَفٍ) من الامور التی تتعلق بالحسن الظاهری ذاهباً الی اقصی غایتک لان دقائق حسنه وجماله لانهایة لها، فالمدح هنا هو الاعتراف بالعجز عن الادراك كما قال:

مَا إِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّداً بِمَقَالَتِي   لٰكِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِي بِمُحَمَّدٍ

(وَانْسُبْ إِلَى قَدْرِهِ) مرتبته صلی اللہ علیہ وسلم (مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمٍ) كعنب مما يتعلق بالخلق الذی هو الحسن الباطنی الذی لانهاية له، كيف وقد قال الله تعالى:

وَإِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ[1]۔

وقال عليه الصلاة والسلام۔

ادبنی ربی فاحسن تادیبی[2]۔

وقالت عائشة رضی الله عنها، لما سئلت عن خلقه: "كان خلقه القرآن"۔

---

[1] سورة القلم، الآية ۴۔

[2] راجع: شرح الشفا لعلی القاری ۱/۱۴۳ وعوارف المعارف ۳/۸۱ وشرح المواهب للزرقانی ۳/۱۰۱ والوفا لابن الجوزی ۲/۵۶۴ وكتاب اللمع ۳۱، والدرر المنتشرة ۴۵۔

[3] اخرجه مسلم فی صحیحه ۱/۸۵ وابوداود فی السنن ۵/۵۹ كتاب السنة والحاكم فی المستدرک ۲/۴۴۹ باب دلائل النبوة وانظر، دلائل النبوة لابی نعیم ۱/۵۷ ودلائل النبوة للبیهقی ۱/۲۳۱۔

کی تعریف و توصیف میں حاکم بن کر ارادے، اعتماد اور مبالغے سے کام لو۔

۴۴

تعظیم و توقیر سے اپنی نسبت اس ذات با برکات کی طرف کر جتنا تو چاہے
اور عظمتوں سے اُن کے مرتبہ کی طرف نسبت کر۔

(فَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِہٖ) صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مَاشِئْتَ) اُنْسُبْ کا مفعول ہے۔ یعنی وہ جو تُو چاہے (مِنْ شَرَفٍ) وہ امور جن کا تعلق ظاہری حسن سے ہے۔ خوب انتہائے کمال تک جا کر بیان کریں۔ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن و جمال کی انتہا، ہم انسانوں کے لیے نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و نعت عجز کا اعتراف ہے۔ کہ آپ ہمارے درک و فہم سے برتر و بالا ہیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا۔

مَیں نے اپنے مقالے کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نہیں کی، بلکہ میں نے اپنا مقالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و نعت کو خوبصورت بنایا۔

(وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِہٖ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کی طرف۔ (مَاشِئْتَ مِنْ عَظِیْمٍ) عِظَمٍ عِنَبٍ کی طرح یعنی وہ خلق جو حسن باطنی سے متعلق ہے۔ جس کی انتہا نہیں اور انتہا کیوں ہو، کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"اور بے شک آپ اخلاق کے بلند مرتبے پر فائز ہیں"۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"مجھے اللہ تعالیٰ نے ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا"۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ جب ان سے آپ کے اخلاق کے بارے پوچھا گیا: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا"۔

ثم أنه لما آثر كلمة "ما" المفيدة للعموم اورد عليه دليلاً فقال :

۴۵

فَإِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهُ

حَدٌّ فَيُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ

(فَإِنَّ فَضْلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ) صلى الله عليه وسلم اى شرفه وعظمة وعلو درجته السنية ومرتبته البهية (لَيْسَ لَهُ) اى لفضله وشرفه (حَدٌّ) نهاية معينة حتى يمكن أن يصل اليه أحد بل كل ما يصل اليه فكر أحد ورأيه فمرتبته فوق ذلك كيف وقد قال الله تعالىٰ :-

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ[1]

(فَيُعْرِبَ) منصوب بتقدير "أن" فى جواب النفى اى يظهر ويبين و يكشف (عَنْهُ) اى عن ذلك الحد (نَاطِقٌ بِفَمِ) اى متكلم بفم أيا كان غير مختص بواحد بل كل من يتصور منه التكلم بالفم نوصفه بالفم على طرز قوله تعالىٰ :

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِى الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ[2]

ثم اكد عدم تناهى فضله[3] قوله :-

---

[1] سورة النساء، الاية : ۱۱۳

[2] سورة الأنعام، الاية : ۳۸

[3] وورد فى ب : نضائله -

چونکہ کلمہ ما عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ اس پر بطور دلیل ذکر کیا۔ پھر فرمایا۔

۴۵

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومحامد حدود سے ماوراہیں۔ فصیح زبان بولنے والا بیان نہیں کرسکتا۔

(فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت، عظمت، بلند درجہ اور عالی مرتبہ۔ (لَیْسَ لَہٗ) آپ کی فضیلت وشرافت۔ (حَدٌّ) مقررہ حد۔ اور جہاں تک کسی مفکر کی فکر پہنچتی ہے۔ آپ اس سے بلند وبالا ہیں۔ اور کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالے نے فرمایا:۔

"اور تیرے اوپر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل وکرم ہے۔ اپنی رحمت اُنکے ساتھ خاص کرتا ہے جن کو چاہتا ہے اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔

(فَیُعْرِبَ) ان مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے۔ نفی کے جواب میں۔ یعنی ظاہر ہوتا ہے۔ (عَنْہُ) یعنی اس حد سے۔ (نَاطِقٌ بِفَمٍ) زبان سے کلام کرنے والا۔ یعنی صرف ایک شخص سے مختص نہیں، بلکہ اس لیے ہرایک منہ اور زبان سے بات کرتا ہے۔ اِسلیے فم یعنی منہ کا ذکر کیا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرندہ کہ اپنے پروں پر اُڑتا ہے۔

پھر اس کے بعد غیر متناہی فضیلت کو تاکید سے بیان کیا۔

٤٦

لَوْ نَاسَبَتْ قَدْرَهُ آيَاتُهُ عِظَمًا
أَحْيَ اسْمُهُ حِيْنَ يُدْعَى دَارِسَ الرِّمَمِ

(لَوْ نَاسَبَتْ) مناسبةً بالمساواة أو بالقرب (قَدْرَهُ) مفعول "ناسبت" أى رتبته السنية ومنزلته البهية (آيَاتُهُ) فاعله أى معجزاته (عِظَمًا) من حيث العظمة والشرف لا من حيث الذات بل من حيث الدلالة على النبوة أو من حيث الذات بحمل الاضافة على الاستغراق يعنى لو ناسبت معجزاته مرتبته لصارت معجزاته أن :-

(أَحْيَ اسْمُهُ) صلى الله عليه وسلم (حِيْنَ يُدْعَى) اسمه المبارك لأىّ عرض كان (دَارِسَ الرِّمَمِ) مفعول "احى" أى العظام البالية ودروسها زيادة فى البلى وهى جمع رمة كقطعة وقطع ولكن ليس كذلك، فعلم ان معجزاته ليست كمرتبته بل مرتبته أجل وأعظم من الذات أو الدلالة :

ويؤيد هذا المعنى ما قاله بعض العلماء فى قوله تعالى :

يكاد زيتها يضئ ولو لم تمسسه نار[1]

من أنه مثل ضربه الله تعالى لنبيه صلى الله عليه وسلم، انه يقرب منظره أن يدل على نبوته وإن لم يقرء القرآن[2] واليه اشار ابن رواحة[3]

[1] سورة النور، الآية ٣٥: [2] راجع، الشفا للقاضى ١/١٥٩ والتفسير الكبير ٢٣/٢٣٧ وتفسير روح البيان ٣/١٢٧ و جواهر البحار ١/٩٧ وتفسير الطبرى ١٨/١٠٦ وشواهد النبوة : ١٩ وشرح الشفا ١/٤٠ -

[3] هو عبد الله بن رواحة بن ثعلبة الخزرجى الانصارى يكنى أبا محمد، أحد النقباء، شهد بدرا وأحدا والخندق، من الشعراء المحسنين، استشهد فى غزوة سنة ٨ هـ. ترجمته فى:- اسد الغابه ٣: ١٥٦ والاصابة ٢ : ٢٩٤ والاستيعاب ٢ : ٢٨٤ -

اگر آپ کی قدر و منزلت کو معجزات کے برابر دیکھتا، تو آپ کے نام پاک سننے سے مردہ ہڈیوں میں جان آتی۔

(لَوْ نَاسَبَتْ) یہ نسبت یا تو برابری کی ہے یا قرب کی۔ (قَدْرَهٗ) ناسبت کا مفعول ہے۔ یعنی آپ کا عظیم مرتبہ اور قدر و منزلت۔ (آيَاتُهٗ) فاعل۔ آپ کے معجزات۔ (عظما) عظمت اور شرافت ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ دلالت بلوت کی وجہ سے۔ یا ذات کی وجہ سے استغراق کے طور پر۔ یعنی اگر آپ کے معجزات کو آپکے مراتب سے نسبت کی جائے۔ تو وہ معجزات بن جائے۔

(اَحْيٰ اسْمُهٗ) صلی اللہ علیہ وسلم۔ (حِيْنَ يُدْعٰى) آپ کا اسم گرامی جس مقصد کے لیے ہو۔ (دَارِسَ الرِّمَمِ) احی کا مفعوم ہے۔ یعنی بوسیدہ ہڈیاں جن کی بوسیدگی زیادہ ہے۔ رِمم رمة کی جمع ہے۔ قطعة اور قطع کی طرح۔ لیکن اس طرح نہیں ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ آپ کے معجزات آپ کے مرتبے کی طرح نہیں بلکہ آپ کا مرتبہ بہت بلند اور عظیم ہے ذات سے یا دلالت سے۔

اور اس کی تائید علماء کرام کے اس قول سے ہوتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے بارے کہا گیا۔

یہ قتال اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیان فرمائی۔ تاکہ وہ منظر قریب ہو۔ اور اس کی نبوت پر دلالت کرے۔ اگرچہ قرآن نہ پڑھے۔ اور اس کی طرف ابن رواحہ نے اشارہ کیا۔

لو لم تكن فيه آيات مبينة
لكان منظره ينبيك بالخبر[1]

ثم اشار الى ما هو من لوازم غاية الفضل فقال:

٤٧

لم يمتحنا بما تعي العقول به
حرصاً علينا فلم نرتب ولم نهم

(لم يمتحنا) أي لم يختبرنا ولم يكلفنا عليه الصلاة والسلام (بما) بشئ (تعي) تعجز (العقول به) بذلك الشئ بأن لم تتمكن من الخروج عن عهدته من التكاليف الشاقة من قتل النفس في التوبة، واخراج ربع المال في الزكاة وقرض موضع النجاسة كما كان لبني اسرائيل، كيف وقد أتى صلى الله عليه وسلم بالحنيفية[2] السهلة البيضاء[3].

(حرصاً) مفعول له اي لم يختبرنا بذلك لأجل شفقته (علينا) يدل على ذلك قوله تعالى عز وجل:-

عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمومنين رؤف رحيم[4]

وقوله عليه الصلاة والسلام: أنا أولى بالمومنين[5] من انفسهم، فمن توفي

---

[1] انظر: التفسير الكبير ٢٣: ٣٢٧، والبيان والتبيين ١: ٢٥١، وفي البيان والتبيين: "لكانت بداهته" مكان "لكان منظره" [2] في الاصل "الخفية" والتصويب من "ب"

[3] اشارة الى قوله صلى الله عليه وسلم: احب الدين إلى الله الحنيفية السمحة" انظر: شرح السنة ٤/ ٤٧ باب الاخذ بالقصد في قيام الليل وغيره من الأمور، وصحيح البخاري ١/ ٨٦ في الايمان: باب الدين يسر، ومسند احمد ١/ ٢٣٦، والأدب المفرد للبخاري: ٢٨٦ والثاني من حديث عائشة عند احمد ٦/ ١١٦ بلفظ: اني ارسلت بحنيفية سمحة.

[4] سورة التوبة، الاية: ١٢٨ [5] ومثله ما جاء في كتاب الله من قوله تعالى: النبي أولى بالمومنين من أنفسهم" سورة الأحزاب الاية ٦.

پھر انتہائے فضیلت کے لوازمات کی طرف اشارہ کیا۔ اور فرمایا۔

۴۷

جن چیزوں سے عقول عاجز آئیں۔ ان امور سے ہمارا امتحان نہیں لیا۔
آپ ہماری ہدایت پر حریص ہیں، نہ ہمیں شک میں ڈالو، اور نہ آنکھیں بند کرکے شریعت پر چلے۔

(لَمْ یَمْتَحِنَّا) یعنی ہمیں نہ تو آزمایا۔ اور نہ تکلیف دی۔ صلی اللہ علیہ وسلم (بِمَا) کسی چیز کے ساتھ (تَعْیَ) عاجز ہوتا۔ (الْعُقُوْلُ بِہٖ) اس چیز کے ساتھ۔ اس لیے کہ انسان کا اُن تکالیف شاقہ سے نکلنا ممکن نہ تھا۔ مثلاً توبہ کے اندر نفس کا قتل کرنا۔ زکوٰۃ کے اندر مال کا چوتھائی حصہ دینا۔ اور نجات کی جگہ کا کاٹنا۔ جس طرح کہ بنی اسرائیل پر لازم تھا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح فطرت کے عین تعلیمات لائے اور کس قدر آسان وسہل ہیں۔

(حِرْصًا) مفعول لہٗ ہے۔ یعنی ہمیں اپنی بے پناہ شفقت اور محبت کی وجہ سے نہ آزمایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان گواہ ہے۔ "جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "میں مومنین کو ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ جب اُن میں کوئی قرض دار مرتا ہے۔ اس کا ادا کرنا میرے ذمہ کرم پر ہے۔ اور جو مومن مال چھوڑ کر مرتا ہے تو اس کا مال اس کے وارثوں

من المؤمنين وترك ديناً، فعلى قضاوه، ومن ترك مالا فلورثته.[1]

وقوله عليه الصلاة والسلام: "لكل نبى دعوة مستجابة يدعوها فاريد إن شاء الله تعالى أن اختبئ دعوتى شفاعة لأمتى يوم القيامة".[2]

(فَلَمْ نَرْتَبْ) اى لم نقع فى الريبه والشك من الارتياب (وَلَمْ نَهِمِ) نتحير من الهيم وهو التحير.

ثم أنه بعد ما أشار إلى أنه ليس لفضائله وكمالاته حد ونهاية ليدركها أحد، أكده ليتكرر ويتقرر بقوله:

٤٨

أَعْيَى الْوَرَى فَهْمُ مَعْنَاهُ فَلَيْسَ يُرَى
لِلْقُرْبِ وَالْبُعْدِ مِنْهُ * غَيْرُ مُنْفَحِمِ

(أَعْيَى) أعجز (الْوَرَى) الخلق كلهم (فَهْمُ) إدراك (مَعْنَاهُ) كمالاته المعنوية المشار إليها بقوله: ﴿إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾[3]

من صدق الحديث والوفاء بالعهد وأداء الأمانة وترك الخيانة وحفظ الجوار ورحمة اليتيم ولين الكلام وبذل السلام وحسن العمل وقصر الأمل وحب الاخرة وحفظ الجناح وكمال العلم والعقل والعفو والجود والشجاعة والحياء وحسن المعاشرة مع الخلق والتواضع والعدل والعفة والوقار والمروة والزهد فى الدنيا والقناعة وغير ذلك من الأخلاق الحميدة والاوصاف الشريفة

[1] أخرجه ابن حبان فى "صحيحه" من حديث جابر فى باب الاعتصام بالسنة ١/١٢٥ ومسلم فى صحيحه ١/٢٢٧ وابن ماجه فى سننه ١/١٧ باب اجتناب البدع والجدل.
[2] أخرجه البخارى من حديث ابى هريرة فى الدعوات ٤/١٢٥ باب لكل نبى دعوة مستجابه ومسلم فى صحيحه ١/١٣٥ فى الايمان، باب اختباء النبى صلى الله عليه وسلم دعوة الشفاعة لامته والدارمى: ٣٢٨ باب أن لكل نبى دعوة.
[3] سورة القلم، الآية: ٤.

* وفى بعض النسخ للقصيدة: فيه.

کے لیے ہے۔

اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔

"ہر نبی کے لئے ایک دعا ہوتی ہے جو وہ مانگتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعا کو اٹھا رکھوں جو آخرت میں میری اُمت کی شفاعت ہو"۔

(فَلَمْ نَرْتَبْ) یعنی ہم شک میں پڑے ہی نہیں۔ (وَلَمْ نَهِمْ) ہم اس محبت پر حیران ہیں۔

اس کے بعد شاعر نے اس بات کی طرف اشارہ کیا۔ کہ آپکے فضائل وکمالات کی حد اور انتہا نہیں۔ اور ہر ادراک وفہم سے بالا و برتر ہیں۔ اس بات کو تاکید، تکرار پختگی کے ساتھ یوں بیان کیا۔

۴۸

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت سمجھنے میں مخلوق عاجز ہو گئی۔ اور ہر قریب و بعید آپ کے سامنے عاجز ولاجواب ہو گیا۔

(اَعْیٰ) عاجز کیا۔ (اَلْوَرٰی) تمام مخلوق۔ (فَهْمُ) ادراک اور سمجھ۔ (مَعْنَاهُ) کمالات معنویہ۔ جن کی طرف اس ارشاد پاک میں اشارہ ہے۔

"بے شک آپ اخلاق حسنہ کے بلند مرتبے پر فائز ہیں"۔

سچی بات، وعدہ پورا کرنا، امانت ادا کرنا، خیانت کا ترک، پڑوسیوں کی حفاظت، یتیم پر رحمت، نرم گفتگو، سلام کہنا، حسن عمل، اُمید کی دل شکنی، محبت آخرت، عقل، عفو، سخاوت، شجاعت اور اس کے سوا دوسرے امور جو اخلاق حسنہ اور اوصاف کریمہ جن کو احاطہ شمار میں لانا ممکن نہیں۔ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

مما لا يدخل تحت العدّ والإحصاء -

(فَلَيسَ) الخلق (يُرَى) يعلم[1] أحداً من المخلوقين (لِلقُرْبِ) وقت قربه منه صلّى الله عليه وسلّم زماناً أو مكاناً أو مرتبة (وَالبُعْدِ مِنْهُ) كذلك -

(غَيرَ مُنفَحِمٍ) ساكت عن ادراك حقيقته[2]، عاجز عن بيان مجمل ما فيه فضلاً عن تفصيله قائلاً بأن هذا خارج عن طوق البشر وإنما هو شأن خالق القوى والقدر إذ ليس الشأن يرى أحد فى الكون والمكان وقت قربه منه وبعده منه كذلك غير منفحم ساكت عاجز عند الاستعلام من كشف كمالاته[3] ومعترف بقصوره ونقصانه لدى الاستفهام عن بيان حاله، ويجوز أن يكون يرى من رؤية[4] البصر والنائب قوله غير منفحم -

٧٩

كَالشَّمْسِ تَظْهَرُ لِلعَيْنَيْنِ مِنْ بُعُدٍ
صَغِيرَةً وَّتُكِلُّ الطَّرْفَ مِنْ أَمَمِ

(كَالشَّمْسِ) أى هو صلّى الله عليه وسلّم كالشمس فى عجز القريب والبعيد عن ادراك الحقيقة وهذا كالدليل على ما فى البيت السابق (تَظْهَرُ لِلعَيْنَيْنِ مِنْ بُعُدٍ) كعنق جملة مستانفة لبيان حال الشمس أو حال (صَغِيرَةً) قدر المراة خلاف ما هى عليه فى نفس الأمر (وَتُكِلُّ) بالضم اى توضع فى الكلال والعى (الطَّرْفَ) العين (مِنْ أَمَمٍ) قرب -

يعنى أن حاله صلّى الله عليه وسلّم كحال الشمس فكما لا يدركها كما

---

[1] سقطت فى الأصل والتكملة من ب -

[2] وردت فى ب، حقيقة -

[3] وردت فى ب، كماله -

[4] فى الأصل "رونة" والصواب ما اثبت -

بدرجہ اتم متصف تھے۔

(فَلَیْسَ) مخلوق۔ (یُدْرِی) مخلوق میں ایک جانتا ہے۔ (لِلقُرْبِ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانے، مکان یا مرتبے کے لحاظ سے قرب (وَالْبُعْدِ مِنْہُ) اسی طرح۔

(غَیْرُ مُنْحَمِ) حقیقت کو سمجھنے سے ساکت، اور بیان مجمل کی وضاحت سے عاجز، اور تفصیل سے بیان کرنا انسانی بساط سے باہر ہے۔ یہ خالق کی شان ہے۔ کون ومکان میں یہ شان اور کسی کے پاس نہیں۔ اس طرح کون ومکان میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی آپ کی حالت قرب وبعد کو نہیں دیکھ سکتا۔ باقی ہر کوئی اپنی کمی اور نقص کا اعتراف کرنے والا ہے۔ کہ آپ کی عزت وعظمت کو بیان کیا جا سکے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں روایت سے مراد آنکھ سے دیکھنا مراد ہو۔ اور اس قول غیر منفحم کا نائب ہے۔

۴۹

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورج کی طرح بظاہر دور لگتے ہیں۔ لیکن دیکھنے میں
دور ونزدیک ہر نظر میں خیر کر دیتے ہیں۔

(کَالشَّمْسِ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سورج کی طرح ہیں۔ قرب اور بعد کی حقیقتوں کو سمجھنے سے ادراک عاجز ہے اور یہ سابقہ بیت میں دلیل کی طرح ہے۔ (تَظْھَرُ لِلْعَیْنَیْنِ مِنْ بُعُدٍ) بُعُدٌ غَنَقٌ کی طرح شمس کے حال کو بیان کرنے کے لیے جملہ مستانفہ ہے۔ اور یہ حال ہے۔ (صَغِیْرَۃٌ) آئینے کے اندازے کے مطابق جو نفس امر اس پر ہے۔ (وَتُکِلُّ) بیش کے ساتھ ہے۔ عاجزی اور درماندگی کی جگہ رکھا گیا۔ (الطَّرْفَ) آنکھ۔ (مِنْ اَمَمٍ) نزدیک۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال سورج کی طرح ہے۔ جس طرح سورج

هی فی نفس الأمر القریب والبعید کذلك هو علیه الصلاة والسلام البعید منه لایعلمه کماهو، بل یحسبه أنه رجل کسائر الرجال، والقریب منه کذلك، بأنه فانٍ فی ذاته، مستور تحت سطوات انواره، متحیر من دقائق حسنه وحقائق حاله. کما حکی عن علی رضی الله عنه أنه سئل عن خلقه علیه الصلاة والسلام فقال: إن الله تعالی مع انه وصف نعم الدنیا بالقلة بقوله تعالی:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ[1]

وقال:

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا[2]

فکیف نبین خلقه مع أنه قال فی حقه:

وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ[3]

ثم أنه بعد ما أشار إلی أن کمالاته علیه الصلاة والسلام لا یدرکها القریب والبعید علی الإطلاق.

أشار إلی الاستبعاد عن أن یدرکها قوم محجوبون بحجب الغفلات بقوله:

---

[1] سورة النساء، الآیة: ٧٧

[2] سورة النحل، الآیة: ١٨

[3] سورة القلم، الآیة: ٤

نفس الامر میں قرب اور بعد کے لحاظ سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت دور ہیں کہ کوئی آپ کو کما حقہ، پہچان سکے۔ بلکہ انسان یہ گمان کرتا ہے کہ آپ دیگر انسانوں کی طرح ہیں۔ اور قریب الفہم بھی یہی ہے۔ حالانکہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات نور الٰہی میں مستور اور اس کی ذات میں فانی ہے۔ اور حسن وحال کے حقائق دقائق میں گم ہے۔ جس طرح کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جب سوال ہوا کہ نبی کریم کے اخلاق کیا تھے؟ تو فرمایا: اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نعمتوں کو قلیل اور کم فرمایا:

"فرمائیے دنیاوی ساز و سامان تھوڑا ہے"۔

اور فرمایا:۔

"اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو۔ تو شمار نہیں کر سکو گے"۔

پھر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کو کیسے بیان کر سکتے ہیں۔ کہ آپ کے حق میں فرمایا:۔

"اور بے شک آپ اخلاق عالیہ کو کیسے بیان کر سکتے ہیں"۔

پھر اس کے بعد اشارہ کیا کہ آپ کے کمالات و فضائل اور محامد و خصائل قطعاً قرب اور بُعد کی سمجھ سے بلند و بالا ہیں۔

شاعر نے اس طرح اشارہ کیا کہ وہ قوم جو مختلف علاقوں اور حجابات میں محجوب ہو۔ وہ کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کیا ہے۔

☆

٥٠

وَكَيْفَ يُدْرِكُ فِي الدُّنْيَا حَقِيْقَتَهُ
قَوْمٌ نِيَامٌ تَسَلَّوْا عَنْهُ بِالْحُلُمِ

(وَكَيْفَ) استفهام انكاری ای لا (يُدْرِكُ فِي الدُّنْيَا) التی هی دار الغفلات والجهالات ومعدن الكدورات والشهوات (حَقِيْقَتَهُ فِي الدُّنْيَا) ذاته صلی الله علیه وسلم المستجمعة لمكارم الأخلاق ومحاسن الأفعال المؤدبة بتأديب "أدبني ربي فأحسن تأديبي" [١]

(قَوْمٌ نِيَامٌ) نائمون فی نوم الغفلات والجهالات، متدنسون بلوث اللذات والشهوات محجوبون بحجب العلائق البدنية وعوائق التدبيرات كما قال عليه السلام:

"الناس نيام إذا ماتوا انتبهوا" [٢]

(تَسَلَّوْا) صفة قوم خلوا (عَنْهُ) ای عن غم إدراك حقيقته (بِالْحُلُمِ) بسبب الأمور المشتبهه بالاحلام فی أنها صور ومثال لاكشف حقيقة وتبيان حال۔

ويحتمل أن يراد بالقريب الصحابة رضی الله عنهم وبالبعيد التابعون ومن يلونهم، فالمعنى أنه إذا لم يدركها الذين حظوا لشرف صحبته او صحبة من صحبه أو بقرب العهد بزمانه والذين قال فيهم عليه الصلاة والسلام۔

خير القرون قرنی ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم [٣]

كيف يدركها قوم محرومون عن ذلك، ومحكوم عليهم بقوله عليه

---

[١] أخرجه السيوطی الدرر المنتثرة ٥١، عن علی رضی الله عنه وانظر ايضا: كشف الخفاء ٧٠/١ وتمييز الطيب من الخبيث: ١٢ وفيض القدير ٢٢٤/١ وعوارف المعارف ٨١/٣ وكتاب اللمع: ٣١، والوفا ٤٥٦/٢۔

[٢] وهو من كلام علی رضی الله عنه انظر الدرر المنتثرة، ١٩٧ [٣] أخرجه الترمذی من حديث عبد الله بن مسعود فی ابواب المناقب ٢٢٦/٢ باب ما جاء فی فضل من رأى النبی صلی الله علیه وسلم ومسلم فی الجامع الصحيح ١٨٤/٧ باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم والبخاری من حديث عمران بن الحصين فی كتاب الصحابة ١٨٩/٤ باب فضائل النبی صلی الله علیه وسلم وابوداود فی سننه ٢٩٧/٤ فی كتاب السنة، باب فضل أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم وصاحب الحلية ٧٨/٢۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو کیا کوئی سمجھے۔ کہ لوگ خواب غفلت میں سو رہے ہیں۔

(وَكَيْفَ) استفہام انکاری ہے۔ یعنی نہیں۔ (يُدْرِكُ فِي الدُّنْيَا) وہ جو غفلت و جہالت کا گھر اور کدورات اور شہوات کا مرکز ہے۔ (حَقِيْقَتَهُ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالیہ جو مکارم اخلاق اور محاسن افعال کی مستجمع ہے۔ اور رب تعالیٰ نے بہتر ادب کی تعلیم دی۔ (قَوْمٌ نِيَامٌ) جہالتوں اور غفلتوں کی نیند سونے والی قوم شہوتوں اور لذتوں کے میل کچیل سے آلودہ، بدی تعلق داریوں کے پردوں میں ڈھکے ہوئے اور تدبیروں کے حجابات میں پوشیدہ جیساکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لوگ سوئے ہوئے ہیں جب مریں گے تو بیدار ہو جائیں گے"۔

(تَسَلَّوْ) قوم کی صفت۔ جدا ہوئے۔ (عَنْهُ) حقیقت کے سمجھنے کے غم سے۔ (بِالْحُلُمِ) امور مشتبہہ کی وجہ سے جھوٹے خواب جو محض تصاویر اور امثال ہیں۔ نہ حقیقت اور نہ حال بیان اور کرتے ہیں۔

اور ممکن ہے کہ قریب سے صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہوں۔ اور بعید سے تابعین اور اس کے بعد لوگ مراد ہوں۔ معنی ہے کہ جو لوگ آپ کی صحبت اور معیت سے فیضاب ہوئے۔ یا جو لوگ صحابہ سے فیضیاب ہوئے۔ یا جن لوگوں نے قریب کا زمانہ پایا۔ جن کے بارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا:۔

"سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر جو اس سے ملے پھر جو اس سے ملے"۔

انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں جانا۔ تو یہ محروم اور محکوم لوگ کیسے

الصلاة والسلام :

ثم يفشو الكذب .

ويحتمل أن يكون المعنى أنه إذا لم يدركها من حظي بلقائه ومشاهدته مع ان تلقى آثار فيصه وبركته، كيف يدرك فى الدنيا حقيقته كما هى، قوم نيام غيب من مشاهدته ولقائه، وتسلوا عنه اى خلوا عن غم معرفته بالحلم اى برؤيتهم إياه عليه الصلاة والسلام فى المنام، ورويته وإن كانت حقاً ثابتاً لكن لا يدرك به حقيقته كما هى، لقوله عليه الصّلاة والسلام : من رأنى فى المنام فقد رانى، فان الشيطان لا يتمثل بي[1] يعنى صلّى الله عليه وسلّم، من رانى فى وقت النوم فقد راى ذاتي[2] فإنه تمثل له ذاتى بصورة مناسبة لهدايته، فإن الشيطان لا يتمثل بي اى بشئ مني و فى صورة مضافة إلى، ولا يُخدع الرائى بالقاء[3] انه رسول الله صلّى الله عليه وسلّم .

فعلى هذا من رأى إنساناً فى النوم واعتقد أنه رسول الله صلّى الله عليه وسلّم فقد راى النّبى صلّى الله عليه وسلّم فى اى صورة كانت، وهذا مذهب الأكثر، وهو المعقول المقبول عند العقول أيضاً، لأن الله تعالى جبله رحمةً للعالمين وهادياً للضالين وحافظاً عن وساوس الشياطين، وإذا تنور العالم بنور

---

[1] اخرجه مسلم فى صحيحه ٧/٥٤ فى كتاب الرؤيا، باب قول النبى صلّى الله عليه وسلم من رانى فى المنام فقد رأنى والدارمى فى سننه ٢/٧٣ باب فى رؤية النبى (ص) فى المنام والترمذى فى الشمائل ٤٠٣ باب ماجاء فى رؤية رسول الله صلّى الله عليه وسلّم فى المنام، وأبو داؤد فى سننه ٤/٢٨٧ فى كتاب الرويا . [2] نفس المراجع .

[3] فى الاصل "بالفاء" والتصريب من ب .

پہچانیں گے۔ کہ خود آپ نے فرمایا:۔

"پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔

ممکن ہے اس کا معنی یہ ہو۔ کہ جب اس نے دنیا کے ہوتے ہوئے اسکو حاصل نہیں کیا۔ باوجود اس کے فیض و برکت کے آثار کو پایا۔ دنیا میں اس کی حقیقت کو کیسے پاتے۔ سوئی ہوئی قوم آپ کے مشاہدے اور ملاقات سے دور ہے۔ اور انکی معرفت کی فکر سے خالی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب کے اندر نہیں دیکھا۔ اگر آپ کو حق دیکھا ہوتا پھر بھی اس کو حقیقت کا پتہ نہیں لگتا۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا۔ اس لیے کہ شیطان میری مثال میں نہیں آسکتا۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے میری ذات کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو مناسب شکل میں ہدایت کے لیے مشکل بنایا جاتا ہے اور شیطان میری شکل میں نہیں آسکتا۔ نہ کسی خبر اور نہ میری طرف منسوب صورت میں۔ اور نہ دیکھنے والے کو میری ملاقات کی وجہ سے دھوکا دیا جاسکتا ہے۔

اس بات کو بنیاد بنا کر جس نے انسان کو نیند کے اندر کو دیکھا۔ اور یہ اعتقاد کیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو اس کے حقیقتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ خواہ کیوں صورت ہی ہو۔ اور یہی اکثر کا مذہب ہے۔ اور یہی مفعول عند العقول ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالی نے آپ کو رحمۃ اللعالمین بنایا۔ گمراہوں کیلئے ہدایت اور شیطانی وسوسوں سے حفاظت آنے والے ہیں۔ جب پورا عالم آپ کے نور سے منور ہوا۔ اور فرشتوں سے آپ کا نام نامی سن کر شیطانوں کو رجم کیا گیا۔ کاہنوں کی

وجوده ورجعت الشياطين من الاستماع من الملائكة وهدمت بنيان الكهنة فكيف يتصور ان يضل الشيطان مؤمناً فی صورته، كذا فی بعض شرح الشمائل [١]۔

واعلم ان من رآه فی المنام وتيقن فيه انه رسول الله صلی الله عليه وسلم وهو يطابق صورته فی حال حياته، علم أنه متابع له فی جميع ما ينسب إليه عليه الصلاة والسلام، وإن لم يطابق من جميع الوجوه أو، بعضها، علم أنه غير متابع له فی الجميع او فی البعض۔

والحاصل أن من رآه مطابقاً أو غير مطابق فی الكل او فی البعض لا يكون رؤيته إلا صورةً منسوبةً اليه عليه الصلاة والسلام۔

هذا لما كان العلم بتفصيل ما فيه عليه الصلاة والسلام غير ممكن أشار الى العلم الإجمالی فقال:

٥١

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ أَنَّهُ بَشَرٌ
وَأَنَّهُ خَيْرُ خَلْقِ اللهِ كُلِّهِمِ

(فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ) ای محل يبلغ العلم هنا لديه وينتهی فهمنا إليه (فِيْهِ) فی شأنه صلی الله عليه وسلم (أَنَّهُ بَشَرٌ) ان نعتقد كونه بشراً ناظراً الى قوله: "دع ما ادعته" (وَأَنَّهُ خَيْرُ خَلْقِ اللهِ كُلِّهِمِ) وكونه افضل مخلوق الله كلهم ناظراً

[١] أنظر: جواهر البحار ١/٣٥٢ والشفا للقاضی ١/٢٤٦ وشواهد النبوة: ٥٨ واشرف الرسائل الی فهم الشمائل: ٢٧٨ والخصائص الكبری ٢/٢٥٨ باب اختصاصه صلی الله عليه وسلم بان رؤيته فی المنام حق وشرح الشفا على القاری ١/٧٥١ الاتحاف الربانية بشرح الشمائل المحمدية: ٣٠٦۔

عمارتیں گر گئیں پس یہ کیسے ممکن ہے کہ شیطان آپ کی صورت مبارکہ میں گمراہ کر سکے۔ بعض شروح شمائل میں اسی طرح ہے۔

جب کوئی آپ کو نیند کے اندر دیکھے۔ اور یقین کرے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور وہ صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری صورت مبارکہ مشابہہ ہے۔ وہ دیکھنے والا جان لے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیمات پر عمل کرنے والا ہے اور اگر وہ صورت مبارکہ مکمل طور پر آپ کی حیات کے مطابق نہیں۔ یا تھوڑا سا مشابہہ ہے۔ جان لے کہ وہ بالکل تابع نہیں یا معمولی تابع ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس شخص نے خود کو ان کے مطابق یا غیر مطابق مکمل طور پر یا جزوی طور پر دیکھا۔ یہ حقیقتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ بلکہ ایک منسوبہ صورت دیکھی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کی تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے۔ اس لیے اس شعر میں اشارہ کیا۔

۵۱

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے ہمارے علم کا منتہا یہ ہے کہ آپ بشر ہیں، حالانکہ تمام مخلوقات سے برتر و بالا ہیں۔

(فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ) ہمارے علم و فہم کی انتہا جہاں پر ہے (فِيهِ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں۔ (أَنَّهُ بَشَرٌ) ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔ دع ما ادعتہ کی طرف اشارہ ہے جو پہلے گذر چکا ہے۔ (وَأَنَّهُ خَيْرُ خَلْقِ اللهِ كُلِّهِمْ) تمام مخلوق الٰہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم برتر ہونا اس قول سے ثابت ہے۔ (وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ) کہ نبی کریم

الى قوله "واحكم بما سئت" لقوله صلى الله عليه وسلم "انا اكرم الاولين والاخرين عند الله ولا فخر"[1].

واما قوله صلى الله عليه وسلم "لا تفضلو فى على يونس ابن متى"[2] فيحتمل ان يكون ذلك منه صلى الله عليه وسلم قبل العلم بالتفصيل او تواضعاً او نفياً للتفضيل فى نفس النبوة، هكذا قيل، ويحتمل أن يكون المراد والله تعالىٰ اعلم ان تفصيله عليه الصلاة والسلام على جميع الأنبياء عليهم السلام مفصلاً بطريق التعداد، ولما كان غير ممكن لعدم العلم بالجميع انما الممكن بطريق الإجمال، منع عليه الصلاة والسلام أن يفضل على واحد أو اثنين أو جماعة مثلاً لأنه لا يفيد الاجمال ولا التفصيل بل يوهم التخصيص.

٥٢

وَكُلَّ اىِ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا
فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِمِ

(وَكُلَّ آيٍ) جمع آية وهى العلوم والحكم والمعجزات بالرفع والنصب (اَتَى الرُّسُلُ) والمراد بالرسل القدر المشترك ليعم الحكم أو معناه الحقيقى والثبوت فى غيرهم بالطريق الاولى (الْكِرَامُ بِهَا) الباء للتعدية، صفة، (فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ) تلك الآيات (مِنْ نُوْرِهٖ) علمه صلى الله عليه وسلم (بِهِمِ) بالرسل يعنى ما اتصلت الآيات

---

[1] اخرجه الترمذى من حديث ابن عباس ابواب المناقب ٢/٢٠٢ باب ماجاء فى فضل النبى صلى الله عليه وسلم.

[2] راجع: صحيح البخارى ٤/١٩٤ كتاب الانبياء، باب قول الله تعالى: وان يونس لمن المرسلين والجامع الصحيح ٢/١٠٣ كتاب الفضائل والدارمى: ٣٦٩ وابو داؤد ٥/٥١ كتاب السنة، باب فى التخيير بين الانبياء.

صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولین و آخرین مخلوق سے بہتر ہوں، اس پر فخر نہیں۔

اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ فرمان کہ مجھے یونس ابن متی علیہ السّلام پر فضیلت نہ دو۔ احتمال یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ اُن کو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر علمی یا تواضعی فضیلت حاصل ہے۔ یا صرف نبی ہونے میں فضیلت ثابت کرنے کی نفی ہو۔ اسطرح یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی افضلیت دیگر انبیاء کرام علیہم السّلام پر ثابت ہے۔ جبکہ تمام فضیلت عدم علم کی وجہ سے غیر ممکن ہے۔ اس لیے اجمالاً ممکن ہے۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے منع فرمایا کہ ان کو ایک، دو یا جماعت پر فضیلت دی جائے۔ یہ بات نہ تو اجمال کا فائدہ دیتی ہے اور تفصیل کا فائدہ۔ بلکہ یہاں تحقیق کا وہم پایا جاتا ہے۔

۵۲

وہ تمام معجزات جو انبیاء کرام علیہم السّلام کو حاصل ہوئے۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی فیض اور نورانیت سے ہے۔

(وَکُلُّ آیٍ) آیت کی جمع ہے اس سے علوم، حکمتیں اور معجزات مراد ہیں۔ رفع اور نصب دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ (اَتَی الرُّسُلُ) یہاں رسل عظام سے قدر مشترک مراد ہے تاکہ حکم عام ہو۔ یا اس کا معنی حقیقی ہو جائے۔ اور ان کے سوا میں بطریق اولیٰ ثابت ہو۔ (الْکِرَامُ بِھَا) باء تعدیہ کیلئے ہے صفت ہے۔ (فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ) یہ نشانیاں۔ (مِنْ نُوْرِہٖ) آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نُورِ مبارک سے۔ (بِھِمْ) رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے ساتھ یعنی ان کو علوم، حکمتیں اور معجزے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی واسطہ جلیلہ اور علوم کی برکت

بهم إلا " من نوره" ، فقوله " من نوره" فى التقدير مؤخر وإن قدم وأخر بهم لرعاية القافية -

والحاصل أن الانبياء والرسل عليهم السلام اقتبسوا أنوار العلم والحكمة من مشكوٰة نبوته عليه الصلاة والسلام فى عالم الارواح لأنه صلى الله عليه وسلم لما وجد بوجود روحانى بُشروا به[1] وعلم بأنه نبى بالفعل بخلاف آدم وسائر الانبياء عليهم السلام لأنهم ما لم يظهروا[2] بصور جسمانية عنصرية فى عالم الشهادة لم يتصفوا بالنبوة ، ثم حكم له صلى الله عليه وسلم بأن يبلغ الشرائع والاحكام بأيدى الانبياء الذين هم نوابه فى عالم الارواح الى الخلائق بحسب وجودهم طبقة بعد طبقة كما أن علياً ومعاذ بن جبل رضى الله عنهما بلغا الاحكام إلى أهل اليمن بنيابته عليه الصلاة والسلام فى عالم الأشباح ، فكان الشرائع كلها شريعة وصلت إلى الخلائق على أيدى نوابه ، و هذا معنى قوله عليه السلام ،كنت نبيا وآدم بين الماء والطين "[3].

ثم لما وجد عليه الصلاة والسلام بوجود جسمانى عنصرى عالم الشهادة نسخ الشرائع التى اقتضاها فى عالم الأرواح لأن اختلاف الأمم فى الاستعدادات والقابليات يقتضى اختلاف الشرائع ولهذا قال عليه الصلاة والسلام: "لو كان موسى حياً لما وسعه الا اتباعى"[4] هكذا ذكره فى

---

[1] سقطت من الاصل والتكملة من ب .

[2] فى الاصل " يظهر " وهو خطأ والصواب ما اثبت -

[3] انظر، دلائل النبوة للبيهقى ۱/۳۸۸ ودلائل النبوة لأبى نعيم ۱/۵۴ والخصائص الكبرى ۱/۳ باب خصوصية النبى صلى الله عليه وسلم بكونه اوّل النبيين فى الخلق وشرح الشفا لعلى القارى ۱/۶۴ -

[4] راجع: مسند الامام احمد ۴/۱۳۷ ومدارج النبوة ۲/۷ والموضوعات الكبرى : ۲۹۲ -

سے ملیں۔ من نورہ تقدیراً مؤخر ہے۔ اگرچہ آگے ہے۔ قافیہ کی رعایت کیوجہ سے بھم کو مؤخر کیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کے علم وحکمت کے انوار عالم ارواح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغ نبوت سے حاصل کیے۔ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی وجود کے ساتھ ان کو خوشخبریاں دی گئیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف سیدنا آدم و دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے بالفصل نبی ہیں۔ اس لیے جب تک جسد عنصری کے ساتھ دنیا میں تشریف نہ لائے۔ اس وقت تک وصف نبوت سے متصف نہیں ہوئے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ احکام و شرائع دیگر انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ بھیج دیں۔ اس لیے کہ یہ لوگ عالم ارواح سے مخلوق کی طرف تیرے نائب ہیں۔ اپنے مرتبے کے لحاظ سے۔ جس طرح کہ سیدنا حضرت علی اور سیدنا سید حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اہل یمن کی طرف آپ کی نیابت میں پہنچائے۔ تمام شریعتیں حقیقت میں آپ کی شریعت ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبوں کے ہاتھ مخلوق تک پہنچائی گئیں۔ اور یہی معنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک کا ہے "کہ میں اسوقت بھی نبی تھا جبکہ آدم (علیہ السلام) مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔

پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم ظاہر میں جسد عنصری کے ساتھ تشریف لائے۔ تو باقی شریعتیں منسوخ ہو گئیں۔ اس لیے امتوں کا اختلاف استعداد اور قابلیت کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر موسیٰ علیہ السلام آج زندہ ہوتے تو میری اطاعت کے سوا اُن

ثم أشار الى ما يوضع السابق و يقربه إلى الأفهام بقوله -

٥٣

فَإِنَّهُ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا
يُظْهِرْنَ أَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

(فَإِنَّهُ) اى النبى صلى الله عليه وسلم (شَمْسُ فَضْلٍ) اى العلوم والشرائع و الاحكام (هُمْ) اى الرسل عليهم السلام (كَوَاكِبُهَا) اى الشمس وكوكب الشمس الذى يستفيد منها النور وما هو الا القمر، فجمعه إما لأن اختلاف الأحوال يوجب تعدداً ما فى الذات وإما لأن المشبه به متعدد -

(يُظْهِرْنَ) اى الرسل المشبهون بالكواكب (أَنْوَارَهَا) اى الشمس يعنى الانبياء يظهرن شرائعه واحكامه صلى الله عليه وسلم (لِلنَّاسِ) خصوا[٢] بالذكر لأنهم لم يبعثوا إلى غيرهم (فِي الظُّلَمِ) جمع ظلمة كتهم و تهمة، فكما ان القمر يستفيد النور من الشمس ويظهر للعالم فى الليالى المظلمة كذلك الانبياء عليهم السلام يستفيدون الشرائع والاحكام والعلوم[٣] والمعارف[٤] منه عليه الصلوٰة والسلام ويظهرون للناس الكائنين فى ظلمات الجهل والضلالات -

ولما ذكر من متعلقات الخلق والخلق ما يعجز عن إدراكه العقل عجز

---

[١] انظر: شواهد النبوة ٢٦١

[٢] فى الأصل "خصو" بدون الألف والصواب ثباتها -

[٣] فى الاصل "العلو" والتصويب من "ب"

[٤] فى الاصل، سور التمن، والتصويب من ب -

کو چارہ نہ ہوتا۔

اس کے بعد سابقہ کلام کی وضاحت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا،

۵۳

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فضل الٰہی کے سورج ہیں اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کسب نور کرنے والے ستاروں اور سیاروں کی مانند۔ جو رشد ہدایت سے دنیا والوں کو اجالا دیتے ہیں۔

(فَاِنَّهٗ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (شَمْسُ فَضْلٍ) علوم، شرائع اور احکام (ھُمْ) انبیاء کرام علیہم السلام۔ (کَوَاکِبُھَا) سورج وہ سیارہ ہے جس سے نور حاصل کیا جاتا ہے۔ کواکب کو جمع اس لیے استعمال کیا کہ مختلف حالتیں تعدد فی الذات کو لازم کرتی ہیں۔ اور یا یہ کہ مشبہ بہ متعدد ہیں۔ (یُظْہِرْنَ) انبیاء کرام علیہم السلام ستاروں کے مشابہ ہیں۔ (اَنْوَارَھَا) سورج۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور شرائع کو بیان اور ظاہر کرتے ہیں۔ (لِلنَّاسِ) ان کو ذکر کر کے خاص کر دیا۔ اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو ان ہی کی طرف مبعوث کیا گیا۔ (فِی الظُّلَمِ) ظلمت کی جمع جس طرح کہ تہم اور تہمت۔ جس طرح چاند سورج سے نور لیتا ہے اور دنیا پر اندھیری راتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس طرح انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرائع احکام اور علوم و معارف کا نور حاصل کرتے ہیں، اور گمراہی و ضلالت کے اندھیروں میں کائنات میں بسنے والے انسانوں کے لیے وہی روشنی اور نور ظاہر کرتے ہیں۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ اور صورت مبارکہ کے اوصاف

(۵۴)

اَکْرِمْ بِخُلْقِ نَبِیٍّ زَانَہٗ خُلُقٌ
بِالْحُسْنِ مُشْتَمِلٍ بِالْبِشْرِ مُتَّسِمٖ

(اکرم بخلق نبی) عظیم الشان، رفیع المکان عن ان یدرکه احد فی الکون و المکان، و ایثار تنکیرہ مع ان الظاهر تعریفه للاشعار بقصور الادراکات عن معرفته یعنی ما احسن صورته الظاهرة التی ورد فیها: "کان رسول الله صلی الله علیه وسلم فخما مفخما یتلألأوجهه تلألؤ القمر لیلة البدر"O"رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی لیلة اضحیان وعلیه حلة حمراء، فجعلت انظر إلیه و إلی القمر، فلهوعندی احسن من

اللہ کی شان! کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات مبارکہ کتنی کریمانہ ہیں کہ اسے اخلاق حسنہ نے اور زیادہ خوبصورت کردیا ہے، وہ اخلاقِ حمیدہ جو خندہ روئی کے ساتھ مل کر خوب مشہور ہیں۔

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات مبارکہ کتنی کریمانہ ہیں) عظیم الشان، بلند مکان و بلند مرتبہ اس طرح کہ کون ومکان میں کوئی اسے نہیں پاسکتا، نبی کے لفظ کو نکرہ لانے کو ترجیح کیوں دی ہے جب کہ ظاہر اس کا معرفہ ہونا ہے، اس کی وجہ یہ ہے خبر دینا ہے کہ کوئی اس کی معرفت کو نہیں پاسکتا، ہر کوئی اس سے قاصر ہے، یعنی کیا ہی حسین ہے ظاہری صورت جس کے بارے حدیث وارد ہے: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی شان وعظمت والے تھے، آپ کا چہرۂ انور چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا☆ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا چاندنی رات میں اور آپ پر سرخ رنگ کی چادر مبارک تھی، تو میں کبھی آپ کو دیکھتا اور کبھی چاند کو دیکھتا، تو یقیناً نبی کریم

القمر" ○ "اذا تكلم رئی کالنور یخرج من بين ثناياه صلی اللہ علیه وسلم" ○ (زانه) صفة لقوله "بخلق نبی" ای زين ذلك الخلق (خلق) ای خلق قال فيه سبحانه و تعالی: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○

قال الجنيد رحمه الله تعالى: "سمی خلقه عظيماً لأنه لم يكن له همة سوى الله تعالى۔ قال الواسطی: "لأنه جاء بالكونين عوضاً عن الحق" وقيل: "لأنه عليه الصلاة و السلام عاشر الخلق بخلقه و باينهم بقلبه" وقيل: "لاجتماع مكارم الأخلاق فيه، كيف وقد قال الله تعالى: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ○ و قيل وجد انه حلاوة المطالعة على السرّ، و قيل "لأنه قبل فنون ما اسدی اليه من نعمة احسن مما قبله

چاند سے زیادہ حسین تھے ☆ جب آپ کلام کرتے تھے آپ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا جاتا گویا نور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے والے دانتوں سے نکلتا تھا ☆ (زانہ) خلق نبی کی صفت ہے، معنیٰ ہے وہ خلق مزین کر دیا گیا، اور اللہ تعالی سبحانہ وتعالی نے فرمایا ہے: اور آپ بلاشک عظیم اخلاق پر ہیں۔

سیدنا جنید رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: آپ کے اخلاق کو عظیم کہا گیا کیونکہ آپ کی ہمت وارادہ اللہ کے سوا کوئی نہیں تھا۔ واسطی نے کہا: اس لئے کہ آپ حق سے کونین کا عوض لے کر آئے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: آپ کا مخلوق سے معاشرتی تعلق اخلاق پر مبنی ہے اور آپ اپنے دل کے ساتھ لوگوں سے میل جول رکھتے تھے ☆ ایک قول یہ ہے کہ آپ میں اخلاقی خوبیاں پورے طور پر جمع تھیں، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: "اے محبوب درگزر فرماؤ! نیکی کا حکم دو اور جاہلوں بے علموں سے منہ پھیر لو،، یعنی انہیں معاف فرمادو! ایک قول یہ ہے کہ راز پر مطلع ہونے کی مٹھاس پانے کا نام اخلاق ہے، ایک قول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام نعمتوں کے فنون کو

غیره من الانبیاء و الرسل علیهم السلام" و قیل: "لأنه لم یؤثر فیه جفاء الخلق" و لذا قال صلی الله علیه و سلم: "لما کسرت رباعیته و أدمی وجهه المبارك اللهم اهد قومی فأنهم لا یعلمون،، حیث لم یؤثر فیه سوء صنیعهم، فلم یمنعه عن إرادته الخیر لهم۔

ومن اخلاقه صلی الله علیه وسلم ما روی عن انس بن مالك رضی الله تعالی عنه انه قال: خدمت رسول الله صلی الله علیه وسلم عشر سنین، فما قال لی أفٍّ قط و ما قال لی لشیء صنعته، لم صنعته، و لا لشیء ترکته لم ترکته" ○ و منه انه صلی الله علیه وسلم یعود المریض و یشهد

قبول فرمایا جو آپ کی نذر کی گئیں جنہیں آپ سے پہلے دیگر انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام نے قبول کیا، ایک قول یہ ہے: "آپ پر جو مخلوق کی جفا کاری تھی اسے کوئی وقعت نہیں دی گئی،، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب آپ کا دانت مبارک شہید ہوا اور آپ کا چہرۂ انور خون آلود ہوا: "اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ جانتے نہیں، اس جگہ آپ نے ان کے برے فعل کو ترجیح نہیں دی بلکہ اپنے رب سے ان کے لئے ارادۂ خیر کا اظہار فرمایا، لہٰذا اللہ تعالی نے آپ کو ان کے بارے میں ارادۂ خیر سے منع نہیں فرمایا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقِ کریمانہ سے ہے وہ جو سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے روایت کیا ہے: آپ نے فرمایا: میں نے دس سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی تو آپ نے کبھی مجھے اف تک نہیں کہا، اور مجھے کسی شے کے بارے جو میں کی یہ نہ کہا: کہ اسے کیوں کیا اور نہ اس وقت جب میں نے کسی کام کو چھوڑ دیا تو یہ کہا کہ کیوں چھوڑا؟،، اس اخلاق ہی کا نظارہ ہے کہ آپ بیمار کی عیادت کرتے، جنازہ پر تشریف لے جاتے، حمار پر سوار ہو جاتے، غلام کی دعوت قبول

الجنازة و یرکب الحمار ویجیب دعوة العبد" ○ومنہ انہ صلی اللہ علیہ و سلم یسوق اصحابہ و یبتدر من لقی بالسلام ○ ومنہ انہ صلی اللہعلیہ وسلم یفلی ثوبہ و یحلب شاتہ و یخدم نفسہ"۔

ومنہ انہ صلی اللہعلیہ وسلم لم یکن فاحشًا و لا متفحشًا و لا صخابًا فی الاسواق ولا یجزی بالسیئۃ السیئۃ و لکن یعفو و یصفح" ○ ومنہ انہ صلی اللہعلیہ وسلم ما ضرب بیدہ شیئًا قط الا ان یجاھد فی سبیل اللہ و لا ضرب خادمًا و لا امراۃً ○ ومنہ انہ صلی اللہعلیہ و سلم " کان دائم

فرماتے، آپ اپنے صحابہ کو جانوروں کا مالک بنا دیتے اور جس سے ملتے اسے سلام میں پہل کرتے، آپ کی ایک شان یہ ہے، آپ کے کپڑوں کو کوئی مکروہ[ا] چیز اگر آجاتی تو آپ خود ہی اسے الگ کر لیتے، اپنی بکری کا دودھ دھو لیتے، اور اپنا کام خود کر لیتے۔ نیز یہ بھی آپ کی اخلاقِ حمیدہ کا حصہ ہے کہ آپ فحش گو تھے نہ بری باتوں کو ظاہر کرنے والے تھے، نہ ہی آپ بازاروں میں بلند آواز کرتے، جیسے کوئی چلا کر بولے، اور نہ ہی آپ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے، لیکن آپ درگزر فرماتے اور معاف فرما دیتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا مگر یہ کہ آپ جہاد فی سبیل اللہ میں ہوں، نہ آپ نے کسی خادم کو مارا اور نہ کسی عورت کو۔ آپ

[ا] معنی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے کی خود دیکھ بھال کرتے اور اس میں کوئی پھٹن وغیرہ ہوتی تو اسے خود ہی سی لیتے، اور کوئی کانٹا وغیرہ لگا ہوتا تو نکال لیتے، اس لفظ سے جوئیں وغیرہ نکالنا مراد نہیں ہے، کیونکہ جوں تعفن کی جگہ ہوتی اور رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی طبیعت کے ساتھ تعفن کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ بہت زیادہ آیا کرتا تھا اور آپ کے پسینہ مبارکہ سے خوشبو آتی تھی، یہی وجہ ہے کہ شارحین نے شفاء شریف کی شرحوں میں لکھا ہے کہ آپ تو نور تھے، لہٰذا جس نے جوؤں والا معنی مراد لیا ہے اس نے خطا کی ہے، واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم، قاری محمد یاسین قادری شطاری ضیائی

البشر، سهل الخلق، لين الجانب، ليس بفظ ولا غليظ "O و منه" انه صلى الله عليه وسلم ما سئل قط، فقال لا "۔

ومنه " انه صلى الله عليه وسلم " كان اسخى الناس لا يبيت عنده دينار و لا درهم، و ان فضل ولم يجد من يعطيه و يأتيه الليل، لا ياوى الى منزله حتى يبرأ منه" و لا ينال من الدنيا اكثر ما يكون قوت عامه من أيسر ما يجد من التمر و الشعير، ويضع ما عدا ذلك فى سبيل الله، لا يسأل شيئًا الا يعطى، ثم يخصف النعل و يرقع الثوب و يخدم فى مهنة اهله ۔

و منه " انه صلى الله عليه و سلم يقبل الهدية و لو انها جرعة لبن او فخذ ارنب و يكافى عليها و ياكلها و لا يستنكر عن اجابة الامة

ہمیشہ خوش خلق، خندہ رو، آسان عادات واطوار والے، نرمی اختیار کرنے والے تھے، سخت طبیعت، تندمزاج نہیں تھے۔ نیز آپ سے جب بھی مانگا گیا آپ نے کبھی بھی نہ نہیں کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے بڑھ کر سخی تھے، آپ کے پاس دینارو درہم رات نہیں گزارتے تھے اگر چہ بچ رہے اور آپ ایسے شخص کو نہ پائیں جسے دیں اور آپ کو رات ہو جائے تو آپ اپنے گھر میں آرام فرما نہیں ہوتے حتی کہ اس سے بری ہو جائیں، اور آپ نے دنیا سے اس سے زیادہ نہیں لیا کہ وہ آپ کے سال کی روزی ہو جو کچھ بھی آسانی سے میسر ہوتا خواہ کھجور ہو یا جو ہوں، اور جو کچھ اس کے سوا ہوتا آپ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے، کوئی آپ سے نہ مانگتا مگر آپ اسے عطا فرماتے، پھر آپ نعلِ پاک کو خود گرہ لگا لیتے، کپڑے کو خود سی لیتے اور اپنے گھر والوں کے کام کاج میں تعاون کرتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نذرانہ قبول کر لیا کرتے تھے، اگر چہ ایک

والمسلمین "و منه ماروی عن رجل من العرب قال: "زحمت رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم حنین، و فی رجلی نعل کثیفة، فوطئت بها علی رجل رسول اللهﷺصلی الله علیه وسلم، فنفحنی نفحة بسوط فی یده فقال: اوجعتنی، قال: فبت لنفسی لائما اقول او جعت رسول اللهﷺصلی اللهﷺعلیه وسلم، قال: فبت بلیلی کما یعلم الله، فلما اصبحنا اذا رجل یقول: این فلان ابن فلان قال: قلت هذا و الله الذی کان منی بالامس قال: فانطلقت وانا مخوف فقال لی: انك وطئت بنعلك علی رجلی بالامس فاوجعتنی، فنفحتك نفحة بالسوط فهذه ثمانون نعجة فخذ بها"۔

گھونٹ دودھ یا خرگوش کی ران ہی ہواور اسی پر کفایت فرماتے اور اسے تناول فرماتے، لونڈی اور مسلمانوں کی دعوت سے عار نہ محسوس فرماتے، عرب کے آدمی سے روایت ہے اس نے کہا: جنگِ حنین کے دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکٹھا ہو گیا اور میرے پاؤں میں سخت جوتا تھا تو اس کے ساتھ میرے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں روندا گیا تو آپ نے مجھے اپنے ہاتھ والے کوڑے کے ساتھ ہلکا سا مارا، اور فرمایا تو نے مجھے تکلیف دی ہے، راوی کہتے ہیں: میں نے رات اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے گزاری، میں کہتا تھا: تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دیا ہے، تو میں نے رات ایسے گزاری کہ میرا اللہ ہی جانتا ہے، تو جب صبح ہوئی تو ایک آدمی کہہ رہا تھا فلاں ابن فلاں کہاں ہے؟ وہ راوی کہتے ہیں میں نے کہا میں یہ ہوں۔ اللہ کی قسم کل جو ہوا مجھ سے ہوا، تو میں ڈرتا ہوا چل کر حضور کی باہ میں حاضر ہوا آپ نے مجھے فرمایا: تو نے کل اپنے جوتے سے میرا قدم روندا، تو مجھ دکھ دیا، تو میں نے تجھے کوڑا ہلکا سا مارا، لہٰذا یہ 80 بکریاں ہیں انہیں لے لو!

ومنه ماروی عن عائشة رضی اللهﷺعنها انها قالت: استاذن رجل

علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و انا عندہ، فقال: بئس ابن العشیرۃ او اخو العشیرۃ، ثم اذن لہ فألان لہ القول فلما خرج قلت: یارسول اللہ، قلت ما قلت ثم النت لہ القول، فقال: یاعائشۃ! ان من شرالناس من ترکہ الناس او ودعہ اتقاء فحشہ"۔

الی غیرذلک من الاخلاق التی لا یعلمھا احد علی التفصیل عدا خالق القری و القدر (بالحسن مشتمل) صفۃ نبی و کذا قولہ (بالبشر متسم) ای نبی مشتمل بالحسن لا بغیرہ و متسم ای مشتھر بالبشر ای طلاقۃ الوجہ لا بغیر کما روی عن عبد اللہبن الحارث قال: "مارایت أحدًا أکثر تبسما من رسول اللہ صلی اللہعلیہ وسلم" وما روی: "کان رسول اللہ صلی اللہعلیہ وسلم دائم البشر"۔

ایک روایت وہ بھی ہے جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ہے، آپ فرماتی ہیں، ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی اور میں آپ کے پاس تھی، تو آپ نے فرمایا: برادری کا بیٹا کیا برا ہے، یا کہا برادری کا بھائی کیا برا ہے، پھر آپ نے اسے اجازت دی تو اس سے نرمی کے ساتھ بات چیت فرمائی، پھر جب وہ چلا گیا، میں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ نے فرمایا جو فرمایا، پھر آپ نے اس سے نرمی سے بات چیت فرمائی، تو آپ نے فرمایا: اے عائشہ! بلاشک شریرترین آدمی وہ ہے جسے لوگ اس کی فحش گوئی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

اس کے علاوہ کئی اخلاق ایسے ہیں جنہیں تفصیلی طور پر سوائے مخلوق اور تقدیر کے خالق کوئی بھی نہیں جانتا۔ (حسن پر مشتمل ہے) یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے اور اسی طرح علامہ بوصیری کا قول (بالبشر متسم) ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ

باقی آئندہ صفحہ پر دیکھیے!

(۵۵)

كَالزَّهْرِ فِيْ تَرَفٍ وَّالْبَدْرِ فِيْ شَرَفٍ
وَالْبَحْرِ فِيْ كَرَمٍ وَّالدَّهْرِ فِيْ هِمَمِ

(كالزهر) اى النور، صفة نبي او خبر محذوف (في ترف) لقوته و طيب رائحته، قال انس رضى الله عنه: مامسست خزأولاحريرأولاشيئى كان الين من كف رسول الله صلى الله عليه و سلم "ولا شممت مسكا قط و لا عطرًا كان اطيب من عرق رسول الله صلى اللهعليه وسلم۔

بقیہ گزشتہ صفحہ) علیہ وسلم حسن والے ہیں کسی اور مخالف حسن چیز والے نہیں اور ہنس مکھ خندہ روئی میں آپ مشہور ہیں اور خندہ روئی کے خلاف صفت سے آپ محفوظ ہیں، جیسا عبداللہ بن حارث سے روایت ہے آپ نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا، اور وہ بھی روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ خوش روئی والے تھے، خوشی والے تھے۔

(۵۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تازگی میں پھول کی طرح، بزرگی میں چودھویں کے چاند کی طرح، بخشش وعطا میں سمندر کی طرح، اور ہمت میں زمانے کی طرح ہیں۔

(زہرہ) یعنی کلی، پھول، شگوفہ، کی طرح نبی کریم صلی علیہ وسلم کا وصف بیان کررہے ہیں یا پھر یہ محذوف کی خبر ہے (تازونعمت، مراد تازگی ولطافت) اپنی طاقت وقوت اور بہترین خوشبو کی وجہ سے، سیدنا انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: میں نے کوئی ریشم باریک یا موٹا نہیں چھوا نہ ہی کوئی اور شے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے زیادہ نرم ہو، اور نہ ہی مین نے کوئی کستوری یا عطر سونگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارکہ سے زیادہ پیاری خوشبو والا ہو۔

(و)ك (البدر فى شرف) فكما "ان للبدر" شرفا على سائر الكواكب الليلية فى كمال الضياء كذلك النبى صلى الله عليه وسلم له شرف على سائر الخلق فى الحسن والبهاء، روى "كان يتلألأ وجهه تلألؤ القمر ليلة البدر" وك (البحر فى كرم) جود و سخاوة فكما ان البحر نفعه عام لعامة الخلق كذا النبى صلى الله عليه وسلم نفعه عام لعامة الخلق كيف وقد قال الله تعالى: " وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ "

و قد ورد: ما سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئًا قط فقال لا (و)ك (الدهر فى همم) فكما ان الدهر همه لا نهاية لها فكذالك همه صلى الله عليه وسلم لانهاية لها بل همه اجل من همم الدهر كما قال حسان بن ثابت فى مدحه صلى الله عليه وسلم:

بزرگی میں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہیں کیونکہ اس چودھویں کے چاند کو کمالِ روشنی میں باقی رات کے تاروں پر ایک فوقیت حاصل ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا، اور آپ جود و سخا میں سمندر کی طرح ہیں کہ جیسے سمندر کا نفع عام مخلوق کے لئے عام ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نفع ساری مخلوق کے لئے عام ہے، اور یہ کیسے نہ ہو جب کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: "اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام جہانوں کی رحمت بنا کر"،

اور یہ بات پہلے گزر گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگی گئی، جو آپ نے عطا نہ کی ہو، اور ہمتوں میں آپ زمانے کی طرح ہیں، تو جیسے زمانے کی ہمتوں کی کوئی حد و انتہاء نہیں ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمتوں کی کوئی حد یا انتہاء نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی ہمتیں زمانے کی ہمتوں سے بڑھ کر ہیں، جیسے کہ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ کی مدح میں فرمایا:

له همم لا منتهى لكبارها   وهمته الصغرى أجل من الدهر

له راحة لو ان معشار جودها   على البر كان البراندى من البدر

و الأولان من هذه التشبيهات راجعان الى الخلق والأخيران إلى الخلق والمقصود منها تقريب كمالاته إلى الأفهام و إلا فكيف يشبه حاله صلى الله عليه وسلم بما وجوده طفيل وجوده عليه اكمل التحيات وافضل الصلوات۔

ثم دفع مايتوهم من وصفه بكمال البشاشة وطلاقة الوجه من عدم المهابة بقوله:

آپ کی ہمتیں ایسی ہیں کہ ان کی بڑی بڑی ہمتوں کی انتہاء نہیں جب کہ آپ کی چھوٹی ہمت زمانے سے بھی عظیم تر ہے۔ آپ کا ہاتھ ایسا غنی ہے کہ اگر آپ کے ہاتھ کی عطا کا دسواں حصہ نیکی پر ہو تو نیکی چودھویں رات کے چاند سے بھی زیادہ روشن تر ہو جائے۔ (ایک جگہ یہاں بر سے مراد صحراء و دشت لیا گیا ہے اور بدر کی جگہ بحر ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اگر دشت و صحراء کو آپ کے جود و سخا کا دسواں حصہ دیا جائے تو وہ سمندر سے زیادہ سخی اور فیاض ہو جائے۔ قاری محمد یاسین قادری شطاری ضیائی)

ان تشبیہات میں سے پہلی دونوں مخلوق کی طرف راجع ہیں اور آخری دونوں مخلوق اور مقصود کی طرف راجع ہیں، اسی سے ہے آپ کے کمالات کو فہموں کے قریب کرنا اور اگر نہیں تو پھر آپ کے حال کو اس کے ساتھ کیسے تشبیہ دی جا سکتی ہے جس کا وجود آپ کے وجود کے طفیل ہے۔ آپ پر کامل ترین سلام اور افضل ترین درود ہوں۔

(۵۶)

كَأَنَّهُ وَهُوَ فَرْدٌ مِنْ جَلَالَتِهِ
فِي عَسْكَرٍ حِينَ تَلْقَاهُ وَفِي حَشَمِ

(كأنه) اى النبى صلى الله‌عليه وسلم (وهو فرد) ليس معه احد، حال من اسم كأن أومن المستكن فى خبره (فى جلالته) لأجل جلالته و عظمته و مهابته، علة للجملة التشبيهية كائن (فى عسكر) عظيم خبر كأن (حين تلقاه) أى النبى صلى الله‌عليه وسلم، و التعبير بالمضارع استحضارًا لتلك الصورة البديعة و هو ظرف للخبر (وَ) كائن (فى حشم) كثير و المقصود تشبيه منفردًا بنفسه المباركة مصحوبًا بعسكر عظيم و حشم

---

۵۶) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جلالت شان اور عظمت میں یکتا وتنہا ہیں تو ان سے خواہ تنہائی میں ملاقات کرے تجھ پر ان کی ہیبت یوں طاری ہو جائے گی، جیسے کہ آپ لشکر میں یا ایک بہت بڑی جماعت میں ہیں۔

گویا آپ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اکیلے اور یکتا ہیں اور آپ کے ساتھ کوئی نہیں، کان کے اسم یا خبر میں پوشیدہ ضمیر سے حال ہے، فی جلالتہ کا معنی ہے آپ کی جلالت، عظمت، اور ہیبت کی وجہ سے، یہ لفظ جملہ اول جس میں تشبیہ ذکر کی گئی ہے اس کی علت ہے، آپ لشکر عظیم میں ہوں، فی عسکر کان کی خبر ہے اس کی صفت مقدر ہے جو عظیم ہے اس کا معنی ہے لشکر عظیم میں، جس وقت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرے، یہاں لفظ تلقاہ کو مضارع لانے کا مطلب یہ ہے اس صورتِ جدید کو جس کی کوئی مثال نہیں ہے، ذہن میں حاضر کرنا ہے اور یہ خبر کا ظرف ہے، فی حشم کا متعلق کائن مقدر ہے، اس کی صفت محذوف ہے، جو کثیر ہے، مقصود آپ کی

جسیمٍ فی الجلالة و الوجاهة و المهابة و العظمة :

ولیس من اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

(۵۷)

كَاَنَّمَا اللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُوْنُ فِیْ صَدَفٍ
مِنْ مَعْدِنَیْ مَنْطِقٍ مِنْهُ وَ مُبْتَسَمِ

(کانما اللؤلؤ) الدر (المکنون) المستور (فی صدف) قید به لانه یکون فیه فی کمال الصفاء و البهاء، ناش (من معدنی منطق) محل نطق کائن (منه) صلی اللہ علیه و سلم و هو اللسان (ومبتسم) و مکان تبسم

ذات مبارکہ کو جو منفرد ہے تشبیہ دیتا ہے، عظیم لشکر اور بڑی جماعت کے ساتھ ہونے کی حالت کے ساتھ، جلالت شان، وجاہت، ہیبت اور عظمت میں۔

اور اللہ تعالی سے ناممکن نہیں ہے کہ وہ جہان کو ایک میں جمع فرمادے۔

۵۷) یوں لگتا ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گویائی اور تبسم کی دو کانوں کے درمکنون یعنی سیپ میں چھپے ہوئے موتی ہیں، جو آپ گفتگو کے الفاظ اپنے دھانِ اقدس سے صادر فرماتے ہیں اور آپ کے دانت مبارک ظاہر ہوتے ہیں۔

لؤلؤ یعنی موتی مکنون یعنی چھپا ہوا سیپ میں یہ سیپ کی قید لگانے سے اس بات کو واضح کرنا مقصود ہے کہ سیپ میں جو موتی ہوتا ہے وہ کمال صفائی والا اور چمک دار ہوتا ہے، اور قیمتی، جو پیدا ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ گفتگو سے اور وہ زبان حق ترجمان ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ تبسم یعنی دونوں ہونٹ مبارک سے، شاعر نے موتی کو انتہائی صفائی اور چمک میں نبی

منه صلى الله عليه و سلم اعنى الشفتين المباركتين، شبه الدر الذى يكون فى غاية الصفاء و البهاء بكلامه المهذب المنقح الموجب لثروة الحياة لأبدية و المثمر للعقبى السرمدية و بأسنانه المباركة اللامعة كالبرق كما روى أنه صلى الله عليه وسلم "اذا تبسم ضاحكًا افتر عن مثل سنا البرق و عن مثل حب الغمام" و اذا تكلم رئى كالنور يخرج من ثناياه، وهذا التشبيه كما فى قوله:

وبدا الصباح كأن غرته
وجه الخليفة ثم يمتدح

ثم انه بعد ما اشار الى امتيازه فى الخلق والخلق على من سواه فى الحياة، اشار الى انه ممتاز عمن سواه بعد الممات ايضًا فقال:

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہذب، پاکیزہ تر، دولتِ حیاتِ ابدی اور آخرت کی سرمدی زندگی اس کا نتیجہ ہے کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور آپ کے بجلی کی طرح چمکدار مبارک دانتوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے جیسا کہ آپ سے مروی ہے: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسکراتے تو آپ کے دانت مبارک بجلی کی طرح چمکتے، اور اولوں کی طرح سفید ظاہر ہوتے، اور جب آپ گفتگو فرماتے یوں دیکھا جاتا جیسے آپ کے سامنے والے دانتوں سے نور نکلتا ہے، اور یہ تشبیہ ایسے ہی ہے جیسے شاعر کا قول ہے:

صبح روشن ہوئی اس کی چمک گویا خلیفہ کا چہرہ ہے، پھر اس کی مدح کی جاتی ہے۔

پھر شاعر نے آپ کے اخلاق وخلقت میں اپنے سے علاوہ پر امتیاز کو ذکر کرنے کے بعد اور اس طرف اشارہ کرنے کے بعد کہ آپ اپنے ماسوا سے بعد از وصال بھی ممتاز ہیں فرمایا:

(۵۸)

لَاطِيبَ يَعْدِلُ تُرْبًا ضَمَّ اَعْظُمَهٗ
طُوبٰى لِمُنْتَشِقٍ مِنْهُ وَمُلْتَثِمٖ

(لاطيب) في العالم (يعدل) يسوي نفسه (تربا) اى بترب (ضم) جمع (اعظمه) صلى الله عليه وسلم صفة تربا بل يرى نفسه بالنسبة اليه كالتراب بالنسبة الى الطيب اذ لا قيمة له بالنسبة إلى تراب روضته المقدسة المطهرة الميمونة المباركة، وهذا ماخوذ من قول فاطمة رضى الله تعالى عنها في مرثيته صلى الله عليه وسلم:

صبت علی مصائب لو انها صبت علی الایام صرن لیالیا
ماذا علی من شم تربة احمد ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

---

۵۸) کوئی بھی خوشبو آپ کے جسم سے ملی ہوئی مٹی کے برابر نہیں ہے، مبارک اسے جو آپ کی خاک قبر یا جسم اطہر کو سونگھنے والا اور چومنے والا ہے۔

جہاں میں کوئی بھی خوشبو اس مٹی کے برابر نہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر سے ملی ہوئی ہے، مٹی اگر خود کو دیکھے تو مٹی ہی ہے بنسبت خوشبو کے کیونکہ خوشبو کی جو قیمت ہے وہ مٹی کی قیمت نہیں ہو سکتی، مٹی خوشبو کے مقابل تو بے قیمت ہے، لیکن خوشبو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر سے ملی ہوئی مٹی کے مقابل بے قیمت ہے، جبکہ روضۂ مبارکہ پاکیزہ، کی مٹی کے مقابل بھی اس خوشبو کی کوئی وقعت نہیں، یہ بات سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درجِ ذیل اشعار سے ماخوذ ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غم میں سیدہ نے کہے۔

مجھ پر ایسی مصائب انڈیل دی گئی ہیں کہ اگر وہی مصائب دنوں پر ڈال دی

وذکر " الاعظم " تعبیر ان الکل باعظم اجزائه و الا فجسد ه المبارك الآن کما کان فی حال الحیاة لقوله صلی الله علیه وسلم :" ان الله حرم علی الارض أن تأکل اجساد الأنبیاء» بل قد یحیی صلی ا لله علیه وسلم فی القبر لقوله صلی الله علیه وسلم :"ما من احد یسلم علی الا رد الله علی روحی حتی ا رد علیه السلام "۔

(طوبی) حالة جمیلة کائنة (لمنتشق) و فی بعض النسخ "لمستنشق " ای لشام من " انتشقت الریح و ا ستنشقتها " ؛ شممتها (منه) ای من ذلك التراب المیمون (وملتثم) مقبل ذلك التراب من

جائیں تو وہ راتیں بن جائیں، اس شخص کو کیسے تکلیف ہو سکتی ہے جس نے اللہ کے رسول احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی مٹی سونگھی تو وہ اگر ساری زندگی کسی اور قیمتی خوشبو کو نہ سونگھے تو کونسی اچنبے کی بات ہے۔

علامہ بوصیری نے اعظم کا ذکر کیا، جس کا معنی ہڈیاں ہے کیونکہ اس میں اعتبار اس چیز کا ہے کہ آپ کے جسم اطہر کے اجزاء میں سے ہڈیاں بول کر کل مراد ہے ورنہ آپ کا جسم اقدس اب بھی اسی طرح سلامت ہے جیسے زندگی کی حالت میں تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: "بے شک اللہ تعالی نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے،، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں یقیناً زندہ ہیں کیونکہ آپ نے خود فرمایا: "کوئی شخص مجھ پر سلام نہیں کہتا مگر اللہ تعالی میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے حتی کہ میں اس کو سلام کا جواب دیتا ہوں۔

طوبی سونگھنے والے کی خوبصورت حالت کو بیان کرتا ہے، خوشبو پھیلی تو میں نے اسے سونگھا یعنی اس برکتوں والی مٹی کو میں نے سونگھا ملتثم، کا معنی ہے اس مٹی کو چومنے والا کیونکہ یہ لفظ التثام سے ہے اور التثام کا معنی ہے تقبیل یعنی چومنا۔

الالتثام و هو التقبيل۔

ثم شرع فی بیان المعجزات وما ظهر قبل الولادة وعند الولادة فقال:

(۵۹)

أَبَانَ مَوْلِدُهُ عَنْ طِيبِ عُنْصُرِهِ
يَا طِيبَ مُبْتَدَءٍ مِنْهُ وَمُخْتَتَمِ

(أبان) اتضح و أبنته أوضحته يتعدى و لا يتعدى اى كشف (مولده) زمان ولادته صلى الله عليه وسلم (عن طيب) طهارة و نزاهة (عنصره) اصله (يا) النداء للتعجب (طيب مبتداء) زمان ابتداء كائن (منه) صلى الله عليه و سلم (و مختتم) و زمان اختتام منه، نحن عاجزون عن معرفتك كما انت۔

پھر علامہ بوصیری معجزات اور جو کچھ ولادت سے پہلے یا ولادت کے وقت ظہور پذیر ہوااس کو بیان کرنے میں شروع ہو رہے ہیں: تو انہوں نے کہا:

(۵۹) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ ولادت نے آپ صلی اللہ وسلم کی پاکیٔ فطرت سے بہت ساری عجیب باتوں کو ظاہر کردیا جس سے آپ کی خوشبوءِ ولادت اور خوشبوءِ وصال اور حسنِ پاک بھی ظاہر ہو چکا ہے۔

اس نے ظاہر کیا، وضاحت کی، تو نے بیان کیا یا تو نے وضاحت کی، یہ لفظ ابان متعدی اور غیر متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، معنی ہے کہ آپ کے ولادت کے زمانہ نے آپ کے عنصر (اصل) مبارک کی پاکی، ستھرائی، اور نزہت کو بیان کیا، یا ندائیہ ہے جو تعجب کے لئے ہے (طیب مبتدء) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء کا زمانہ، (ومختتم) آپ کے اختتام یعنی وصال کا زمانہ، ہم آپ کی معرفت سے عاجز ہیں

ثم طيبه صلى الله عليه وسلم على ماذكر بعضه ماروت صفية بنت عبد المطلب انها قالت: "كنت في ليلة ولادته قابلته فشاهدت أن نوره غلب على نور السراج، وشاهدت تلك الليلة ست علامات أحدها: أنه لما خرج سجد - وثانيها: أنه رفع رأسه فقال: لا إله إلا الله إني رسول الله، ثالثها: أنه اضاء البيت بنوره، رابعها: إني أردت أن اغسله فهتف هاتف يا صفية لا تتعبي نفسك فاني أخرجته مغسولاً طيباً طاهراً، خامسها: انى (اردت ان ارى) أنه ابن او ابنة فرأيت مختونا مقطوع السرة، سادسها اردت ان البسه لفافة فرءيت على ظهره خاتم النبوة مكتوب فيه لا إله الله محمد رسول الله"۔

جیسا کہ آپ ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو جیسا کہ بعض نے ذکر کیا ہے، وہ ہے جو سیدہ صفیہ بنتِ عبدالمطلب نے روایت کی، کہ سیدہ فرماتی ہیں: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی رات آپ کی دایہ تھی، تو میں نے دیکھا کہ آپ کا نور چراغ کے نور پر غالب تھا، اور میں نے اس رات چھ علامات کا مشاہدہ کیا:

۱۔ جب آپ شکم مادر سے باہر تشریف لائے تو آپ نے سجدہ کیا۔

۲۔ میں نے دیکھا آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ ۳۔ آپ کے نور سے گھر روشن ہو گیا۔

۴۔ میں نے ارادہ کیا انہیں غسل دوں، تو میں نے آواز سنی کوئی غیب سے پکار رہا تھا، اے صفیہ تو اپنے آپ کو مشکل میں نہ ڈال، میں نے اسے غسل دیا ہوا طیب وطاہر پیدا کیا ہے۔ ۵۔ میں نے چاہا کہ دیکھوں لڑکا ہے یا لڑکی تو میں نے آپ کو ختنہ شدہ اور ناف کٹا ہوا دیکھا۔ ۶۔ میں نے چاہا کہ انہیں چادر اڑا دوں تو میں نے دیکھا آپ کی پشت مبارک پر خاتمِ نبوت تھی، اس میں لکھا ہوا تھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

وبعضه ماروی عن عائشة رضی الله عنها "أنها قالت لما أرادواغسل النبی صلی الله علیه وسلم قالوا : لا ندری أنجرد رسول الله صلی اللهعلیه وسلم من ثیابه کما نجرد موتانا أم نغسله وعلیه ثیابه؟ فلما اختلفوا ألقی الله تعالی علیهم النوم حتی ما منهم رجل إلا و ذقنه فی صدره، ثم کلمهم مکلم من ناحیة البیت لا یدرون من هو، إغسلوا النبی صلی اللهعلیه و سلم وعلیه ثیابه، فقاموا فغسلوه وعلیه قمیصه یصبون الماء فوق القمیص و یدلکونه بالقمیص"۔

وما روی "عن علی رضی الله تعالی عنه أنه قال: ما رأیت وقت

اور کچھ وہ باتیں ہیں جنہیں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہ نے روایت کیا: سیدہ نے فرمایا: جب صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ فرمایا، تو کہنے لگے ہمیں نہیں معلوم کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے اتاریں یا نہ جیسا کہ ہم اپنے مردوں کے کپڑے اتارتے ہیں، یا ہم آپ کو کپڑوں میں ہی غسل دے دیں؟ جب اختلاف ہوا تو اللہ تعالی نے ان پر نیند طاری کردی حتی کوئی بھی آدمی ان میں سے جو تھا اس کی ٹھوڑی اس کے سینہ میں تھی، پھر کسی کلام کرنے والے نے ان سے گھر کے کونے سے کلام کی، انہیں نہ معلوم ہوسکا کہ وہ کون ہے؟ اس نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دو کہ آپ کے کپڑے آپ کے جسم اطہر پر ہی رہیں تو صحابہ اٹھے اور آپ کو غسل دینے لگے اس حال میں کہ آپ کے کپڑے آپ کے جسم پر ہی تھے، آپ کے اوپر پانی آپ کی قمیص کے اوپر سے ہی ڈال رہے تھے، اور قمیص کے ساتھ آپ کے جسم کو ملتے تھے۔

اور وہ جو سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے: کہ آپ نے فرمایا: میں نے آپ کے جسمِ اطہر کو دھوتے وقت وہ میل وکچیل وغیرہ نہ دیکھی جو دیگر مردوں میں

غسل بدنه المبارك ما للأموات من درن ووسخ وغيره فقلت: بأبي وأمي أطيبك حيا وميتا"۔

وما روى عنه أنه سئل عن سبب كمال فهمه وحفظه فقال: لما غسلت رسول الله صلى الله عليه وسلم بقي قطرة ماء في عينيه صلى الله عليه وسلم، ولم أجوز إراقته على الأرض، فشربت فصار بذلك فهمي وحفظي كاملاً وفائقاً۔

وبعضه ما أشار إليه الناظم قدس سره بقوله:

(٦٠)

يَوْمَ تَفَرَّسَ فِيهِ الْفُرْسُ أَنَّهُمْ
قَدْ أُنْذِرُوا بِحُلُوْلِ الْبُؤْسِ وَالنِّقَمِ

ہوتی ہے، تو میں نے کہا: آپ زندہ بھی کیا ہی پاکیزہ اور طیب تھے اور اب بعد از وصال بھی۔

اور وہ جو انہی سے روایت ہے، کہ آپ سے آپ کی کمال سمجھ اور حافظہ سے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: جب میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا تو ایک قطرہ آپ کی آنکھوں میں ٹھہر ارہا، اور میں نے اسے زمین پر گرانا جائز نہ جانا، لہٰذا میں نے اس قطرہ کو پی لیا، اس سے میرا حافظہ اور سمجھ اس قدر کامل اور فائق ہوگئی ہے۔

اور صاحبِ قصیدہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس وصفِ خاص کی طرف اپنے درجِ ذیل شعر میں بھی اشارہ فرمایا ہے:

٦٠) یہ وہ دن ہے جس میں انہیں (اہلِ فارس کو) ذلت وحقارت کا ان پر نازل ہونا معلوم ہو چکا اور ان کی حکومت کا زائل ہونا معلوم ہو چکا ہے (کیونکہ انہوں نے

(يوم) بدل من مولده، كثيرًا مايطلق اليوم ويراد به مطلق الوقت وهو المراد ههنا (تفرس) صفة يوم إى عملوا بالفراسة (فيه) فى ذلك اليوم (الفرس) كالقفل الفارسيون (انهم) مفعول "تفرس" (قد انذروا) خوفوا (بحلول) نزول (البؤس) الشدة والعذاب (والنقم) كالنعم جمع نقمة كنعمة وهى المصيبة يعنى علموا نزول الهوان والحقارة بهم وزوال مملكتهم لمشاهدتهم أموراً غريبة لم يشاهدوها أصلاً۔

(٦١) وَبَاتَ اِيْوَانُ كِسْرٰى وَهُوَ مُنْصَدِعٌ
كَشَمْلِ اَصْحَابِ كِسْرٰى غَيْرَ مُلْتَئِمِ

ایسے عجیب وغریب امور کا مشاہدہ کیا ہے جنہیں اس سے پہلے انہوں نے بالکل نہیں دیکھا تھا) وہ بڑے عذاب، اور انتقام سے ڈرائے گئے ہیں۔

یوم کا لفظ مولدہ سے بدل ہے، یوم کا لفظ بہت زیادہ مطلق استعمال ہوتا ہے، اور اس سے مراد مطلق وقت ہوتا ہے، اور یہ ہی یہاں مراد ہے، تفرس یوم کی صفت ہے معنی ہے، انہوں نے اس دن میں فراست سے کام لیا، فرس، قفل کی طرح ہم وزن ہے مراد اس سے فارسی لوگ ہیں، انھم یہ تفرس کا مفعول ہے، قد انذروا کا معنی ہے ڈرائے گئے، سختی اور شدت وعذاب کے نزول کی وجہ سے، اور نِقَم، نِعَم کی طرح ہے جمع نِقْمَة کی جیسے نعمۃ اور نقمہ مصیبت ہے، یعنی انہیں ذلت وحقارت کا ان پر نازل ہونا معلوم ہو چکا اور ان کی حکومت کا زائل ہونا معلوم ہو چکا ہے کیونکہ انہوں نے ایسے عجیب وغریب امور کا مشاہدہ کیا ہے جنہیں اس سے پہلے انہوں نے بالکل نہیں دیکھا تھا۔

(٦١) ایوان کسری اس طرح پارہ پارہ ہوئے جیسے کسریٰ کا لشکر بکھرا جو پھر ملنے

(وَ) يوم (بات) فيه (إيوان) في الصحاح : الاوان والايوان ؛ الصفة العظيمة ، وجمع الأول أُوُن مثل خِوَانٍ خُوُنٌ ، الثاني إيوانات و أواوين لأن أصله اوان ، فأبدلت من إحدى الواوين ياء ، وفي الدستور : أَيوان ، بفتح الهمزة (كسرى) بكسر الكاف و فتحها ، اسم جنس لملوك الفرس كما أن قيصر اسم ملوك الروم وهو معرب خسرو و المراد ههنا نوشيروان بن القباد العادل ، (و هو منصدع) حال من الايوان أي منشق ومنكسر (كشمل) خبر "بات" أي مثل تفرق ۔

(اصحاب كسرى) الذي بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم

والانہیں ہے۔

اور جس دن میں ایوانِ کسری ٹوٹ کر پارہ پارہ ہوئے (ایوان: صحاح لغت کی کتاب ہے، جس میں اوان اور ایوان ہے، عظیم اس کی صفت ہے، اس کے پہلے وزن کی جمع، اُوُن ہے جیسے، خوانٌ خُوُنٌ ، دوسرا وزن ہو تو وہ ایوانات اور اواوین کے وزن پر جمع لایا جاتا ہے، کیونکہ اس کی اصل اوان ہے، کیونکہ اس کی اصل اوان ہے پھر ایک واو کو یاء سے بدل دیا گیا ہے، اور دستور میں ہے: ایوان ، ہمزہ کے زبر کے ساتھ) کسری کاف کے زبر اور زیر دونوں کے ساتھ استعمال میں ہے۔ یہ لفظ فارس کے بادشاہوں کا اسمِ جنس ہے جیسا کہ روم کے بادشاہوں کا نام قیصر ہے اور یہ خسرو سے عربی بنایا گیا ہے، اور یہاں مراد نوشیرواں بن قباد عادل ہے، یہ لفظ منصدع ایوان کا حال ہے معنی ہے اس حال میں کہ وہ ٹوٹنے والا ہے، کشمل بات کی خبر ہے معنی ہے جدا ہونے کی مثل۔

(کسری کی فوج) کسری وہ ہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خط سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی کو دے کر بھیجا اور اسے حکم دیا کہ یہ خط عظیم

بكتابه اليه مع عبد الله بن حذافة السهمي و أمره أن يدفعه إلى عظيم البحرين فدفعه عظيم البحرين اليه فلما قرءه مزقه فدعا عليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يمزقوا كل ممزقٍ أى فرقهم الله تفريقًا تامًا، و اسمه خسرو الذى زوجته شيرين، فاجاب الله تعالى دعاء نبيه فيهم، فقام ابن خسرو شيرويه فشق بطن أبيه ليتزوج بشيرين لغلبة عشقه بها، فلما دفن خسرو قال شيرويه: تعالى اتزوجك، فقالت: اصبر لادخل قبر أبيك وأودعه، فدخلت القبر وأخذت سيفاً ووضعت مقبضه على جرح خسرو ووضعت بطنها على طرف السيف واعتمدت على السيف حتى دخل السيف فى بطنهاوخرت على خسرو ميتة۔

والشمل من الأضداد يقال: جمع الله شمله أي ما تشتت من أمره

البحرین کو دے، آپ نے وہ خط اس تک پہنچا دیا، پھر آپ نے پڑھ کر سنایا اس نے سننے کے بعد اسے پھاڑ دیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف دعا مانگی، کہ اللہ تعالیٰ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے، اس کا نام خسرو تھا اس کی بیوی شیریں تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا کو قبول فرمایا: خسرو کا بیٹا شیرویہ اٹھا اس نے اپنے باپ کا پیٹ پھاڑ تا کہ شیریں سے شادی کر لے، کیونکہ اسے شیریں یعنی اپنی ماں سے محبت کا غلبہ تھا، جب خسرو دفن کر دیا گیا تو شیرویہ نے شیریں سے کہا: آمیں تجھ سے شادی کروں! اس نے کہا صبر کرتا کہ میں تیرے باپ کی قبر میں داخل ہوں اور اسے الوداع کروں، لہٰذا وہ قبر میں داخل ہوئی اور اپنی تلوار کے دستہ کو اس کے زخم پر رکھا اور دوسری طرف سے اپنے پیٹ کے ساتھ تلوار لگائی حتی کہ اس کے پیٹ میں داخل ہوگئی اور وہ مر کر خسرو کے اوپر گر گئی۔

شمل کا لفظ اضداد میں سے ہے یعنی ایسے لفظوں میں سے جن کے معانی مخالف اور دوہرے ہوتے ہیں، کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کے شیرازہ کو جمع فرمادے،

وفرق الله شمله أي ما اجتمع من أمره كالبين للفراق و الوصال، (غير ملتئم) مجتمع، حال من "اصحاب"۔

(۶۲)

وَالنَّارُ خَامِدَةُ الْاَنْفَاسِ مِنْ اَسَفٍ
عَلَيْهِ وَالنَّهْرُ سَاهِي الْعَيْنِ مِنْ سَدَمِ

(وَ) يوم (النار) التى يعبدها الفرس وقد مضى عليها ألف سنة لم تخمد أصلاً (خامدة) ساكنة (الأنفاس) اى الألهاب فيه (من اسف) لأجل تأسف و حزن (عليه) أي كسرى مع ما توجه إليه من انشقاق الايوان (و

یعنی اس کے کام و معاملہ میں سے جو کچھ بکھر کر متفرق ہو چکا ہے اسے جمع فرماوے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے: اللہ تعالی اس کے شیرازہ کو بکھیر دے یعنی جو کچھ جمع ہے اسے جمع نہ رہنے دے، یعنی اتحاد ختم کر دے، جیسے: لفظ بین کا معنی وصل بھی ہے اور جدائی بھی ہے، غیر ملتئم یہ لفظ اصحاب کا حال ہے، معنی ہے: جمع نہ ہونے والا یا نہ ملنے والا، نہ ملا ہوا۔

۶۲) اور آگ کے شعلے ساوہ نہر کے خشک ہونے پر افسوس کی وجہ سے بجھ گئے، اور نہر اس پر غم اور ندامت کی وجہ سے اپنے چشمہ اور بہنے کی جگہ کو بھول گئی اور دوسری جگہ بہنے لگی۔

اس آگ کا دن جس آگ کو فارسی مجوسی لوگ پوجتے تھے، اور اس پر انہیں ہزار سال گزر گیا اور اتنا عرصہ بالکل اس کے شعلے نہ بجھے، اس کا بجھنا کسری پر غم کی وجہ سے تھا اس کے ساتھ ایوان کسری کے ٹوٹنے کا واقعہ بھی ہو چکا تھا، اور نہر چشمے سے بہہ نکلنے سے ساکن ہوگئی یا معنی یہ ہے کہ وہ چشمے کو بھول گئی کہ وہ اپنی گزرگاہ کے علاوہ بہنے

النهر ساهي) ساكن (العين) الينبوع عن الجريان أو غافل العين بأن جرى في غيرمرة وخرّ بناء كسرى غير مرة ، (من سدم) لأجل ندم وحزن عليه و ما توجه اليه ، و سدم كندم۔

(٦٣)

وَسَاءَ سَاوَةَ اَنْ غَاضَتْ بُحَيْرَتُهَا
وَرُدَّ وَارِدُهَا بِالْغَيْظِ حِيْنَ ظَمِيْ

(و) يوم (ساء) أحزن فيه، ساء،يسوء،سوءاً، بالفتح، نقيض سره والاسم السوء بالضم وقرئ عليهم دائرة السوء يعني الهزيمة والشر، أهل (ساوة) مفعول "ساء" وهي مدينة بين الهمدان والرى من مدنهم (ان

لگی، کسری کی عمارت ایک سے زائد بار ٹوٹ کر گری، اس لئے کہ اس پر ندامت وشر مندگی اور غم کی وجہ سے اور کسری کے محل ٹوٹنے کی وجہ سے ایسا ہوا اور جس طرف اس کی توجہ ہوئی، اور سدم ندم کی طرح ہے۔

٦٣) اور ساوہ کے رہنے والوں کو غم زدہ کردیا اس کی بحیرہ نہر کے پانی کے جذب ہوکر خشک ہونے نے اور اس نہر پر آنے والے پیاس کی وجہ سے غصہ کے ساتھ واپس لوٹ جاتے ہیں۔

اور جس دن میں غم زدہ کردیا (ساء یسوء، سوءا سے ہے اس کا معنی غم زدہ کرنا ہے، یہ سرور کی نقیض یعنی ضد ہے، اور اس کا اسم سُوءٌ ہے، اور یہ پڑھا جاتا ہے کہ ان پر بری گردش یعنی شکست وشر ہے) ساوہ سے پہلے اہل کا لفظ محذوف ہے، معنی ہے ساوہ والوں کو غم زدہ کردیا، اور یہ ساء کا مفعول ہے، اور یہ ساوہ ایک شہر ہے، ہمدان اور ریّ کے درمیان یہ کافروں کے شہروں میں سے تھا، ان غاضت ساء کا فاعل ہے، اور بحیرہ

غاضت) نقصت فاعل "ساء" (بحيرتها) أى ماء بحيرة ساوة (ورد) صرف ، قرئ معلومًا ففاعله ضميره الراجع إلى " أن غاصت " و مجهولًا (واردها) أى داخل البحيرة متلبساً (بالغيظ) الغضب حيث لم يجد فيها ماءًا (حين ظم) عطش ،ظرف ردّ وواردها ،و ظمى من الظماء، قلبت همزته ياءًا و أسكنت لضرورة القافية ۔

ثم بين خمود النار وجمود الماء بوجه لطيف تخييلي :

(۶۴)

كَأَنَّ بِالنَّارِ مَا بِالْمَاءِ مِنْ بَلَلٍ

حُزْنًا وَبِالْمَاءِ مَا بِالنَّارِ مِنْ ضَرَمِ

سے پہلے لفظ ماء محذوف ہے معنی ہے ساوہ شہر کی نہر کے پانی نے خشک ہوکر شہر والوں کو غم زدہ کردیا۔ اور رُدَّ کا معنی ہے پھیر دیا گیا، اسے معروف بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل ہوگی جو راجع ہوگی ان غاضت کی طرف اور اگر مجہول ہو تو پھر اس کا فاعل واردھا ہے یعنی بحیرہ میں داخل ہونے والا اس حال میں کہ اسے اس لئے غصہ وغضب ہے کہ اس نے اس میں پانی نہیں پایا اور، ظم بمعنی پیاس ہے، اور ردّ اور واردھا کا ظرف ہے، اور ظمی ظماء سے ہے ہمزہ کو یا سے بدل دیا گیا ہے، اور ضرورت قافیہ کے لئے ساکن کردیا گیا ہے۔

پھر صاحبِ قصیدہ بردہ نے آگ کے بجھنے اور اور پانی کے جامد ہونے کے درمیان ایک لطیف تخیلی وجہ کو بیان کیا ہے:

۶۴) گویا بوجہِ غم آگ کی کیفیت وہ ہوگئی ہے جو پانی کی ہوتی ہے کہ وہ تر کرتا ہے اور پانی کی کیفیت وہ ہوگئی ہے جو آگ کی ہے کہ وہ جلا رہا ہے۔

(كان) التصق (بالنار ما) الذي ثبت (بالماء من بلل ندى من بله يبله بالضم نداه، وفي الحديث: "بلوا أرحامكم و لو بالسلام" أي ندوها بالصلة يعني أن النار أخذت طبيعة الماء من الرطوبة فطفئت۔

(حزنا) مفعول له أي طفئت حزناً على عابديها وعامله هو "طفئت" المفهوم من سياق الكلام لا الظرف المستقر لعدم اتحاد الفاعل الموجب لتقدير اللام على ما هو المشهور۔

قال الرضي: "و بعض النحاة لايشترط تشاركهما في الفاعل" و هو الذي يقوى في ظني وان كان الأغلب هو الأول، و الدليل على جواز عدم التشارك قول أمير المؤمنين علي رضی اللہ تعالى عنه في نهج البلاغة:

گویا آگ کے ساتھ وہ کیفیت مل گئی ہے جو پانی کے لئے ثابت ہے یعنی تری، گیلا پن، بلل ،بلّہ ،یبلّہ سے ہے، جس کا معنی تر ہونا یا تر کرنا ہے، اور حدیث شریف میں ہے: اپنے رحموں کو تر رکھو اگر چہ سلام کے ساتھ ہی سہی، معنی یہ ہے کہ صلہ رحمی کر کے اسے تروتازہ رکھو، شعر کے جملہ کا معنی ہوا کہ آگ نے پانی کی طبیعت لے لی ہے یعنی گیلا کرنا اور وہ بجھ گئی ہے۔

حزنا مفعول لہ ہے معنی ہوا آگ بجھ گئی اپنے عابدوں پر غم کرتے ہوئے، اور اس کا عامل طفئت ہے جو سیاقِ کلام سے سمجھا جارہا ہے، ظرف مستقر نہیں ہے کیونکہ فاعل کا اتحاد نہیں ہے، جو لام کی تقدیر کا موجب ہے جیسا کہ مشہور ہے۔

رضی کہتے ہیں: اور بعض نحوی اس دونوں کے فاعل میں شریک ہونے کی شرط نہیں لگاتے، اور یہ ہی وہ بات ہے جو میرے گمان میں قوت والی ہے، اگر چہ زیادہ غالب پہلی بات ہے، اور شراکت کے نہ ہونے پر دلیل نہج البلاغہ میں امیر المؤمنین رضی اللہ تعالی عنہ کا ارشاد مبارک ہے:

"فاعطاه "الله" النظرة استحقاقا للسخطة و استتماما للبلية" و إنجازًا للعبدة" والمستحق للسخط ابليس والمعطى للنظرة هو الله تعالى۔

ولا يجوز أن استحقاقا حالا من المفعول لأن استتماما اذن يكون حالا من الفاعل و كذا انجازا للعدة ولا يعطف حال الفاعل على حال المفعول انتهى۔

اقول: وفيه بحث إذ قد صرح فى أول بحث الحال بعكسه فقال:

"يجوزعطف أحد حالى الفاعل و المفعول على الآخر كقولك: زيدًا ما شيا وراكبا "(و) التصق (بالماء ما) الذى ثبت (بالنار من ضرم) كندم، اشتعال والتهاب يعني أن الماء أخذ طبيعة النار فجمد حزناعليهم۔

تو اللہ تعالی نے اسے مہلت دی غصہ اور ناراضگی کا مستحق ہونے کی وجہ سے اور آزمائش کو پورا کرنے کے لئے، گنتی کو پورا کرنے کے لئے، اور مستحقِ غصہ ابلیس ہے اور عطا کرنے والا اللہ تعالی ہے۔

اور یہ بات جائز نہیں ہے کہ استحقا قامفعول کا حال ہو کیونکہ پھر تو استتماما بھی فاعل کا حال ہوگا اور اسی طرح انجازاللعدۃ ہے، اور فاعل کے حال کا عطف مفعول کے حال پر نہیں ہے، بات پوری ہوئی۔

اور میں کہتا ہوں: اس میں ایک بحث یہ ہے کہ وضاحت حال کی بحث کے شروع میں اس کے عکس کے ساتھ کی گئی ہے، تو اس نے کہا: فاعل ومفعول کے حالوں میں سے ایک کا عطف دوسرے پر جائز ہے جیسے تیرا کہنا: "زیدا ماشیا و راکبا"، (میں نے زید کو دیکھا اس حال میں کہ وہ پیدل آرہا تھا اور میں سوار تھا) اور وہ چیز جو آگ کے ساتھ تھی وہ پانی کے ساتھ مل گئی ہے، اور وہ ہے جلانا، لفظِ ضرم، ندم کی طرح ہے، معنی ہے، شعلہ زن ہونا لپٹیں مارنا، یعنی پانی نے آگ کی طبیعت لی تو ان پر غم

هذا تفصيل ما ذكر فی الابيات الاربعة من الامارات أن فی ليلة ولادته صلی اللّٰہعليه و سلم تزلزل ايوان كسری و سقط منه أ ربع عشرة شرفة وخمدت النار التی مضی عليها ألف سنة و هی متقدة و غار ماء البحيرة و رأی موا بذان و كان أعلم ا لمجوس فی المنام ، كأن الجمال الشرد العربية الغيرا لمخطومة تقود الخيل العربی حتی جاوزت دجلة وتفرقت البلاد، و اضطرب كسری من التزلزل و السقوط غاية الاضطراب و تحير تحيرا شديدًا ، فلما أصبح جلس علی السرير فقص القصة عند ا لوزراء و الحكماء، و كانوا فی ذلك اذ وصل اليهم خبر ا لنار ، وأخبر أعلم ا لمجوس

کی وجہ سے جامد ہو گیا۔

یہ تفصیل ہے اس کی جو چار شعروں میں ان علامات کا ذکر کیا گیا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی رات سے متعلق ہیں:

☆ ایوان کسری میں زلزلہ آیا، ☆ اس کے چودہ کنگرے گر گئے،

☆ اس آگ کا بجھنا جس پر ایک ہزار سال گزر گئے اور وہ جل رہی تھی،

☆ بحیرہ کا پانی گہرائی میں چلا گیا۔

موابذان نے خواب دیکھا یہ موابذان مجوسیوں کا بہت بڑا عالم تھا'' کہ بدکے ہوئے عربی بے لگام اونٹ عربی گھوڑوں کو ہانک رہے ہیں حتی کہ دجلہ کو عبور کر گئے ہیں اور مختلف علاقوں میں پھیل گئے ہیں اور کسری زلزلہ سے اور کنگروں کے گرنے سے انتہائی زیادہ پریشان ہوا، سخت حیران ہو گیا، تو جب صبح ہوئی، وہ تخت پر بیٹھا اور اس نے وزیروں اور حکماء وغیرہ کو یہ قصہ بیان کیا وہ اسی حال میں تھے کہ ان تک آگ کے بجھنے کی خبر بھی پہنچ گئی، تو اس یہ خبر مجوسیوں کے سب سے بڑے عالم کو پہنچائی، یعنی کسری کا خواب دیکھنا، پریشان وحیران ہونا تو اس سے پھر اس بارے سوال کیا:

عن رؤياه و اضطرب كسرى و تحير و سأ له عنها۔

فقال: تحدث حادثة من ناحية العرب، فكتب إلى نعمان بن ا لمنذر أن ارسل رجلا ماهرا يجيب عما أساله، فأرسل عبد المسيح بن عمرو بن بقيلة الغسانى، فسأله فقال: لا أعلمه إنما علمه عند خالى سطيح الكاهن فى الشام، قال: فاذهب و سله، فلما ذهب إلى سطيح وجده مشرفاً على الموت، فسلم عليه ولم يجبه، فأنشد شعرًا فرفع سطيح رأسه فقال: عبد المسيح، على جمل يسيح على سطيح، وقد أوفى على الضريح، ياعبد المسيح، بعثك ملك بنى ساسان لارتجاس الايوان و خمود النيران و رؤيا الموبذان، ياعبد المسيح اذا غاصت بحيرة ساوة، وفاض وادى السماوة، فقد ولد صاحب التلاوة، وظهر خير الأديان، و زال ملك بنى ساسان، و سيملك منهم ملوك و ملكات على عدد الشرفات، و كل ما هو

تو اس نے کہا: ایک حادثہ عرب کے علاقہ میں ہو چکا، تو اس نے نعمان بن منذر کو خط لکھا کہ کوئی ایسا آدمی بھیج جو ماہر ہو اور جو کچھ میں پوچھوں اس کا جواب دے، تو نعمان بن منذر نے عبدالمسیح بن عمرو بن بقیلہ غسانی کو بھیج دیا، اس سے جب سوال ہوا تو اس نے کہا اس کا علم میرے ماموں سطیح کاہن کے پاس ہے جو شام میں رہتا ہے، اس نے کہا جا اور اس سے پوچھ کر آ! تو جب وہ سطیح کی طرف گیا، تو اسے موت کی طرف جھانکنے والا پایا، تو عبدالمسیح کو سلام کہا اور اس نے جواب نہ دیا، تو اس نے ایک شعر پڑھا، اس پر سطیح نے سر اٹھایا تو بولا: عبدالمسیح اونٹ پر سطیح کی طرف چلا ہے، اور اس نے قبر پر جھانکا، اے عبدالمسیح، تجھے بنی ساسان کے بادشاہ نے بھیجا ہے، محل کے زلزلہ، آگ کے بجھنے، اور موبذان کے خواب دیکھنے کی وجہ سے، اے عبدالمسیح جب ساوہ کی نہر بحیرہ خشک ہو جائے گی اور وادیٔ سماوہ بہہ جائے گی، اس وقت

آتٍ آتٍ، ثم خرجت نفسه، فلما جاء عبد المسيح عند كسرى وقص القصة تسلى بذلك و قال: إلى أن يملك أربعة عشر زمان طويل، ثم عشرة منهم انقطع في أربع سنين و اربعة اخر ملك إلى خلافة أمير المؤمنين عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه"۔

و جاء في بعض الروايات أن كسرى بنى على دجلة بناء عظيمًا، صرف في عمارته مالا كثيرًا لا يعلم حسابه إلا الله، فانصدع إيوانه وذهب الماء ببنائه، وكان عنده ثلاث مائة و ستون نفرًا من الكاهنين و الساحرين والمنجمين فجمعهم و سألهم عن سبب خراب البناء وانكسار الايوان، فقاموا من عنده وتأملو، فاجمعوا على أنه بعث نبي أو سيبعث إلا

صاحبِ تلاوت پیدا ہوگا، اور سب سے بہتر دین ظاہر ہوگا اور بنی ساسان کے بادشا کی بادشاہت ختم ہو جائے گی، اور عنقریب ان کی بادشاہی اس محل کے کنگروں کی تعداد کے برابر بادشاہ کریں گے۔ اور جو بات ہونے والی ہے وہ ہو کر رہے گی، پھر اس کی روح نکل گئی، تو جب عبدالمسیح کسریٰ کے پاس آیا اور قصہ سنایا تو اسے اس سے تسلی ہوئی، اور وہ بولا: چودہ بادشاہوں کے حکومت کرنے تک بہت زمانہ باقی ہے، پھر ان چودہ میں دس تو چار سالوں میں گزر گئے، اور باقی چار سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت تک حکومت کرتے رہے۔

ایک روایت میں ہے کہ کسریٰ نے دجلہ دریا کے کنارے عظیم عمارت تعمیر کی، اس نے اس کی تعمیر میں اتنا زیادہ مال خرچ کیا جس کا حساب اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اس کا محل پھٹ گیا اور پانی اس کی عمارت کو بہا کر لے گیا اس کے پاس تین سو ساٹھ کاہن، جادوگر اور نجومی لوگ تھے، اس نے ان سب کو اکٹھا کیا اور ان سے عمارت کے تباہی اور ٹوٹ پھوٹ جانے کا سبب پوچھا، وہ سب اس کے پاس سے اٹھ

أنهم لم يظهروه خوفا من أن يقتلهم، فقالوا: سببهما إنما هو الخطأ في اختيار ساعة البناء، ونحن نختار ساعة مباركة لبنائه حتى لا يخرب أصلا، ثم شرع فلما تم البناء ذهب إليه مع الحشم والخدم، فغلب الماء وذهب بالبناء وأخرجوه من الماء كالميت، فغاظ عليهم وقتل كثيرًا منهم وقال الباقون: أخطأنا كالمتقدمين، ثم اختاروا ساعة فشرع فلما تم ذهب اليه خائفا فغلب الماء ونهب به وأخرجوه كذلك، فطلبهم وهدّدهم بالقتل، فلما لم يبق لهم مجال، قالوا: الحق أنه بعث أو سيبعث نبي يكون زوال ملكك منه، فلما سمع هذا الخبر ترك البناء۔

کر چلے اوراس میں غور وفکر کرنے لگے، تو ان کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ نبی مبعوث ہو چکے یا عنقریب مبعوث ہوں گے، مگر انہوں نے اس بات کو اس پر ظاہر نہ کیا اس ڈر سے کہ وہ انہیں قتل کروا دے گا، تو انہوں نے اسے بتایا کہ اس عمارت کی تباہی و بربادی کا سبب یہ ہے کہ اس کی تعمیر کی گھڑی غلط تھی، اب ہم اس گھڑی کا تعین کریں گے، جو مبارک ہوگی اوراس میں تعمیر شروع کی ہوئی بالکل تباہ و برباد نہ ہوگی، پھر اس کی تعمیر شروع ہوئی اوراس کے مکمل ہونے کے بعد جب وہ اس کی طرف بڑے کروفر سے گیا تو اس وقت بھی پانی غالب آیا اور عمارت کو بہا کر لے گیا، اور لوگوں نے اسے مردہ کی نکالا، تو اسے ان پر غصہ آیا اس نے اکثر کو قتل کر دیا، تو باقیوں نے کہا: ہم سے پہلوں کی طرح خطا ہوئی، پھر انہوں کوئی ساعت اختیار کی، تعمیر شروع ہوئی، جب پوری ہوگئی تو پھر وہی حال ہوا کہ جب وہ ڈرتا ڈرتا اسے دیکھنے کے لئے گیا پانی چڑھ آیا اور عمارت کو بہا کر لے گیا اور لوگوں نے اسے پہلے کی طرح نکالا، کسری نے ان لوگوں کو طلب کیا اور انہیں قتل کی دھمکی دی جب ان کی مجال نہ رہی، تو وہ بولے حق یہ ہے کہ نبی مبعوث ہو چکے یا عنقریب مبعوث ہونے والے ہیں، جن کی وجہ سے تیری حکومت کو زوال ہوگا جب اس نے یہ بات سنی تو اس نے تعمیر کا ارادہ ترک کر دیا۔

(٦٥)

وَالْجِنُّ تَهْتِفُ وَالْأَنْوَارُ سَاطِعَةٌ
وَالْحَقُّ يَظْهَرُ مِنْ مَعْنًى وَمِنْ كَلِمِ

(و) يوم (الجن تهتف) فيه، تفهم بكلامه من حيث لا يرى أن نبي آخر الزمان قد ولد، يقال: هتف هاتف أى أفهم بكلامه (والانوار) الحاصلة بيمن ولادته صلى الله عليه وسلم (ساطعة) مرتفعة ظاهرة بحيث أضاء بها قصور الشام (والحق) الذى هو نبوته صلى الله عليه وسلم (يظهر من معنى) أمور عجيبة و احوال غريبة ظهرت عند ولادته صلى الله عليه وسلم (و) يظهر ايضا (من كلم) أقوال الجن والكاهنين والقائلين بأنه قد ولد نبي آخر الزمان، ثم لما كان الإنكار بعد ظهور الدلائل الموجبة لليقين مستبعدا يتعجب منه، أشار إلى بيان السبب فقال:

(٦٥) اور جن غیب سے پکارتے ہوئے گواہی دیتے تھے اور انوار چمک رہے تھے اور حق وصداقت معنی ولفظ سے ظاہر ہو رہے تھے۔ یعنی جس دن میں جن گواہی دے رہے تھے، آپ کی کلام سے سمجھا جا رہا ہے کہ نبی آخر الزمان کی پیدائش ہو چکی، کہا جاتا ہے: ہتف ہتفا، یعنی اس نے اپنی کلام سے سمجھایا، اور انوار جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی برکت سے حاصل ہوئے چمک رہے تھے اوپر اٹھ رہے تھے، ظاہر ہو رہے تھے، اس طرح کہ ان انوار کے ساتھ شام کے محلات روشن ہو گئے، اور حق جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے، وہ معنی سے یعنی امورِ عجیبہ سے اور احوال غریبہ سے ظاہر ہو رہے تھے، اور نیز جنات کاہنوں اور یہ بات کہنے والوں کی باتوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ نبی آخر الزمان پیدا ہو چکے ہیں پھر جب یقین والے دلائل ظاہر ہو جائیں اور اس کے بعد کوئی انکار کرے تو یہ بعید سمجھا جاتا ہے، تو یہ ایک تعجب کی بات ہے، سبب کے بیان کی طرف پھر مصنف نے اشارہ کیا ہے، تو فرمایا: (محمد یاسین شطاری)

٦٦

عَمُوا وَصَمُّوا فَإِعلانُ البَشَائِرِ لَمْ
تُسْمَعْ وَبَارِقَةُ الإِنْذَارِ لَمْ تُشَمِ

(عَمُوا) اى الكفار عن روية امور غريبة ظهرت عند الولادة اى ذهب الله بأبصارهم (وَصَمُّوا) عن سماع عن قول الجن والكهنة اى ذهب باسماعهم (فإعلانُ) اظهار الكهان (البَشَائِرِ) جمع بشارة، بالضم والكسر، و هو الخبر الذى يسرّ والمراد بها ههنا خبر ولادة النبى صلى الله عليه وسلم وتصرفه فى البلاد والعباد وغير ذلك۔

(لَمْ تُسْمَعْ) لم يقع مسموعاً لهم سماع تدبرٍ (وَبَارِقَةُ) لامعة (الإِنْذَارِ) التخويف الذى هو انشقاق الايوان وخمود النيران وجمود الماء وغير ذلك۔

(لَمْ تُشَمِ) لم ينظر نظر تفكر واعتبار من "الشم"[1] وهو النظر والعجب انهم عموا وصموا۔

٦٧

مِنْ بَعْدِ مَا أَخْبَرَ الأَقْوَامَ كَاهِنُهُمْ
بِأَنَّ دِينَهُمُ المُعْوَجَّ لَمْ يَقُمِ

(مِنْ بَعْدِ مَا أَخْبَرَ الأَقْوَامَ) جمع قوم، فى الصحاح[2]: القوم: الرجال دون النساء، لا واحد له من لفظه، قال زهير[3]:

---

[1] كذا فى الأصل والاجود أن يقول: الشام۔

[2] راجع الصحاح ٥/٢٠١٦ تحت المادة "قوم"۔

[3] هو زهير بن ابى سلمى، الشاعر الجاهلى من اصحاب المعلقات۔

۶۶

کافر اندھے اور بہرے ہو گئے نہ تو خوشخبریوں کے اعلان سن سکے اور نہ ڈرانے والی بجلیاں دیکھ سکے۔

(عَمُوا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کے وقت ظاہر ہونیوالے واقعات دیکھنے سے کافر اندھے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن سے اُن کی بصیرت وبصارت کو چھین لیا ہے۔ (وَصُمُّوا) کاہنوں اور جنوں کی باتیں سننے سے وہ بہرے ہیں (فَاِعلَانَ) کاہنوں کا ظاہر کرنا۔ (اُبُشَائِرِ) بشارۃ کی جمع ہے۔ ضمہ اور کسرہ دونوں سے پڑھ سکتے ہیں۔ اس خبر کو کہتے ہیں۔ جو انسان کو خوش کر دے۔ اور یہاں ہر خوشخبری سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شہروں اور لوگوں کو مسخر کرنے کی خبر ہے۔ (لَمْ تَسْمَعْ) انہوں نے غور وتدبر سے سنا ہی نہیں۔ (وَبَارِقَةُ) چمکدار۔ (اَلْاِنْذَارُ) سے وہ خوف مراد ہے، جس سے فارس کے آتشکدے بجھ گئے۔ کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے کر گئے۔ اور پانی جامد ہو گیا۔ وغیرہ۔ (لَمْ تُشَمِ) غور و فکر سے نہیں دیکھا۔ اور یہ لفظ رشیم سے ہے۔ اس کا معنی دیکھنا ہے۔ تعجب یہ ہے۔ کہ اس کے باوجود وہ اندھے اور بہرے ہیں۔

۶۷

منکرین اس کے بعد بھی منکر رہے۔ کہ کاہنوں نے پہلے بتایا تھا کہ تمہارا دین ٹیڑھا اور غیر مضبوط ہے۔

(من بعد اخبر الاقوام) قوم کی جمع ہے اور صحاح میں ہے کہ قوم سے مرد مراد ہیں نہ کہ عورتیں اور الفاظ میں قوم کا واحد نہیں۔ اور زہیر نے کہا ہے

وما ادری وسوف اخال ادری
اقوم اهل حصن ام نساء[1]

وقال الله تعالیٰ :-

لا یسخر قوم من قوم[2]

ثم قال : ولا نساء -

وربما دخل النساء فیه علی سبیل التبع -

(کَاهِنُهُمْ) فاعل اخبر والکاهن هو الذی یخبر عن الکوائن فی المستقبل ویدعی فی معرفة الاسرار ومطالعة علم الغیب ، (بِأَنْ) متعلق اُخبر -

(دِیْنُهُمُ المُعْوَجَّ) الذی فیه عوَج ، ذکر الجوهری[3] : کل ما کان منتصباً کالحائط والعود[4] قیل : فیه عوج بالفتح ، والعوج بالکسر ما کان فی اَرض اَو دین اومَعَاشٍ -

(لَمْ یَقُمْ) لم یرج ، من قامت السوق : نفقت وراحت -

٦٨

وَبَعْدَ مَاعَایَنُوْا فِی الْاُفُقِ مِنْ شُهُبٍ
مُنْقَضَّةٍ وَفْقَ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ صَنَمِ

(وَبَعْدَ) عطف علی "بعد ما اُخبر" (مَا) مصدریة اَوموصولة (عَایَنُوْا)

---

[1] راجع : دیوانه : ٧٣ وفی الدیوان "لست" مکان "سوف"

[2] سورة الحجرات ، الآیة : ١١

[3] راجع الصحاح ٣٣١/١ تحت المادة "عوج"

[4] وفی الاصل : العمود ، والصواب ما اثبت -

میں نہیں جانتا۔ اور عنقریب میں جان جاؤں گا۔ کہ میں اہل قلعہ یا عورتوں کے لیے کھڑا ہوتا ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

"کوئی قوم دوسری قوم کو مسخر نہ کرے"۔

پھر فرمایا :۔ "اور نہ عورتیں"۔

اور کبھی کبھار لفظ قوم بول کر اس سے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی مراد لیا جاتا ہے۔ عورتوں کو مردوں کے تابع بنا کر۔

(کاھنھم) یہ اخبر کا فاعل ہے۔ اور کاھن اس کو کہتے ہیں جو مستقبل میں ہونے والے واقعات کی خبر دیتا ہے۔ اسرار و رموز کی معرفت اور پوشیدہ علوم کے مطالعہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ (بانّ) یہ اخبر کے متعلق ہے۔

(دِیْنَھُمُ الْمُعْوَجَّ) جس میں ٹیڑھا پن ہو۔ اس کو جوہری نے ذکر کیا نصب شدہ چیز کے اندر کجی جیسا کہ دیوار اور لکڑی۔ بعض نے کہا۔ لفظ عوج زبر سے پڑھا جاتا ہے۔ اور زیر سے پڑھنے کا معنیٰ وہ کجی ہے۔ جو زمین، دین یا معاش میں ہو۔

(لَمْ یَقُمْ) کھڑا نہ ہوا۔

۶۸

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت و نبوت سے قبل بھی کفار نے آسمان کے کناروں سے شہاب ثاقب ٹوٹتے ہوئے دیکھے تھے۔

اور بتوں کو زمین بوس پا چکے تھے۔

(و بعد) پچھلے سفر میں "بعد ما اخبر" پر عطف ہے۔ (مَا) یا مصدریہ ہے یا موصولہ

شاهدوا (فِی الاُفُقِ) بضم الاول وسکون الثانی، واحد الافاق کما انہ بضمها[1] کذلک ای فی الجوانب والنواحی۔

(مِنْ شُهُبٍ) جمع شهاب بکسر الاول بمعنی شعلة النار ای شعل منفصلة عن الکواکب کالقَبَس یؤخذ من النار وقت استراق الشیاطین السَمْعَ فیقتلهم او یخبلهم، وهذا هو معنی کون النجوم رجوماً للشیاطین[2] لاَن الکواکب تزول عن مکانها[3] وقد کانوا قبل میلاده صلی الله علیه وسلم یسترقون السمع۔

قال القاضی فی تفسیره فی سورة الحجر: روی عن ابن عباس رضی الله عنهما اَنهم کانوا لا یحجبون عن السموات، فلما ولد عیسی علیه السلام منعوا من ثلاث سموات، فلما ولد محمد صلی الله علیه وسلم منعوا من کلها "بالشهب"[4] ولا یقدح فیه تکونها قبل المولد لجواز ان یکون لها اسباب اخر انتهی۔

والقول بأن الشهب جمع شهاب بمعنی النجم لیس علی ما ینبغی

---

[1] راجع الصحاح: ۴/۱۴۴۶، تحت المادة "انق" واللسان ۱۰/۵۔

[2] اشارة الی قوله تعالی: ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح وجعلناها رجوماً للشیاطین: سورة الملك: الاية: ۵

[3] فی الاصل "مکانه" وصوابه "مکانها"۔

[4] انظر فی تفسیر البیضاوی: ۳۴۵ سورة الحجر الایة ۱۸ فی تفسیر: ولقد جعلنا فی السماء بروجاً وزیناها للناظرین وحفظناها من کل شیطان رجیم الا من استرق السمع فاتبعه شهاب مبین وانظر ایضاً: شرح الشفا للعلامة علی القاری ۱/۷۵۲، والخصائص الکبری ۱/۱۱۰ باب حراسة السماء من استراق السمع بالمبعث الشریف، والسیرة النبویة لابن زینی دحلان ۱/۴۰۔

(عَایَنُوْا) انہوں نے مشاہدہ کیا۔ (فی الاُفق) الف کے پیش اور ف کے جزم کے ساتھ۔ آفاق کا واحد ہے۔ جیسا کہ پیش سے پڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح اطراف جوانب ہیں۔

(مِنْ شُہُبٍ) یہ شہاب کی جمع ہے۔ ش کے نیچے زیر پڑھا جائیگا۔ اس سے مراد آگ کا شعلہ ہے۔ جو شعلہ ستاروں سے الگ ہوتا ہے۔ جس طرح کہ آگ سے چنگاری لی جاتی ہے۔ جب شیطان فرشتوں کی گفتگو چوری چھپے سُننے کی کوشش کرتا ہے۔ تو اس شعلہ سے قتل یا بھگایا جاتا ہے۔ شیطانوں کے لیے ستاروں کا رجوم کہلانا اسی وجہ سے ہے۔ اس لیے کہ ستارے اپنی جگہوں سے ہٹ جاتے ہیں۔ اور شیطان نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ولادت مبارک سے قبل فرشتوں کی باتیں آسمان سے چوری کرتے تھے۔

قاضی نے اپنی تفسیر میں سورہ الحجر کے تحت لکھا۔ کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ شیاطین آسمانوں میں بغیر آڑ کے جاتے تھے۔ جب سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے۔ تو تین آسمانوں پر جانے سے روکے گئے۔ اور جب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ولادت مبارکہ ہوئی۔ تو آگ کے شعلوں کے ذریعے تمام آسمانوں پر جانے سے روکے گئے۔ اس بات میں کوئی بحث وتمحیص نہیں کہ شیطانوں کا آسمانوں پر جانے سے منع ہونے کی اس کے سوا کوئی اور وجہ ہے۔۔۔۔۔۔

اور یہ بات کہ شہب شہاب کی جمع ہے۔ نجم کے معنی میں یہ مناسب

(مُنْقَضَّةٌ) ساقطة، يقال انقض الحائط اى سقط انقضاضًا (وَفْقَ) انقضاض

(مَا فِى الْأَرْضِ مِنْ صَنَمٍ) فى ليلة ولادته فى ان انقضاضها كان علامة

طرد المضلين.

٦٩

حَتّٰى غَدَا عَنْ طَرِيْقِ الْوَحْىِ مُنْهَزِمٌ
مِنَ الشَّيَاطِيْنِ يَقْفُوْا اِثْرَ مُنْهَزِمٍ

(حَتّٰى غَدَا) صار (عَنْ طَرِيْقِ الْوَحْيِ) متعلق بقوله (مُنْهَزِمٌ) اسم "غدا" كائن (مِنَ الشَّيَاطِيْنِ يَقْفُوْا) خبر "غدا" اى يتبع (اِثْرَ) عقب (مُنْهَزِمٍ) آخر.

ثم انه شبه حال الشياطين المنهزمين المرجومين الذين كانوا يقصدون بالاستراق تخريب[1] كعبة القلب بالاغواء بمن قصدوا تخريب كعبة بيت الحرام ومن قصدوا مقاتلة مرب[2] الكعبة نبى الانام صلى الله عليه وسلم فاهلكوا جميعا بما يتحير فيه العقول والافهام بعون الله الملك العلام تقريرا وتاكيدا للانهزام فقال:

[1] وعبارة ب: بالاستراق تخريب كعبة بيت الحرام.

[2] وفى ب: برب.

نہیں ہے۔ (منقضۃ) گری ہوئی یا منہدم۔ کہا جاتا ہے کہ دیوار گر گئی۔ (وَقَعَ) گرنا (مَا فِی الارض من صنم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوم ولادت سے شیطانوں کا آسمانوں پر جانے سے منع ہونا اور رک جانا گمراہیوں اور بے راہوں کو رد کرنے کی علامت ہے۔

۶۹

یہاں تک کہ وحی کی راہ سے شیطان ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے لگے۔

(حَتّٰی غَدَا) ہو گیا۔ (عَنْ طَرِیْقِ الْوَحْیِ۔ منہزم کے متعلق ہے۔ جو کہ غدا کا اسم ہے۔ غدا کا معنی واقع ہونے والا۔ (مِنَ الشَّیَاطِیْنِ یَقْفُوْا) یہ غدا کی خبر ہے یعنی اتباع کرتا ہے۔ (اِثر) پیچھے۔ (منہزم) دوسرا۔

اس کے بعد بھاگتے ہوئے مردود شیاطین کے چوری کرنے کو اس شخص کے حال سے تشبیہ دی۔ جو اغوا کے ذریعے دلوں کے کعبے میں تخریب کاری کرتا ہے۔ ان اغوا کاروں کے حال سے جنہوں نے کعبہ (بیت اللہ الحرام) کو خراب کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور جنہوں نے کعبہ کے محافظ نبی امام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھگڑنے اور مقاتلہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ان تمام شیاطین کو اس طرح ہلاک کیا گیا۔ کہ جس میں عقل و فہم کی دنیا حیران رہ گئی۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوا۔ ان شیاطین کے بھگانے کے بارے تاکیداً اور تقریراً کہا۔

✽

٧٠

كَأَنَّهُمْ هَرَباً أَبْطَالُ أَبْرَهَةٍ
أَوْ عَسْكَرٌ بِالْحَصَى مِنْ رَاحَتَيْهِ رُمِي

(كَأَنَّهُمْ) اى الشياطين المنهزمين (هَرَباً) بالتحريك وقت الفرار أو من حيث الفرار (أبطالُ) خبر، جمع بطل وهو الشجاع.

(أَبْرَهَةٍ) الأشرم الحبشي من ملوك اليمن وهو ابو يكسوم صاحب الفيل، فكما انهم قصدوا تخريب الكعبة فاهلكوا بقرب ميلادة صلى الله عليه وسلم بحجارةٍ من سجيل[1]، كذلك الشياطين رجموا في ليلة ولادته بالشهب.

روى أن أبا يكسوم بنى بصنعاء كنيسةً ليصرف اليها الحاج عن مكة فاحدث رجل من كنانة فيها ولطخ قبلتها بالعذرة احتقاراً بها نحلف ليهدمن الكعبة، نجاء مكة بجيشه على أفيال مقدمها فيل اسمه محمود، فحين توجهوا لهدم الكعبة ارسل الله تعالى عليهم طيراً ترمي كل واحد منهم بحجر مكتوب عليه اسمه، اكبر من العدسة واصغر[2] من الحمصة يخرق البيضة والرجل والفيل ويصل إلى الارض[3] فجعلهم

---

[1] كلمات قرآنية، سورة الفيل، الاية: ٤ ـ

[2] في الاصل "اكثر" وهو خطأ كتابي والصواب ما أثبت.

[3] راجع: السيرة النبوية لابن هشام ١/٣٧ وتاريخ اليعقوبي ٢/٧٠ والطبري ٢/١٣١ والدر المنثور ٦/٣٩٤ وتفسير الطبري ٣/١٦٦ وتفسير البيضاوي: ١٩٥١ والخصا الكبرى ١/٧٣ و شواهد النبوة ٥٢ والسيرة الحلبية ١/٥٩ واعلام النبوة: ١٨٦.

۷۰

گویا کہ شیاطین بھاگتے وقت لشکر ابرہہ کی طرح تھے یا اس لشکر کی طرح جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنکریوں سے مارا۔

(کَاَنَّھُمْ) گویا کہ وہ بھاگنے والے شیاطین۔ (ھَرَبًا) بھاگتے اور فرار کے وقت تحریک اور تیزی یا بھاگنے کی حیثیت سے مراد ہے۔ (ابطال) خبر ہے۔ بطل کی جمع ہے۔ اور بہادر کو کہتے ہیں۔

(اَبْرَھَۃٍ) یمن کے بادشاہوں میں تھا۔ حبشی النسل تھا۔ اور وہ ابو یکسوم ہاتھیوں والا تھا۔ پس جب انہوں نے خانۂ کعبہ کے انہدام کا ارادہ کر لیا۔ تو ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب ولادت کی وجہ سے بحجارۃ من سجیل کے ذریعے ہلاک کیا گیا۔ اور اسی طرح شیاطین کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی رات میں شہاب سے مارا گیا۔

روایت ہے کہ ابو یکسوم نے صنعاء میں ایک کسر تعمیر کرایا۔ تاکہ مکہ مکرمہ کی جگہ یہاں لوگ حج کرنے آئیں۔ تو بنی کنانہ کے ایک شخص نے اس نام نہاد کعبے کو حقارت آمیز طریقے سے نجاست سے آلودہ کیا۔ تو اس نے قسم کھائی۔ کہ میں کعبہ کو ضرور گراؤں گا۔ تو اپنے ساتھ ایک لشکر لے کر جس میں ہاتھی تھے۔ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا۔ سب سے آگے جو ہاتھی جا رہا تھا اس کا نام محمود رکھا تھا۔ جب وہ انہدام کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر پرندے بھیجے۔ اور ان پر کنکر مارے اور ہر کنکر پر اسی شخص اور ہاتھی کا نام لکھا تھا۔ وہ کنکر باجرے سے بڑا اور چنے کے دانے سے چھوٹا تھا۔ ان کنکروں نے اسلحہ کے انبار، آدمی اور ہاتھیوں کو

كعصف مأكول[1]

(أو عسكر) عطف على أبطال يعني كان الشياطين جيس (بالعصى) دقاق[2] الحجارة

ناشية (من راحتيه) اى كفى النبى صلى الله عليه وسلم (رمى) صفة عسكر،

وبالحصا متعلق به، يعني كانهم جيش رمى بحجارة دقيقة ناشية من كفيه

صلى الله عليه وسلم، روى انه لما طلعت قريش يوم بدر، فقال صلى الله

عليه وسلم: "هذه قريش جاءت بخيلائها وفخرها يكذبون رسولك، اللهم

انى أسئلك ما وعدتنى، فأتاه جبريل عليه السلام وقال له صلى الله عليه وسلم:

خذ قبضة من تراب فارمهم بها، فلما التقى الجمعان تناول كفاً من الحصا فرمى

بها فى وجوههم، وقال: شاهت الوجوه[3]، فلم يبق مشرك إلا شغل بعينيه فانهزموا[4]

وكان ذلك الحصا يسبح فى كفه صلى الله عليه وسلم معجزةً له بحيث سمع

الحاضرون التسبيح، واليه اشار بقوله:

٧١

نَبَذًا بِهِ بَعْدَ تَسْبِيحٍ بِبَطْنِهِمَا

نَبْذَ الْمُسَبِّحِ مِنْ اَحْشَاءِ مُلْتَقِمِ

---

[1] كلمات قرآنيه: سورة الفيل، الاية: ٥

[2] كذا فى الاصل وفى ب: رقاق

[3] فى الاصل: الوجو، والصواب ما اثبت.

[4] انظر: تفسير الكشاف ١٢٨/٢ وسيرة ابن هشام ١٣٨/٢

زمین پر ڈھیر کر دیا۔ اور ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔

(اوعسکر) ابطال پر عطف ہے۔ یعنی شیاطین ایک لشکر تھے۔ (بالعصی) گرنے والے کنکر (من راحتیہ) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک سے رمی یہ عسکر کی صفت ہے۔ اور بالعصا اس کے متعلق ہے۔ گویا کہ شیاطین کا لشکر ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں موجود کنکریاں ان پر برسائی گئیں، روایت ہے۔ کہ بدر کے دن جب کفار و مشرکین قریش ظاہر ہوئے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ (جماعت) قریش ہیں۔ غرور اور تکبر سے آئے ہیں۔ تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں۔ اے اللہ میں تجھ سے تیرے کیے ہوئے وعدے کی بابت سوال کرتا ہوں۔ تو جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر خدمت ہوئے۔ اس نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ مٹھی بھر مٹی اٹھا کر کفار کی طرف پھینکیے۔ جب دونوں لشکر آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ کنکریوں سے قبضہ مبارک بھر لیا۔ اور دونوں کے چہروں پر پھینک دیا۔ اور ارشاد فرمایا: شاہت الوجوہ۔ تمام مشرک آنکھوں میں مشغول ہو گئے اور پھر بھاگ نکلے۔ ان کنکریوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں تسبیح کرنا ایک معجزہ تھا۔ اور اس تسبیح کو حاضرین نے سن بھی لیا۔ اور اس شعر میں اسی طرف اشارہ ہے۔

۷۱

کفار کی طرف کنکریاں اس حال میں پھینکی گئیں کہ وہ تسبیح (سبحان اللہ) کہہ رہی تھیں۔ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام تسبیح کرتے ہوئے بطن ماہی سے نکلے۔

(نَبْذاً بِهِ) أى نبذ الرسول صلى الله عليه وسلم أى ألقى من نبذت الشئ اذا القيته[١] من يدك ذلك الحصا نبذاً، فالباء لتقوية العمل وان كان المتعارف هو اللام (بَعْدَ تَسْبِيحٍ) ذلك الحصا (بِبَطْنِهِمَا) أى فى بطن كفيه المباركتين،[٢] مثل (نَبْذِ) الله (المُسَبِّحِ) القائل بقوله "لا اله الا انت سبحانك انى كنت من الظالمين"[٣] وهو يونس عليه السلام.

واعلم انه كما[٤] استجاب الله ليونس عليه السلام ببركة هذا التسبيح كذلك يستجاب لكل مسلم يدعو به لقوله صلى الله عليه وسلم "لم يدع بها رجل مسلم فى شئ قط الا استجاب الله له"[٥]

(مِنْ أَحْشَاءِ) جوف (مُلْتَقِمٍ) مبتلع وهو الحوت.

روى أن يونس عليه السلام بعث الى نينوى من الموصل فكذبوه وأصروا عليه، فوعدهم بالعذاب الى ثلاث، وقيل: الى أربعين، وخرج من بينهم، فلما دنا الموعد أغامت السماء غيماً أسود ذا دخان شديد فهبط حتى غشى مدينتهم فهابوا فطلبوا يونس فلم يجدوه، فأيقنوا صدقه، فلبسوا المُسُوحَ وبرزوا الى الصعيد بأنفسهم ونسائهم وصبيانهم ودوابهم، وفرقوا[٦] بين كل

---

[١] راجع: اللسان ٣/٥١٢ تحت المادة "نبذ"

[٢] فى الاصل "المباركين" والصواب ما اثبت.

[٣] سورة الانبياء، الاية: ٨٧.

[٤] وردت فى ب: لما

[٥] انظر فى تفسير البيضاوى: ٤٣٥، سورة الانبياء، الآية: ٨٧.

[٦] فى الاصل: فرق، والتصريب من ب.

(نبذنا بہ) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو ڈال دیے۔ لفظ نبذ نبذت الشی سے نکلا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے۔ یہاں پر بار کا استعمال عمل کی تقویت کے لیے ہے۔ اگر تقویت کے حصول کے لیے زیادہ سے استعمال لام کا ہوتا ہے۔ (بعد تسبیح) یہ کنکر (ببطنھما) دونوں دستہائے مبارک کے ہتھیلیوں میں۔ مثلاً نبذ۔ اللہ۔ السبح۔ اس قول کے ساتھ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ۔ اور وہ یونس علیہ السلام تھے۔

یہ بات قابل فہم ہے کہ سیدنا حضرت یونس علی نبینا و علیہ السلام کی توبہ کو اس دعا کی برکت سے قبول فرمایا۔ اسی طرح ہر مسلمان کی دعا اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے قبول فرماتا ہے۔ جو بھی مسلمان ان کلمات سے دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دعا کو ضرور شرف قبول بخشتا ہے۔

(مِنْ اَحْشَاءِ) جوف یعنی پیٹ۔ ملتقم۔ مچھلی۔

روایت میں آیا۔ کہ حضرت یونس علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہر نینویٰ (موصل) کی طرف مبعوث فرمایا۔ انہوں نے آپ کو جھٹلایا۔ اور انہوں نے عذاب کے نزول کے بارے اصرار کیا۔ یونس علیہ السلام نے ان پر عذاب کے نزول کا تین سے چالیس یوم تک وعدہ فرمایا۔ اور اس بستی سے باہر نکل آئے۔ جب وعدے کا وقت قریب آیا۔ آسمان پر کالا بادل آیا۔ اس کے ساتھ سخت کالا دھواں تھا۔ وہ عذاب نازل ہوا۔ یہاں تک کہ وہ شہر سارے کا سارا اندھیرے میں ڈوب گیا۔ وہ شہر والے باہر نکلے اور سیدنا یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ڈھونڈا، لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ پھر اس کی صداقت کا یقین کیا۔ پھر انہوں نے

والده[1] وولدها فحن بعضها الى بعض، وعلت الأصوات والعجيج وأخلصوا التوبه واظهروا الايمان وتضرعوا إلى الله تعالى وقالوا: ياحى حين لا[2] حى، ياحى محى الموتى، ياحى لا إله إلا انت فرحمهم الله وكشف عنهم العذاب وكان عاشورا، يوم الجمعة، فدنا يونس عليه السلام يوماً من بلدهم بعد ثلاثة ايام ليعلم كيف حالهم، هل[3] بقى منهم احد ام هلكوا جميعاً بالعذاب، فرأى من البعيد أن البلد معمور كما كان وأهله أحياء فاستحى وقال: قد قلت لهم إن العذاب ينزل عليكم[4] بعد ثلاثة ايام وقد مضى ثلاث، ولم ينزل عليهم، ولم يعلم أنه نزل عليهم ورفع عنهم، فذهب بلا إذن من ربه حتى اتى سفينة وركبها، فلما ركبها وقفت[5] فى لجة البحر فقال[6] الملاحون: هنا عبد ابق من سيده وتظهر القرعة "فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ المُدحَضِينَ"[7] من المعلومين بالقرعة، فالقوه فى البحر فالتقمه الحوت، فجعل يقول فى بطنه: "لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّى كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ"[8] فلولا

---

[1] فى الاصل: واحدة، والتصريب من ب

[2] وفى ب: ما.

[3] فى الأصل المخطوط "بل" والتصريب من "ب"

[4] وفى ب: من بعد

[5] وفى ب: وقعت

[6] فى الاصل "فقالوا" وصوابه "فقال"

[7] سورة الصافات، الاية: ١٤١

[8] سورة الانبيا، الاية: ٨٧

پھٹا پرانا لباس پہن لیا۔ میدان کی طرف اپنے بچوں، عورتوں اور جانوروں کے ساتھ نکلے۔ اور بچوں سے ماؤں کو الگ کیا۔ بلند اور مدہم آواز سے رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے لگے۔ اخلاص سے توبہ کی۔ اپنے ایمان کو ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ سے عاجزی کی۔ اور ان الفاظ میں دعا مانگنے لگے۔ یاحی حین لاحی، یاحی محی الموتی، یاحی لا الہ الا انت" اے زندہ جب کوئی زندہ نہ تھا۔ اے زندہ مردوں کو جان دینے والا۔ اے زندہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم و کرم فرمایا۔ اور ان سے عذاب کو دور کر لیا۔ اور یہ دسویں محرم عاشورے اور جمعہ کا دن تھا۔ پھر سیدنا یونس علیہ السلام تین دن بعد اپنے شہر کے قریب آئے تاکہ ان کا حال جان سکے۔ کیا ان میں کوئی باقی ہے۔ یا سب کے سب عذاب سے ہلاک ہوتے ہیں۔ انہوں نے دور سے دیکھا۔ کہ شہر آباد ہے اور لوگ زندہ ہیں۔ اس نے حیا فرمائی اور سوچا کہ میں نے ان سے کہا تھا۔ کہ تین دن کے بعد عذاب نازل ہوگا۔ حالانکہ تین دن گزر گئے۔ اور ان پر عذاب نازل نہیں ہوا۔ اور یہ بھی نہیں معلوم کہ ان پر عذاب نازل ہوا۔ پھر اٹھا لیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر واپس چلے گئے۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ جب آپ سوار ہوئے۔ وہ کشتی سمندر کے بیچ میں رک گئی۔ ملازموں نے کہا۔ کہ یہاں اس کشتی میں اپنے آقا سے بھاگا ہوا کوئی غلام موجود ہے۔ انہوں نے قرعہ ڈالا۔ قرعہ اندازی سے معلوم ہوا۔ ان کو دریا کے اندر ڈالا گیا۔ پھر مچھلی نے نگل لیا۔ آپ علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں یوں دعا فرمانے لگے "لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی

أنه كان من المسبحين للبث في بطنه إلى يوم يبعثون[۲]، فنبذ بالساحل من يومه أو بعد ثلاثة ايام أو سبعة ايام أو عشرين أو اربعين يوماً وهو سقيم، فأنبت الله عليه شجرة يقطين اى القرع تظله، وهو ذو ساق على خلاف العادة فى القرع معجزة له وكانت تأتيه وعلة صباحاً ومساء يشرب لبنها حتى قوى[۱]۔

ووجه الشبه فى هذا التشبه أن النبذ الثانى كما كان خارقاً للعادة موجباً لنجاته[۳] عليه السلام كذلك النبذ الاول خارقاً للعادة باعتبار تسبيح الحصا وانهزام المشركين بمجرد ذلك وموجباً لنجاة المسلمين، والمنقول انه صلى الله عليه وسلم تناول كفاً واحداً[۴] من الحصا وما يفهم من هذا المقام خلافه و يحتمل أنه صلى الله عليه وسلم وضعها فى الكفين المباركين[۵] عند الرمى فرمى بهما[۶]۔

۷۲

جَاءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْأَشْجَارُ سَاجِدَةً
تَمْشِي إِلَيْهِ عَلَى سَاقٍ بِلَا قَدَمِ

(جَاءَتْ لِ) أجل (دَعْوَتِهِ) او وقتها صلى الله عليه وسلم لغرض من الاغراض (الْأَشْجَارُ) صيغة الجمع إما على حقيقته بناءً على تعداد الواقعة أو ان الشجرتين

---

[۱] راجع تفسير ابى السعود ۵/ ۲۰۰ وقصص الانبياء لعبد الوهاب النجار، ۳۵۴ و المختصر فى اخبار البشر ۱/ ۳۲ والبداية والنهاية ۱/ ۴۷

[۲] سورة الصافات، الاية ۱۴۳ : ۱۴۴

[۳] فى الاصل للنجاته" والصواب بدون الالف واللام

[۴] كذا فى الاصل والاجود "واحدة"

[۵] كذا والاجود : المباركتين۔

[۶] وفى ب : برها

تسبیح نہ کرتا۔ تو قیامت کے دن تک وہ مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ تو مچھلی نے اسی دن یا تین دن بعد ساحل کی طرف ڈال دیا۔ یا بیس یا چالیس دن بعد ساحل کی طرف ڈال دیا۔ اس حال میں کہ وہ بیمار تھے۔ اللہ کریم نے وہاں ایک بیل دار پودا پیدا فرمایا۔ اسی نے آپ علیہ السلام کے اُوپر سایہ کیا۔ اور وہ بیل دار پودا خلاف عادت تنے پر کھڑا رہا۔ اور یہ آپ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ وہ پودا قریب ہو جاتا اور اس سے صبح و شام دودھ پی لیتا۔ یہاں تک کہ آپ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔

اس تشبیہ میں وجہ شبہ یہ ہے۔ کہ دوسری بار مچھلی کے پیٹ سے خارج ہونا عادت کے خلاف ہے۔ اور یہی ان کے نجات کا سبب ہے۔ اسی طرح پہلی دفعہ خارج ہونا بھی عادت کے خلاف ہے۔ کنکریوں کی تسبیح اور مشرکین کا پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا۔ اور مسلمانوں کا نجات پا جانا بھی اسی اعتبار سے معجزہ ہے اور یہ روایت بھی منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مٹھی مبارک کنکریوں سے بھر لی۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مبارک ہاتھوں میں کنکریاں نہیں لیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکی طرف پھینک دیتے تھے۔

۷۲

اور درخت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سجدہ کرتے ہوئے حاضر ہوتے۔ پنڈلیوں (تنے) کے ساتھ بغیر قدم کے۔

(جاءت لِ) کے لیے (دعوتہ) یا اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاجات میں سے کوئی حاجت ہوتی۔ (الاشجار) جمع کا صیغہ ہے یا تو حقیقی جمع

جاءتا معاً عند علی ما روی "ان النبی صلی الله علیه وسلم خرج الی الصحراء لقضاء الحاجة ومعه علی رضی الله عنه فأرسله الی شجرتین بالبادیة وقال : ادعهما[1] فانطلق الیهما، وقال : دعاکما نبی الله فانطلقتا[2] علی ساقیهما بلاقدام خاشعتین خاضعتین واضعتین رؤوس الاغصان کهیئة الساجد وصارتا ستراً له ، فلما فرغ قال : اذهبا ،کذا فی بعض الشروع[3] .

والتثنیة من مراتب الجمع صرح به القاضی[4] فی سورة البقرة فی قوله تعالی : ربنا واجعلنا مسلمین[5] أو بمعنی شجر من الاشجار علی أن اللام أبطل معنی الجمعیة ، حال کونها .

(سَاجِدَةً) ناکسةً رؤسها دهشة وهیبة منه صلی الله علیه وسلم لأن من راه بدیهةً هابه لکمال مهابته وعظمته ووقاره أو انفعالاً وحیاءً من ان یدعو مثله مثلها[6] أو خاضعةً متواضعةً متأدبةً کما هو طریق المتادبین عند الکبراء (تمشی)

---

[1] الاصل "ادعها" وهو خطأ والصواب ما اثبت .

[2] وعبارة الاصل : فانطلقا علی ساقیهما بلاقدم خاشعین خاضعین واضعین

[3] راجع عصیدة الشهدة : ١٢٩ وشرح شیخ زاده بهامش عصیدة الشهدة : ١٢٨ و الشفا للقاضی ١/ ٩٧ وشواهد النبوة : ٢٠٨

[4] انظر ، تفسیر البیضاوی : ص ٢٧

[5] سورة البقرة : الایة ١٢٨

[6] فی الاصل "مثله" وهو خطأ لأن الصغیر راجع إلی شجرة .

ہے۔ اس واقعے کا بار بار ہونا بتا رہا ہے یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں درخت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوتے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضاء حاجت کے لیے باہر صحرا میں تشریف لے گئے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ تھے۔ اس بیابان میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو درختوں کی طرف بھیج دیا۔ اور فرمایا: ان دونوں درختوں کو بلا لاؤ۔ وہ دونوں درختوں کی طرف چلے گئے۔ اور فرمایا تمہیں اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہا ہے۔ فوراً اسی وقت دونوں درخت تنوں کے بل بغیر قدموں کے خدمت عالیہ میں حاضر ہونے کے لیے چل پڑے۔ نہایت عاجزی وانکساری سے اپنے ٹہنیوں کے سروں کو جھکائے ہوئے سجدہ کرنے والے کی طرح پردہ بن کر کھڑے رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے۔ پھر فرمایا: اب چلے جاؤ۔ اس طرح بعض شروح میں ہے۔

تثنیہ سے یہاں مراد جمع ہے۔ اس کی صراحت قاضی نے کی ہے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت ربنا وجعلنا مسلمین یا یہاں اشجار سے مراد ایک درخت ہے۔ بایں طور کہ لام نے جمعیت کا معنی باطل کر دیا۔

(ساجدۃ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب اور دبدبہ کی وجہ سے اپنے سروں کو جھکائے ہوئے۔ یا اس لیے کہ جس نے انہیں دیکھا۔ تو ہیبت، وقار اور عظمت کی وجہ سے اس دیکھنے والے پر اثر ہوا۔ (۳) یا درختوں نے اس لیے اپنے سروں کو جھکایا۔ کہ اتنی بڑی ہستی اور ذات بے مثال صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو بلا رہی ہے۔ (۴) یا اس لیے کہ بڑوں کے حضور حاضری دیتے وقت چھوٹے اور کم مرتبہ سر جھکا

تلك الاشجار (إلَيْهِ) صلى الله عليه وسلم حال متداخلة أو مترادفة مشياً

كَأنَّما (عَلَى سَاقٍ) كائن (بلا قَدَمٍ)

ثم شبه الخطوط الحاصلة على الارض من روس الاغصان بالكتابة فقال:

٧٣

كَأَنَّمَا سَطَّرَتْ سَطْراً لِمَا كَتَبَتْ
فُرُوعُهَا مِنْ بَدِيعِ الْخَطِّ فِي اللَّقَمِ

(كَأَنَّمَا سَطَّرَتْ) كتبت تلك الاشجار (سَطْراً) كتابةً (لِمَا كَتَبَتْ فُرُوعُهَا) اغصان تلك الاشجار عند سقوطها على الأرض تواضعاً للنبي صلى الله عليه وسلم (مِنْ بَدِيعِ الْخَطِّ) أي الخط العجيب باختلاف هيئات[1] تلك الاغصان على الارض أو باعتبار المضمون على أنه خط[2] العبودية له أو خط الحرية لمن اطاعه أو خط عذر التقصير في المجئ قبل الدعوة (فِي اللَّقَمِ) بالتحريك وسط الطريق، جاءت الاشجار لحاجته[3] بلا تلعثم مجيئاً.

٧٤

مِثْلَ الْغَمَامَةِ أَنَّى سَارَ سَائِرَةً
تَقِيهِ حَرَّ وَطِيسٍ لِلْهَجِيرِ حَمِي

(مثل) مجئ (الْغَمَامَةِ) قطعة السحاب، عند الحاجة (أَنَّى) كيف (سَارَ)

---

[1] كذا في الاصل وفي ب: هيئة.

[2] وفي الاصل في المواضع الثلاثة: حظ، مصحفا.

[3] في الاصل: لحاجة، والتصويب من ب.

لیتے ہیں۔(تمشی) وہ درخت۔ (الیہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یا تو حال متراخلہ ہے یا مترادفہ وہ درخت چلے ہوئے۔(علی ساق) تنے کے اوپر (بلا قدام) بغیر قدم کے۔

پھر اس کے بعد درختوں کے زمین پر چھوڑے ہوئے نشانات کو کتابت سے تشبیہ دی۔ اور فرمایا۔

۷۳

گویا کہ وہ درخت خط کھینچتے ہوتے آ رہے تھے۔ اور ان کی شاخیں مابین اس طور خوبصورتی پیدا کر رہی تھیں۔

(کانما سطرت) ان درختوں نے لکھا (سطراً) لکھنا۔(لما کتبت فروعها) ان درختوں کی ٹہنیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیعہ کو مدنظر رکھتے ہوتے اپنے سروں کو زمین پر رکھ کر کھینچ لیا۔(من بدیع الخط) مختلف لکیریں۔ یعنی ان درختوں نے زمین پر مختلف لکیریں لگائیں۔ یا گویا کہ یہ عبودیت کی لکیریں ہیں۔ یا جس کی اطاعت ہو۔ اس کے لیے آزادی کی لکیریں ہیں۔ یا اعتراف خطا لکیریں ہیں کہ بلانے سے پہلے ہم حاضری نہ دے سکے۔(فی اللقم) راستے میں حرکت کرتے ہوئے۔ درخت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حاجت کے لیے بلا چون وچرا حاضر ہوئے۔

۷۴

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جہاں تشریف لے جاتے بادل جیسی کوئی چلنے والی چیز آپکو دوپہر کے سورج کی گرمی سے بچانے کیلئے سایہ کیئے ہوتی۔

(مثل) آنا۔(الغمامه) بادل کا ٹکڑا۔ حاجت کے وقت۔(انی) کس طرح (سار)

صلی الله علیه وسلم حال کون تلک الغمامه (سَائِرَةٌ معه، ثم اشار الیٰ فائدة سیرها معه بقوله (تَقِيهِ) ای تقی تلک الغمامة النبی صلی الله علیه وسلم عن (حَمّى حرارة (وَطِيسٍ) تنور الهوی (لِلْهَجِيرِ) وقت الهاجرة وهی نصف النهار عند اشتداد الحر، ظرف لقوله (حَمّى) ذلک الوطیس[۲] صفه له، وجعل قوله "مثل الغمامة" مبتدأ و"سائرة" خبره لیس علی ما ینبغی فتدبرا۔

۷۵

اَقْسَمْتُ بِالْقَمَرِ الْمُنْشَقِّ اَنَّ لَهُ
مِنْ قَلْبِهِ نِسْبَةً مَبْرُوْرَةَ الْقَسَمِ

(اَقْسَمْتُ) حلفت (بِالْقَمَرِ) یقال بعد ما جاوز ثلاث لیالی الی آخر الشهر، سمی قمر البیاضه وفیها الهلال (الْمُنْشَقِّ) المنفلق فلقتین علی ابی قبیس وقیقعان آیة له صلی الله علیه وسلم وقد سئلها فقال: اشهدوا[۳]۔

والمراد بالقسم فی هذا المقام وامثاله مما یقسم بغیر الله صورة القسم لتاکید مضمون الکلام وترویجه فقط لأنه اقوی من سائر الموکدات و

---

[۱] سقطت من الاصل والصواب ثباتها۔

[۲] "الآن حمی الوطیس" قطعه من حدیث اخرجه مسلم فی صحیحه: ۵: ۱۶۷ فی کتاب الجهاد والسیر باب فی غزوة حنین، واحمد فی مسنده ۱: ۲۰۷ واخرجه الجاحظ فی جوامع کلمه صلی الله علیه وسلم انظر: البیان والتبیین ۲/ ۱۲۸ والشفا للقاضی ۱/ ۷۴ وشرح الشفا علی القاری ۱/ ۱۹۴ فی فصاحة النبی صلی الله علیه وسلم۔

[۳] قال القاضی عیاض والسیوطی: اجمع المفسرون واهل السنة علی وقوع انشقاق القمر، انظر: الشفا للقاضی ۱/ ۱۸۳ فصل فی انشقاق القمر والخصائص الکبری ۱/ ۱۲۵ وشواهد النبوة ۱۰۷ وصفة الصفوة: ۱/ ۹۲ وشرح الشفا علی القاری ۱/ ۵۸۴ ورواه مسلم عن ابن مسعود فی صفات المنافقین والترمذی فی تفسیر سورة القمر والبخاری فی علامات النبوة فی الاسلام، وابو نعیم فی الدلائل ۱/ ۹۵۔

اس حال میں کہ یہ بادل حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ سائرۃ۔ کے ساتھ پھر اس بادل کے چلنے کی طرف اشارہ کیا۔ (تقیہ) اس بادل کے ٹکڑے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچایا۔ (حر) گرمی سے (وطیس) خواہشات کے تندور سے۔ (للهجیر) ہاجرہ کے وقت یعنی نصف النہار جب گرمی شدید ہوتی ہے۔ (حمی) کے لیے ظرف ہے۔ ذلك الوطیس اس کی صفت ہے۔ مثل الغمامۃ مبتدا ہے اور سائرۃ اس کی خبر ہے۔ جس طرح چاہیے تھا اس طرح نہیں ہے۔ غور فرمائیے۔

۷۵

میں قسم کھاتا ہوں دو ٹکڑے ہونے والے چاند کے (رب) کی بیشک
اُسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک سے نسبت ہے اور یہ میری قسم سچی ہے

(اقسمت) میں قسم اٹھاتا ہوں۔ (بالقمر) مہینے کے آخر تک تین راتوں کے گزر جانے کے بعد کے لیے قمر کا لفظ بولا جاتا ہے۔ روشنی کی وجہ سے قمر بولتے ہیں۔ اور اسی میں ہلال بھی ہے۔ (المنشق) جدا۔ قیقعان اور ابو قبیس پہاڑ کے اوپر دو ٹکڑے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانی ہے۔ چاند کے بارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا، گواہ رہو۔

اس مقام پر قسم سے مراد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے ساتھ قسم کھانا یا اس کی طرح ہے۔ اس کا مقصد صرف مضمون کلام کی تاکید اور ترویج ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ طریقہ سب تاکیدوں سے زیادہ مؤکد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ قسم کھانے کے لحاظ سے زیادہ سلامتی والا ہے۔ جس کے ساتھ نیکی لازم آتی ہے۔ یہاں اس قسم سے مراد قسم شرعی مراد نہیں ہے۔ اور غیر اللہ کو اللہ کی تعظیم کے ساتھ تشبیہ

أسلم من التأكيد بالقسم بالله تعالى بوجوب البر به، وليس الغرض اليمين الشرعي وتشبيه غير الله تعالى به في التعظيم حتى يرد عليه أن الحلف بغير اسم الله تعالى و صفاته منهي "عنه"[1] بالحديث، قال صلى الله عليه وسلم: "ألا ان الله تعالى ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم فمن كان حالفاً فليحلف بالله أو ليصمت"[2]

وجواب القسم قوله: (إنَّ لَه) اى القمر (مِنْ قَلْبِهِ) اى النبي صلى الله عليه وسلم (نِسْبَةٌ) مناسبة يعني أن للقمر مناسبة ومشاكلة بقلبه: فقوله من قلبه متعلق به قسماً (مَبْرُورَةً) صادقة (القَسَمِ) يقال: بر في قسمه اى صدق والنسبة بعد المشاركة في كونهما سببين لنجاة العالم عن الظلمة ان كل واحد منهما انشق لأمر النبوة.

أما القمر فلما مر واما قلبه صلى الله عليه وسلم فلما ورد في حديث حليمة بنت الحارث أنها قالت في حديث طويل: فبينا نحن خلف بيوتنا و رسول الله صلى الله عليه وسلم مع أخ له من الرضاعة في بهم لنا، اذجاءنا اخوه يشتد فقال: ذلك أخي القريشي قد جاءه رجلان، عليهما ثياب بيض فاضجعاه فشقا بطنه، فخرجت أنا وأبوه نشتد نحوه فنجده قائماً منتقعاً

---

[1] سقطت من الاصل والصواب ثباتها۔

[2] راجع. سنن الدارمي: ٣٠٦ باب النهي عن أن يحلف بغير الله والجامع الصحيح ٥/٨٠ كتاب الايمان باب النهي عن الحلف بغير الله وصحيح البخاري ٧/٢٢١ كتاب الايمان والنذور، باب لا تحلفوا بآبائكم۔

دینا منع ہے۔ اللہ تعالیٰ یا اس کے صفات کے سوا کے ساتھ قسم اٹھانا ناجائز ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کی قسم کھاؤ۔ جس شخص نے قسم کھانی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کے نام سے قسم کھائے۔ ورنہ چپ رہے۔ اور جواب اور جواب قسم اِنَّ لہٗ یعنی چاند۔ من قلبہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور سے نسبتہ۔ مناسبت ہے۔ یعنی چاند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور سے مشابہ اور مشاکل ہے۔ من قلبہ کا قول قسم کے متعلق ہے۔ (مبرورۃ) سچا ہے القسم کہا جاتا ہے۔ کہ اپنی قسم میں فلاں شخص سچا ثابت ہوا۔ اور چاند کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشاکل ہم بیان کریں گے۔ کائنات کو اندھیروں اور ظلمتوں سے نجات کیلئے۔ ان میں سے ہر ایک امر نبوت سے ہے۔

چاند کا بیان تو ذکر ہو چکا ہے۔ بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور کے بارے حضرت حلیمہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی لمبی حدیث پاک جس میں انہوں نے فرمایا: ہم اپنے گھروں کے پچھواڑے کی طرف تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رضاعی بھائی کے ہمراہ بکریوں کے ریوڑ میں تھے۔ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی خوف اور گھبراہٹ کے عالم میں آیا۔ میرے اس قریشی بھائی کے پاس دو سفید پوش آدمی آئے۔ انہوں نے لٹایا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ مبارک کو شق کیا۔ پھر میں باہر نکل آیا اور ان کے والد بھی بڑے پریشان تھے ہم نے ان کو کھڑے ہوئے گھبراہٹ کی حالت میں پایا۔ اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور اُسے رضاعی والد کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ اس

لونه فاعتنقه ابوه فقال: ای بنی ما شانك قال، جاء نی رجلان علیهما ثیاب بیض فاضجعانی فشقا بطنی ثم استخرجا منه شیئاً فطرحاه ثم رداکما کان[1]۔

ولما روی عن انس رضی الله عنه: "أن رسول الله صلی الله علیه وسلم أتاه جبرائیل وهو یلعب مع الغلمان فأخذه فصرعه فشق عن قلبه فاستخرج منه علقه فقال: هذا حظ الشیطان منك، ثم غسله فی طست من ذهب بماء زمزم ثم لأمه واعاده فی مكانه وجاءت الغلمان یسعون الی امه یعنی ظئره فقالوا: ان محمداً قد قتل فاستقبلوه وهو منتقع اللون" قال انس رضی الله عنه فكنت أری اثر المخیط فی صدره هكذا فی المصابیح[2]۔

وفی المفاتیح: اعلم أن شق صدره صلی الله علیه وسلم صوری وسببه انه أراده الله تعالی ان یقدس قلبه وینور بنور ألطاف جلاله تحصیلاً لكمال الاستعداد حالة الطفولیة وتهیئاً لقبول الوحی السماوی فیصیر نفسه قدسیة ملكوتیة لكونها منقادة للقلب فكانت قابلةً للأنوار الالهیة التی حصلت فی القلب فأرسل الیه جبرئیل علیه السلام حتی شق صدره فأخرج منه علقه هی

---

[1] انظر: مشكوٰة المصابیح: ۵۲۳ باب علامات النبوة، والمستدرك للحاكم ۲/۵۸۲ كتاب التفسیر، باب واقعة شق صدر النبی صلی الله علیه وسلم واعلام النبوة: ۱۹۲ ودلائل النبوة للبیهقی ۱/۲۹۳ -

[2] انظر: مشكوٰة المصابیح: ۵۲۴ باب علامات النبوة .

نے کہا۔ میرے بیٹے آپ کے ساتھ کیا ہوا۔ فرمایا میرے پاس دو شخص آئے انہوں نے سفید لباس پہنا ہوا تھا۔ انہوں نے مجھے لٹایا۔ میرے بطن مبارک کو شق کیا۔ پھر ان دونوں نے اس سے ایک چیز کو باہر نکالا۔ اور پھینک دیا۔ پھر دوبارہ پہلے کی طرح بند کر دیا۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ اور آپ کے پاس جبریل آئے۔ پھر آپ کو پکڑ کر لٹایا۔ آپ کے قلب انور کو شق کیا۔ اس سے لوتھڑا نکالا۔ پھر کہا کہ یہ آپ سے شیطان کا حصہ ہے۔ پھر سونے کے برتن میں زمزم کے پانی سے اس کو دھویا۔ پھر اپنی جگہ پر رکھ لیا۔ بچوں نے اپنی ماؤں کے پاس آکر بتایا۔ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا گیا۔ پھر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔ جب تشریف لائے۔ تو مبارک چہرے پر وقوعہ کے آثار نمایاں تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں ان کے سینہ مقدس پر وہ نشانات گویا اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ اسی طرح مصابیح میں بھی ہے۔

اور مفاتیح میں ہے کہ جان لینا چاہیے کہ آپ کے سینہ مقدسہ کا شق ہونا صوری یعنی ظاہری ہے۔ اور اس کی وجہ اور سبب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک مزید مقدس ہو جائے۔ اور نور الطاف جلال سے منور ہو جائے تاکہ بچپن میں بھی کمال استعداد کی دولت سے مالا مال ہو کر مفرحات و برکات کو خوب سے خوب تر حاصل کرے۔ اور وحی الٰہی کے حصول میں خوب آسانی ہو۔ پھر آپ کی ذات مبارکہ ملکوتی اوصاف سے بلند تر ہو گئی۔ پھر دل مبارک انوار

تكون أم المفاسد والمعاصى فى الانسان فلهذا قال بعد ما اخرجه: هذا حظ الشيطان انتهى[1]

٧٦

وَمَا حَوَى الْغَارُ مِنْ خَيْرٍ وَمِنْ كَرَمٍ
وَكُلُّ طَرْفٍ مِنَ الْكُفَّارِ عَنْهُ عَمِي

(وَ) اذكر ويحتمل العطف على القمر فيكون[2] هو مقسماً به وقوله: إنَّ لَه حينئذ بيانا لوجه كونه مقسماً به والجواب قوله: ما سامنى[3].

(مَا) الذى وما للصفة (حَوَى) جمعه (الغار) هو ثقب فى اعلى ثور وهو جبل بمنى مكة على مسيرة ساعة (مِنْ خَيْرٍ) بيان لما وصف للنبى صلى الله عليه وسلم، جعله خيراً مبالغة فى وصفه بالخير والفيض (وَمِنْ كَرَمٍ) وصف للصديق رضى الله عنه جعله كرماً مبالغةً فى وصفه به، لأنه قال الله تعالىٰ فى حقه: وسيجنبها الأتقى الذى يؤتى ماله يتزكى[4].

والأتقى الأكرم لقوله تعالىٰ: "ان اكرمكم عند الله اتقاكم"[5]

---

[1] راجع: مرقاة المفاتيح: ٦/٢٥٧ كتاب الاسراء، باب علامات النبوة.

[2] وعبارة ب: لكونه مقسما بقوله.

[3] اشارة إلى البيت رقم: ٨٠

[4] سورة الليل، الاية: ١٨

[5] سورة الحجرات، الاية: ١٣

الٰہی کے حصول کے لیے بالکل مستعد ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا جبریل علیہ السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا۔ کہ آپ کا سینہ مقدس شق کیا جائے۔ اس لوتھڑے کو باہر نکالے۔ جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیعہ کے لائق نہیں تھا۔ اس کے بعد کہا۔

۷۶

قسم ہے اُس خیر و کرم کے (رب کی) جنہیں غار نے چھپایا

اس طرح کہ کافروں کی آنکھ اُنہیں دیکھنے سے اندھی ہو گئی۔

(و) یاد کرو۔ ممکن ہے اس کا عطف قمر پر ہو۔ یوں وہ مقسم بہٖ ہوگا۔ اور یہ قول کہ یہ اس وقت بیان اس کے لیے بیان ہے۔ اس لیے کہ وہ مقسم بہٖ ہے اور جواب اس کا ماسافی ہے۔

(ما) یا تو الذی کے معنی میں ہے یا ما صفت کے لیے ہے۔ (حوی) اس کی جمع غار ہے۔ اور یہ جبل ثور کی بلندی میں ایک غار ہے۔ یہ جبل منیٰ مکہ مکرمہ سے ایک گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے۔ (من خیر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غار کو سراپا خیر بنایا۔ (و من کرم) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وصف ہے۔ آپ کی توصیف میں اس غار کو آپ کے فیض اور کرم سے کرم کہا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں ارشاد فرمایا:

اور بہت اس سے دور رکھا جائے جو سب سے بڑا پرہیز گار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو۔

اَلْاَتْقٰی سے مراد زیادہ کرم والا ہے۔ اس لیے کہ ارشاد ہے:

بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔

(و) الحال ان (كُلَّ طَرْفٍ) عين، كائن (مِنَ الْكُفَّارِ عَنْهُ) اى عما حوى الغار اى عن رويته وهو متعلق بقوله (عَمِى) لايبصره مع أنه يبصر أشياء أخر روى ان المشركين طلعوا فوق الغار فأشفق أبو بكر رضى الله عنه على رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال صلى الله عليه وسلم ما ظنك باثنين، الله ثالثهما فأعماهم الله تعالى عن الغار فجعلوا يترددون حوله[1]

روى أنه صلى الله عليه وسلم لما أمر بالهجرة من مكة إلى المدينة لأربعة عشر سنة من البعثة، أراد الخروج فى ليلة وقصد الكفار من القريش أن يقتلوا إذا نام، فلما حان وقت العشاء جاؤا كلهم حول بيته ونزلت فى تلك الليلة اول يسين، فأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم كفاً من التراب وخرج من بيته وتلا عليهم: وجعلنا من بين ايديهم سداً ومن خلفهم سداً[2]-

والقى التراب على رؤسهم وأعينهم، فخرج من بينهم بحيث لم يشعر احد منهم بخروجه، فاخبرهم رجل بأنه قد خيبكم الله تعالى اذ قد ذهب محمد صلى الله عليه وسلم من بينكم وما شعرتم به وبما فعل بكم، فقاموا ينفضون التراب من روسهم ووجوههم فتوجه صلى الله عليه وسلم مع الصديق رضى

---

[1] انظر: مشكواة المصابيح: ٥٥٦ باب مناقب ابى بكر (رض) والسيرة الحلبية ۲/ ۴۸ وسيرة ابن زينى دحلان ۱/ ۳۱۱ -

[2] سورة يسين، الاية ۹:

(وَ) حالیہ ہے۔ (اِنْ) کل طرف۔ آنکھ (من الکفار عنه) کفار باوجود دیکھنے کے بھی اس غار کو نہ دیکھ سکے۔ حالانکہ دوسری چیزوں کو دیکھ لیتے تھے۔ روایت ہے کہ کفار غار کے قریب آتے۔ تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر دامن گیر ہوئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان دو (آدمیوں) کے بارے تیرا کیا خیال ہے۔ جن کا تیرا اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے غار کو ان کی نگاہوں سے اوجھل کیا۔ اور غار کے قریب متردد ہو کر پھرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا۔ تو رات کے وقت کا ارادہ کیا۔ تو کفار قریش نے خواب کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا قصد کیا۔ پھر جب عشاء کا وقت ہوا، تو کفار نے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اس رات سورۃ یٰسین کا ابتدائی حصہ نازل ہوا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس میں مٹی لی، گھر سے باہر نکلے۔ ان نازل شدہ آیات کو تلاوت کیا۔

"اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار"۔

اور وہ مٹی اُن کے سروں اور آنکھوں کی طرف پھینک دی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں گھر سے باہر نکلے کہ کفار نہ جان سکے۔ کسی نے ان کو بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر بخیر و عافیت نکل چکے ہیں۔ انہوں نے مٹی سے اپنے سروں اور آنکھوں کو صاف کیا۔ اور وہاں سے چلے گئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کے ہمراہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب اس غار کے دہانے پہنچ گئے۔ تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ

الله عنه تلقاء الغار، فلما بلغا بابه قال الصديق: یارسول الله أنا ادخل أولاً لعل فيه شيئاً من الهوام فيؤذيك، فجعل يدخل فى كل حجر إصبعه حتى وصل الى حجر عظيم فوضع رجله فيه، وفى رواية: يقد قميصه و يجعل فى حجر حجرٍ حتى فنىَ القميص وبقى حجر، فجعل رجله فيه، وبالجملة[1] لدغته رضى الله عنه فيه حية ثم قال، ادخل يارسول الله، فانى هيات لك منزلاً، فاشتغل الرسول صلى الله عليه وسلم بالاستراحة والصديق رضى الله عنه كان فى نصب وألم من لدغ الحية حتى تورم بدنه المبارك، فلما أصبح الرسول صلى الله عليه وسلم رأى بدنه متورماً فسأل عنه، قال: لسعت حية، فقال: هلاّ أخبرتنى، قال: ما أردت أن انغض عليك النوم، فمسح صلى الله عليه وسلم بدنه بيده فذهب الورم والألم بالكلية"[2]

ثم اشار الى تحقيق كونهم عمين وصرف الله تعالىٰ نظرهم عنه صلى الله عليه وسلم مع كونه بمرأى منهم۔

"

فَالصِّدْقُ فِى الْغَارِ وَالصِّدِّيْقُ لَمْ يَرِمَا
وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا بِالْغَارِ مِنْ اَرِمِ

(فالصِّدْق) النبى صلى الله عليه وسلم، سماه صدق لكماله فى الصدق

---

[1] كذا فى الأصل وفى ب: فى الجملة

[2] انظر: اعلام النبوة: ٨١ والسيرة الحلبية ٢/ ٥٧ وسيرة ابن هشام ٢/ ٩٣ وشواهد النبوة: ١١٥

عنہ نے عرض کیا۔ حضور! میں پہلے اندر جاتا ہوں۔ شاید اندر حشرات الارض ہوں تو اذیت نہ دے۔ میں صاف کروں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے غار کے اندر انگلیاں رکھیں اور ایک بڑے غار میں پاؤں کی ایڑی رکھی اور ایک روایت میں آیا۔ کہ اپنی قمیض مبارک پھاڑی۔ اور غار کے اندر موجود چھوٹے چھوٹے غاروں (بلوں) میں رکھتے گئے یہاں تک کہ قمیض کے چیتھڑے ختم ہو گئے۔ اور ایک بل باقی رہا تھا۔ اس میں اپنا پاؤں رکھا۔ پھر ایک سانپ نے اندر کی طرف سے کاٹ لیا۔ پھر عرض کیا۔ کہ آپ اندر تشریف لے آئیں۔ میں نے آپ کے لیے جگہ تیار کر لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لا کر آرام میں مصروف ہو گئے۔ اور سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہیں۔ اور سارا جسم ورم زدہ ہو گیا۔ اور جسم میں سارا زہر پھیل گیا۔ پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ مبارک کھولی، تو ان کا بدن ورم زدہ دیکھا۔ ان سے دریافت فرمایا۔ عرض کیا کہ سانپ نے کاٹا ہے۔ فرمایا مجھے خبر کیوں نہیں دی۔ عرض کیا کہ میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ آپ کے آرام میں خلل ڈالوں۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کے متورم جسم کو مس کیا۔ ورم اور درد سے مکمل طور پر افاقہ ہو گیا۔

پھر اگلے شعر میں کفار کے اندھے پن کی طرف اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اندھا کیا۔ حالانکہ وہ دیکھ بھی رہے تھے۔

”

پیکرِ صداقت اور صدیق دونوں غار میں تقدیرِ الٰہی پر ناراض نہ ہوئے

اور کافر کہہ رہے تھے کہ غار میں تو کوئی بھی نہیں۔

(فالصدق) سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے صدق

حيث لم يصدر عنه صلى الله عليه وسلم ما يسمى كذبا لوصورة كائن ـ

﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ والصديق الأكبر رضى الله عنه ايضاً كائن فيه الذى هوالأفضل بعد الأنبياء لقوله صلى الله عليه وسلم: والله ما طلعت الشمس ولا غربت بعد النبيين والمرسلين على رجل أفضل من أبى بكر[1]

وقوله صلى الله عليه وسلم: "ما ينبغى لقوم فيهم ابو بكر أن يومهم غيره"[2]

وقوله صلى الله عليه وسلم: لو وزن ايمان ابى بكر[3] بايمان العالمين لرجح[4] وقوله: اين مثل ابى بكر، كذبنى الناس وهو صدقنى وآمن وزوجنى ابنته وجهزنى بماله ونفسه وجاهد معى ساعة الخوف[5] وقول محمد ابن الحنفيه، قال، قلت لابى، اى الناس خير النبى صلى الله عليه وسلم فقال: ابوبكر، قلت ثم من، قال عمر[6] الحديث: وقول ابن عمر (رض) قال، كنا نقول ورسول الله صلى الله عليه وسلم حى، افضل امة النبى صلى الله عليه وسلم بعده ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم على[7] رضوان الله تعالى عليهم اجمعين، وقول عمر رضى الله عنه: ابوبكر سيدنا وخيرنا و أحبنا الى رسول الله صلى الله وسلم[8]

وقول عمرو العاص: ان النبى صلى الله عليه وسلم بعثه على جيش

---

[1] ذكره ابن زينى فى السيرة النبوية ١/٣١٦ من حديث ابى الدردار (رض) قال رآنى رسول الله صلى الله عليه وسلم أمشى امام ابى بكر (رض) فقال: يا أبا الدردار تمشى امام من هو افضل منك فى الدنيا والآخرة فوالذى نفس محمد بيده ما طلعت الشمس الخ ـ

[2] انظر: مشكوٰة المصابيح: ٥٥٥ باب مناقب ابى بكر الصديق رضى الله عنه ـ

[3] فى الاصل "ابوبكر" وهو خطأ والصواب ما اثبت ـ

[4] قيل: إنه من كلام عمر رضى الله عنه، انظر: الدرر المنتثرة، ص: ١٦٩

[5] لم اعثر على تخريجه وفى السيرة الحلبية ١/٣١٠ حديث: ان اعظم الناس علينا منا ابوبكر زوجنى ابنته وواسانى بنفسه ـ

[6] انظر، صحيح البخارى ٤/١٩٥، كتاب اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم، باب فضل ابى بكر بعد النبى صلى الله عليه وسلم، وسنن أبى داود ٤/٢٨٨ كتاب السنة، باب فى التفضيل ـ

[7] نفس المراجع

[8] راجع: جامع الترمذى ٢/٢٠٦، ابواب المناقب، باب مناقب أبى بكر رضى الله عنه ـ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ خدا کی قسم انبیاء و رسل علیہم السلام کے بعد صدیق اکبر سے زیادہ افضل شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا۔

اور فرمایا۔ جس قوم میں ابوبکر ہو۔ اس کی مناسب نہیں۔ کہ کوئی اور امامت کرے۔

اور فرمایا۔ اگر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان تمام عالم کے لوگوں کے ایمان کے ساتھ تولا جائے۔ تو پھر بھی راجح ہوگا۔

اور فرمایا۔ ابوبکر کی مثل کہاں ہے۔ لوگوں نے جب مجھے جھٹلایا تو اس نے میری تصدیق دی۔ میرے اوپر ایمان لایا۔ اپنی بیٹی نکاح میں دی۔ مال سے مدد کی۔ نفس سے مدد کی۔ اور میرے ساتھ خوف کی حالت میں بھی مجاہدہ کیا۔

محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد محترم سے عرض کیا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل کون ہے۔ فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ، عرض کیا پھر کون۔ فرمایا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں بھی کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں افضل ترین شخصیت سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے۔ اور اس کے بعد حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی ہے۔ اور ان ہی کا فرمان ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے بڑا، بہتر اور محبوب الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر ذات السلاسل پر ان کو سربراہ بنا کر بھیجا۔ میں نے ان کی خدمت

ذات السلاسل، قال فأتيته فقلت: أی النساء أحب إلیك، قال:

عائشة رضی الله عنها قلت: من الرجال، قال: أبوها، قلت ثم من

قال صلی الله علیه وسلم: عمر[1] الحدیث

والخلیفه بعد النبی صلی الله علیه وسلم لقول جبیر بن مطعم: قال

أتت رسول الله صلی الله علیه وسلم امرأة، فکلمته فی شیء فأمرها ان ترجع إلیه

قالت: یارسول الله أرأیت إن جئت ولم أجدك، کأنها تقول الموت، قال: ان

لم تجدینی[2] فأتی أبا بکر[3]۔

ولما روی عن أنس بن مالك رضی الله عنه: انه قال: کنت مع النبی صلی

الله علیه وسلم فی حائط وکان بابه مغلقاً فإذا رجل دق بابه وقال صلی الله علیه

وسلم: انظر یا أنس من هو، فاذا هو ابو بکر فقلت: أبو بکر یارسول الله، قال

افتح الباب وبشره بأنك تکون الخلیفة بعدی، ثم دق رجل آخر، قال صلی

الله علیه وسلم انظر، فإذا هو عمر رضی الله عنه، فقلت له، فقال لی افتحه

وبشره بأنك تکون الخلیفه بعد أبی بکر، ثم دق آخر، فقال انظر، فإذا هو

عثمان رضی الله عنه فقال: افتحه وبشره بأنك تکون الخلیفة بعد عمر

ثم تصیر شهیداً هکذا ذکر فی شواهد النبوة"[4]

(لم یَرِمَا): قال بعض الشارحین: یجوز أن یکون من وَرِم أنفه: اذا غضب

---

[1] راجع: صحیح البخاری ٤/١٩١ باب فضل أبی بکر (رض) بعد النبی صلی الله علیه وسلم و الجامع الصحیح ٧/١٠٩ کتاب فضائل الصحابة۔

[2] فی الاصل "تجدنی" والصواب ما اثبت۔

[3] انظر: صحیح البخاری ٤/١٩١ باب فضل ابی بکر بعد النبی صلی الله علیه وسلم والجامع الصحیح ٧/١١٠ کتاب فضائل الصحابة والترمذی ٢/٢٠٨ ابواب المناقب، باب مناقب ابی بکر رضی الله عنه۔

[4] انظر شواهد النبوة: ٢٤٤۔

میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ عورتوں میں سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون محبوب ہے، فرمایا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا۔ میں نے عرض کیا۔ مردوں میں۔ فرمایا۔ ان کے والد گرامی رضی اللہ عنہ، میں نے پھر پوچھا۔ فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ کہ ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی تو آپ نے فرمایا پھر آنا۔ وہ عرض گزار ہوئی اگر میں پھر آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو کیا کروں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابو بکر کی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک چار دیواری میں تھا۔ جس کا دروازہ بند تھا۔ کسی شخص نے دروازے پر دستک دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا کہ دیکھ کر آ۔ دروازے پر کون ہے۔ وہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دروازہ کھولو۔ اور اس کو خوشخبری دو۔ کہ تو میرے بعد خلیفہ ہوگا۔ پھر دوسرے شخص نے دروازے پر دستک دی۔ فرمایا۔ دیکھ آؤ۔ تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ مجھے فرمایا۔ دروازہ کھولو اور اس کو بشارت دو کہ وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ہوگا۔ پھر کسی اور نے دروازے پر دستک دی۔ فرمایا دیکھ آؤ۔ تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دروازہ کھولو اور اس کو بشارت دو۔ کہ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ہوگا تو پھر جام شہادت نوش فرمائے گا۔ اسی طرح شواہد النبوہ میں مذکور ہے۔

(لم یرما) بعض شارحین نے کہا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ناک ورم زدہ ہو یعنی

حضرت علی حاضر ہوجانا۔

ومن رامه يريمه ريماً على خلاف القياس للضرورة أولكون حركة الميم عارضة، فكان الالتقاء باقياً، والمعنى على الاول، لم يغضبا على القضاء والقدر ولم يتغيرا من حالهما باستشعار الخوف لكمال تمكينهما وصدق يقينهما وعلى الثانى، لم يبرحا وبعض الناس يقرأ لم يُرَمَا، وباذلك من الناظم وانما حمله على ذلك العجز عن تأويل "لم يَرِمَا" وفى قوله "لكون حركة الميم عارضة" بحث، تدبر!.

ثم أورد عليه بعضهم أن هذا الحذف من قبيل الحذف القياسى الضرورات الشعرية والسماع غير معلوم والتوجيه الاول ايضاً بعيد غاية البعد، هذا وهو لا يخلو عن شئ، ثم قال: ولا يبعد أن يكون المراد أنه لم يتورما ببركة النبى صلى الله عليه وسلم الصديق رضى الله عنه مع أن الغار ماوى الحيات، والاولى أن يكون صيغة الواحد مؤكدا بنون الخفيفه المنقلبة ألفاً وقفاً يعنى الصديق لم يتورم أصلاً مع لدغ الحية، انتهى كلامه.

اقول وفيه بحث فإن التوجيه الاول لا يخلو عن قلق واضطراب كما لا يخفى، والثانى يناقض القصه المذكورة الثابته فى كتب السير، والعجب انه نقل القصة بعين ما نقلناه، ثم قال بهذا التوجيه والاولى أن يقال أنه مفرد مؤكد بالنون الخفيفه المنقلبه ألفاً حالة الوقف وان كان

جب غصہ آئے۔ اور رام پریم راماً ضرورت کے تحت خلاف قیاس ہے۔ یا اس لیے کہ میم کی حرکت عارضی ہے۔ پھر التقا یعنی گر جانا باقی ہو۔ اور اس کا معنی تقدیر اول پر یوں ہے۔ کہ وہ دونوں قضا اور قدر پر ناراض نہیں۔ خوف کی وجہ سے ان کا حال تبدیل نہیں ہوتا۔ پکے ارادے اور صدق ویقین کی وجہ سے متغیر نہیں ہوتے۔ اور تقدیر ثانی پر یوں ہوگا۔ لہ یرما اور بعض لوگ اس کو لم یرمَا پڑھتے ہیں۔ ناظم قصیدہ نے اس عجز کو تاویل یَدِما پر محمول کیا۔ اور ایک قول ہیں کہ میم کی حرکت عارضی ہے۔ یہ بھی کہا۔ غور فرمائیے۔

پھر اس کے بعد بعض لوگوں نے کہا۔ کہ یہ خذف قیاسی ہے۔ یہ ضروریات شعری سے نہیں اور سماع معلوم نہیں ہے۔ پہلی توجیہہ بہت بعید ہے اور وہ کسی چیز سے خالی نہیں ہے۔ پھر کہا۔ ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو۔ کہ اس کے پاؤں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ورم زدہ نہ ہوئے ہوں۔ باوجود اس کے کہ سانپ کی جگہ سے۔ اور پہلا یہ کہ صیغہ واحد نون مضیفہ سے موکد ہو۔ جو نون مضیفہ الف وقف میں تبدیل ہو۔ یعنی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پیر مبارک باوجود سانپ کے کاٹنے سے ورم زدہ نہ ہوا۔

میں کہتا ہوں اس میں قدرے تفصیل ہے۔ اس لیے کہ پہلی توجیہہ قلق اور اضطراب سے خالی نہیں۔ جیسا کہ مخفی نہیں۔ اور دوسری توجیہہ اس ثابت شدہ تفصیل کے منافی ہے۔ جو کتب سیر میں مذکور ہے اور تعجب تو ہے کہ اس قصے کو بعینہ اسی طرح نقل کیا۔ جیسا کہ ہم نے نقل کیا۔ پھر اس توجیہہ کا کہا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم یوں کہیں کہ یہ نون مضیفہ موکد کو الف حالت الوقف میں تبدیل کیا گیا۔ اور اگر یوں کہا جائے

فى غير الطلب على معنى ان الصديق رضى الله عنه لم يخبر على مقتضى الألم والورم من القلق والاضطراب وايقاظ النبى صلى الله عليه وسلم بل صبر واحتسب حتى أصبح النبى صلى الله عليه وسلم ورآه متورماً فسأله او على معنى انه لم يتغير من خوف العدو وتغيراً بينا فى التسليم وإن كان منزعجاً، قال القاضى فانزل الله سكينه عليه[1] آمنته[2] التى تسكن عندها القلوب "عليه" على النبى صلى الله عليه وسلم أو على صاحبه وهو الأظهر لأنه كان منزعجاً[3] (وَهُمْ) اى الكفار المصرفون المقهورون (يَقُولُونَ مَا بِالْغَارِ) فى الغار (مِنْ اَرِمٍ) اى أحد ككلم.

ثم بين وجه قولهم بقوله:

۴۸

ظَنُّوا الْحَمَامَ وَظَنُّوا الْعَنْكَبُوتَ عَلَى
خَيْرِ الْبَرِيَّةِ لَمْ تَنْسِجْ وَلَمْ تَحُمِ

(ظَنُّوا الْحَمَامَ وَظَنُّوا الْعَنْكَبُوتَ) الناسجة، والغالب عليها التانيث (عَلَى خَيْرِ الْبَرِيَّةِ) الخليفة[4] متعلق بقوله (لَمْ تَنْسِجِ) بكسر السين وضمها (وَلَمْ تَحُمِ) اى لم تحل الحمام حوله.

روى أنه نبت تلك الليلة على باب الغار شجر، ونسج[5] العنكبوت عليه، والحمامتان الوحشيتان باضتا فى أسفله، فلما وصل الكفار إلى ان

---

[1] سورة التوبة الاية: ۴۰

[2] وعبارة الأصل: اومنه الذى بسكن عندها القلوب والتصريب من تفسير البيضاوى.

[3] انظر، تفسير البيضاوى: ۲۵۴ سورة التوبة الاية: ۴۰ فى تفسير: فانزل الله سكينه عليه وأيده بجنود لم تروها.

[4] فى الأصل "الخليفه" والصواب ما اثبت.

[5] وفى ب: لا [6] وفى ب: نسجت،

کہ غیر طلب میں قلیل ہے اور معنی یوں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے درد اور ورم کو محسوس نہیں کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاگنے سے بے خبر رہے بلکہ صبر کیا۔ ثواب کا ارادہ کیا۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود جاگ پڑے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حالت درد کو مشاہدہ فرمایا۔ پھر آپ نے پوچھا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا رنگ دشمن کے خوف سے تغیر نہیں ہوا۔ اور یہ تغیر ماننے کے قریب بھی نہیں۔ قاضی نے فرمایا، اس کے اوپر سکینہ (اطمینان) کو نازل فرمایا۔ جس سے دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور وہ اطمینان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ یا اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین پر۔ اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔ (وھُمْ) اور کفار مقہور و مغضوب ہو کر بھاگ رہے تھے (یقولون ما بالغار) یعنی غار میں۔ (من ارم) تم سب میں سے ایک۔

پھر ان کے بات کی وجہ بیان کی۔

۷۸

کافروں نے خیال کیا جس غار میں اشرف الخلق جلوہ افروز ہوئے اس کے منہ پر نہ کبوتری نے انڈے دیئے اور نہ مکڑی نے جالا تنا۔ (ظنو الحمام وظنوا العنکبوت) بننے والی مکڑی۔ اور اس پر مؤنث ہونا غالب ہے۔ (علی خیر البریۃ) تمام مخلوقات سے بہتر یہ لم تنسج کا متعلق ہے۔ اس کے کسرہ زیر اور ضمہ پیش سے پڑھا جاتا ہے۔ (ولم تحم) اور کبوتر نے وہاں گھونسلا بنایا۔

روایت میں آیا ہے کہ اسی رات غار کے دروازے پر ایک درخت اُگ آیا۔ اسی میں مکڑی نے جال بنایا۔ اور جنگلی کبوتروں نے اس کے نچلے حصے میں انڈے دیئے۔ جب کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر پہنچے۔

يبقى[1] بينهم وبين الغار مائتا ذراع، وفي رواية خمسون ذراعاً، أرسلوا واحداً إلى الغار، فلما وصل إلى باب الغار انصرف، قالوا: لم انصرفت قال: رأيت الحمامتين الوحشيتين على باب الغار، فعلمت أنه ليس في الغار أحد. فدعا صلى الله عليه وسلم للحمامتين حتى كثرت ولوّاها الله تعالى في الحرم[2].

٧٩

وِقَايَةُ اللهِ اَغْنَتْ عَنْ مُضَاعَفَةٍ
مِنَ الدُّرُوْعِ وَعَنْ عَالٍ مِنَ الأُطُمِ

(وِقَايَةُ اللهِ) الصادق والصديق (اَغْنَتْ) جعلتهما مستغنيين (عَنْ مُضَاعَفَةٍ مِنَ الدُّرُوْعِ) اى الدروع المضاعفة (وَعَنْ عَالٍ مِنَ الأُطُمِ) بضم الهمزة والطاء اى الحصون المرتفعة جمع اَطَمَةٍ كَقَلْبَةٍ[3].

والحاصل: أن من كان محباً لله تعالى، واثقاً به، متوكلاً عليه حاضراً لديه، لا يحتاج إلى لبس الدروع المضاعفة، والالتجاء إلى الحصون العالية بل وقاية الله وحفظه يصير له دروعاً وحصوناً. ثم أشار إلى تقرير ما في البيت بقوله.

---

[1] وفي ب: بقي

[2] راجع شواهد النبوة: ١٥

[3] وفي الصحاح: الواحدة: أَطَمَةٌ مثل أَكَمَةٍ ٥/١٨٦٢ و اللسان: ١٢/١٩

اور ایک روایت میں ہے۔ کہ پانچسو گز کے فاصلے پر پہنچے۔ انہوں نے ایک شخص کو غار کی طرف بھیجا۔ وہ شخص جب غار کے دروازے پر پہنچا۔ واپس ہوا۔ انہوں نے کہا۔ تو واپس کیوں لوٹا۔ اس نے کہا میں غار کے دہانے پر جنگلی کبوتروں کو دیکھا۔ پھر میں نے سمجھا کہ غار میں کوئی نہیں ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبوتروں کے لیے دعا کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں اضافہ فرمایا۔ اور ان کو حرم میں آباد کیا۔ یعنی روضہ مقدسہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر۔

۷۹

اللہ تعالےٰ کی حفاظت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوہری زرہوں اور بلند قلعوں سے بے نیاز کر دیا۔

(وقایۃ اللہ) صداقت اور صدیق۔ (اعنت) ان دونوں کو مستغنی قرار دیا۔

(عن مضاعفۃ من الدروع) ڈبل آہنی لباس۔ (وعن عال من الاطم) طاء اور ہمزہ کے زبر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یعنی بلند قلعے۔ اطمۃ جو کہ طلب کے وزن پر ہے کی جمع ہے۔

حاصل کلام یہ ہے۔ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا، اعتماد کرنے والا اور اس پر توکل کرنے والا ہو۔ اور خود کو ہر وقت بارگاہ الٰہی میں حاضر سمجھنے والا ہو۔ وہ آہنی لباس کو نہیں پہنتا۔ اور نہ بلند قلعوں کا سوال کرتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اس کے لیے آہنی لباسوں اور بلند قلعوں سے بے نیار کر دیتی ہے۔ پھر اس کے بعد اپنے شعر سابقہ مفہوم کی طرف اشارہ کیا۔

٨٠

مَا سَامَنِي الدَّهْرُ ضَيْماً وَاسْتَجَرْتُ بِهِ
إِلَّا وَنِلْتُ جِوَاراً مِّنْهُ لَمْ يُضَمِ

(مَا سَامَنِي) اذاقني[1] (الدَّهْرُ) الزمان (ضَيْماً) ظلما (وَ) ما (اسْتَجَرْتُ) طلبت الجوار والامن (بِهِ) بالنبي صلى الله عليه وسلم في حال من الاحوال (إِلَّا وَ) الحال أني (نِلْتُ) وجدت۔

وتقدير "قد" في هذا المقام كما قال به بعض الفضلاء، مما لا حاجة إليه اذ كثيرا ما يقع الحال بعد إلا ماضيا مجردا عن "قد" والواو نحو: ما أتيته إلا أتاني، وفي الحديث: ما أيس الشيطان من بني آدم إلا أتاهم من قبل النساء، وذلك لأنه قصد لزوم تعقيب مضمون ما بعد إلا لما قبلها فاشبه الشرط والجزاء صرح به العلامة التفتازاني في شرح التلخيص[2] ومقرونا بالواو وحدها ولم يسمع فيه قد من دون الواو وصرح به الرضي[3]۔

(جِوَاراً) بالكسر، أمانا حاصلا (مِنْهُ) صلى الله عليه وسلم (لَمْ يُضَمِ) صفة جوار أي لم يظلم ذلك الجوار بأن يظلم[4] من طلبه، من الضيم يعني ما عرض لي حادث من الحوادث الا دفع الله تعالى ذلك بيمن الاستجارة والالتجاء إليه صلى الله عليه وسلم لأنه حبيب إله العالمين ورحمة

---

[1] وردت في ب: آذاني

[2] راجع شرح تلخيص المفتاح المسمى بمختصر المعاني: ٢٢١

[3] انظر: شرح الكافية للرضي: ٢/١٢٦

[4] في الاصل "يظلم على" والصواب ما اثبت۔

۸۰

جب کبھی مجھے اہلِ زمانہ نے از رہِ ظلم تکلیف دی تو میں نے آپ سے پناہ چاہی اور میں نے آپ کی بارگاہ سے ایسی پناہ حاصل کی جس پر ظلم نہیں کیا گیا۔

(ماسامنی) مجھے چکھادیا۔ (الدھر) زمانہ۔ (ضیما) ظلم۔ (و) وہ جو (استجرت) انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و جوار میں امن کو چاہا۔ (الاو) واؤ حالیہ ہے۔ بیشک میں نے۔ (نلت) اس کو پایا۔

اس مقام پر قد کو مقدر تسلیم کیا گیا ہے۔ جس کا بعض فضلا نے کہا ہے۔ جس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت بھی نہیں۔ اس لیے کہ اکثر یہ حال واقع ہوتا ہے۔ مگر قد سے صرف ماضی اور واؤ نحو کی طرح ما اتیتہٗ الا ربانی۔ اور حدیث پاک میں آیا۔ شیطان بنی آدم سے مایوس نہیں ہے۔ وہ ان کے پاس عورتوں کی طرف سے آتا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ مابعد کے مضمون کو لازمی ارادہ کیا گیا۔ مگر صرف ماقبل کے لیے تو یہ شرط اور جزا کے مشابہہ ہوا۔ اور اس کی تصریح علامہ تفتازانی تلخیص میں کی ہے۔ اور صرف واؤ کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اور قد بغیر واؤ کے نہیں بولا جاتا ہے۔ رضی نے اس کی تصریح کی ہے۔

(جوار) زہر کے ساتھ امن حاصل ہے۔ (منہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ الحیضم قرب و جوار کی تعریف ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں پر بھی ظلم نہیں ہوتا۔ یعنی ہر پیش آنے والے حادثے کو اللہ تعالیٰ ان سے دور فرماتا ہے۔ اس لیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں التجا اور امن چاہتے ہیں۔ اور اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے معبود کا محبوب ہے اور

لهم وصاحب الشفاعة على اليقين.

هذا وأما الاستعانة بمن مات من الصلحاء فيتوقف على اثبات أنه يسمع وانه من أهل الجنة على اليقين وأنه ماذون فى الشفاعة وأنه ماذون أن يشفع لشخص زائر تربته مريداً منه العون، وكل ذلك مما لا دليل عليه: من ذا الذى يشفع عنده إلا باذنه[1] ومجرد الظن لا يغنى من الحق شيئاً فلا تطع ماليس لك به علم.

٨١

وَلَا الْتَمَسْتُ غِنَى الدَّارَيْنِ مِنْ يَدِهِ
إِلَّا اسْتَلَمْتُ النَّدَى مِنْ خَيْرِ مُسْتَلَمِ

(وَلَا الْتَمَسْتُ) طلبت (غِنَى الدَّارَيْنِ) الاولى والعقبى (مِنْ يَدِهِ) صلى الله عليه وسلم فى حال (إِلَّا) والحال أنى (اسْتَلَمْتُ) قبلت كما هو رسم المتأدبين عند أخذ شئ من الكبراء (النَّدَى) العطاء الواصل (مِنْ خَيْرِ

[1] سورة البقرة، الاية ٢٥٥

رحمت ہے اور یقینی طور پر شفاعت فرمانے والے ہیں۔

سلف صالحین جن کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان سے استعانت یعنی مدد مانگنے میں توقف ہے۔ وہ سنتے ہیں اور یقینی طور پر اہل جنت سے ہیں۔ ان کو شفاعت کی اجازت ہے۔ کہ وہ اپنے زائر کی مدد کرے۔ اور اس پر کوئی دلیل نہیں۔" اور صرف گمان حق سے مستغنی نہیں کر سکتا۔ پس اس کی اطاعت نہ کر۔ جو تمہیں معلوم نہیں۔ سے بزرگان دین اپنی قبور کے اندر مدد فرماتے ہیں۔ اصل یہ آیت کریمہ ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا۔

اس کے علاوہ مشہور کہ ایک اعرابی در پاک پہ حاضر ہوتا ہے اور اس کی شفاعت ہوتی ہے۔ اس پر دلائل زیادہ ہیں نہیں معلوم کہ موصوف نے کیوں یوں کہا۔

(مترجم رضوی)

۸۱

اور میں نے کبھی آپ کے دستِ رحمت سے دین و دنیا کی دولت نہیں مانگی
مگر میں نے اس ہاتھ مبارک سے حاصل کر لی جو بہترین بوسہ گاہ ہے۔

(ولا التمست) میں نے طلب کیا۔ (غنی الدارین) دین اور دنیا یا دنیا اور آخرت (من یدہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے اس حال میں۔ (الا) کہ میں نے (استلمت) قبول کیا۔ جس نے ادب کرنے والوں کا دستور ہے، جب وہ بڑوں سے کوئی چیز لیتے ہیں۔ (الندی) عطا اور وصول ہونے والا۔ (من خیر مستلم) قبول کیا ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک

مُستلِم، مُقبَل، كناية عن يده صلى الله عليه وسلم۔

والحاصل أن سلب المضار وجلب المنافع يحصل بالتوجه إلى حضرته عليه أكمل التحيات وأفضل الصلوات إلى يوم الميقات۔

ثم لما كان القول فى المعجزات أشار إلى معجزته[1] وهى يقظه قلبه صلى الله عليه وسلم عند النوم وبقاؤه متميزاً مدركاً خلاف ما عليه العادة، وفيه إشارة إلى معجزة اخرى وهى أن نومه لم يكن ناقضاً للوضوء مع القول بأن الهامه فى النوم مبرأ[2] عن طرق الشك، فقال۔

٨٢

لَاتُنْكِرِ الْوَحْىَ مِنْ رُؤْيَاهُ اِنَّ لَهُ
قَلْبًا اِذَا نَامَتِ الْعَيْنَانِ لَمْ يَنَمِ

(لَاتُنْكِرِ) ايها المخاطب (الْوَحْىَ) الإلهام[3] (مِنْ رُؤْيَاهُ) ما يرى فى المنام أى الالهام الذى هو رؤياه صلى الله عليه وسلم بحسبانك أن الرؤيا يفارق حاله الإدراك فى العادة، ثم بين ذلك بوجهين، الأول قوله (اِنَّ لَهُ) للنبى صلى الله عليه وسلم (قَلْبًا) والمراد منه اللطيفة الربانية العارفة المدركة المتميزة[4] لا المضغة اللحمية، الصنوبرى الشكل، المودعة فى الجنب الأيسر۔

(اِذَا) كلما (نَامَتِ الْعَيْنَانِ لَمْ يَنَمِ) ذلك القلب بل يبقى يقظاناً مدركاً

---

[1] وردت فى ب : معجزة۔

[2] فى الاصل "مبراى" والتصويب من "ب"

[3] وردت فى ب الموضعين : الهام [4] وردت فى ب : المميزة۔

سے کنایہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ ضرر کو دفع کرنا اور منافع کے حصول کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک معجزہ کی طرف اشارہ کیا۔ اور وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب مبارک کا دوران جاگنا ہے۔ ان تمام چیزوں کو محسوس کرنا اور سمجھنا جن کو جاگتا ہوا انسان محسوس کر سکتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ۔ اور ایک اور معجزہ کی طرف اشارہ کیا۔ اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند ناقص وضو نہیں۔ اس لیے نیند کی حالت میں الہام شک سے خالی ہے۔ پھر فرمایا:۔

۸۲

آپ کے خواب کی وحی کا انکار نہ کر کیونکہ آپ کا دل مُبارک
بیدار رہتا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سوتی ہیں۔

(لاتنکر) اے مخاطب۔ (الوحی) الہام۔ (من رویاہ) وہ جو انسان نیند میں دیکھتا ہے، وہ الہام جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب ہے۔ جو آپ کے دل مبارک پر وارد ہوتا ہے۔ عادت سے ہٹ کر خواب اور اک اور سمجھ پر وارد ہوتا ہے پھر دو وجھوں سے اُن کے درمیان فرق کو ذکر کیا۔ پہلی وجہ ان لہٗ۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قلب الور ہے۔ اور اس سے مراد لطیفہ ربانیہ عارفہ ہے۔ جو مدرکہ اور متمیزہ ہے نہ کہ گوشت کا وہ ٹکڑا جو صنوبری شکل کا ہوتا ہے۔ اور سینے کے بائیں جانب ہوتا ہے۔ اذا۔ جب بھی۔ نامت العینان لم ینم۔ آنکھیں سوتی ہیں۔ تو دل مبارک اس وقت نہیں سوتا۔ بلکہ جاگ رہا ہوتا ہے۔ سمجھ رہا ہوتا

متميزاً لقوله صلى الله عليه وسلم: إن عيني تنامان ولا ينام قلبي[1] ولذا لم يكن نومه صلى الله عليه وسلم ناقضاً للوضوء، والثاني قوله،

٨٣

وَذَاكَ حِينَ بُلُوغٍ مِنْ نُبُوَّتِهِ
فَلَيْسَ يُنْكَرُ فِيهِ حَالُ مُحْتَلِمِ

(وَذَاكَ) اى كان رؤياه وحياً كان (حِينَ بُلُوغٍ) اى بلوغه ووصوله، (مِنْ نُبُوَّتِهِ) لقوله صلى الله عليه وسلم: "الرؤيا الصالحة من الرجل الصالح جزء من ستة واربعين جزءاً من النبوة"[2]

وبيانه أن مدة الوحي كانت ثلاثاً وعشرين سنة، منها ستة اشهر كان النبى صلى الله عليه وسلم يرى الرؤيا، ثم جاء جبريل عليه السلام بعد ذلك، وستة أشهر من ثلاث وعشرين سنة جزء من ستة أربعين جزءاً لان كل سنة اثنا عشر شهراً فيكون ثلاث وعشرون ستة واربعين جزءاً۔

---

[1] راجع: صحيح البخارى ٢/٤٨ فى كتاب التهجد، باب قيام النبى صلى الله عليه وسلم بالليل، الجامع الصحيح ٢/٢٤٨ فى صلاة المسافرين، باب صلاة الليل، وسنن الترمذى ١/٥٩ باب وصف صلاة النبى صلى الله عليه وسلم وسنن الدارمى ص: ٦ باب صفة النبى صلى الله عليه وسلم والموطأ للامام مالك ١/١٢٠ فى صلاة الليل وشرح السنة ٤/٥ باب صلاة الليل ودلائل النبوة للبيهقى ١/٢٧٧ والخصائص الكبرى ١/٦٩

[2] انظر: صحيح البخارى ٨/٦٨ فى كتاب الرؤيا، باب رؤيا الصالحين والجامع الصحيح ٧/٥٣ فى كتاب الرويا، مسند الامام احمد ١/١٤٣ وسنن الترمذى ٢/٥١ فى ابواب الرويا، باب ان رويا المومن جزء من ستة واربعين جزءاً من النبوة وسنن الدارمى: ٢٥٣ باب فى الرؤيا المسلم وسنن أبي داود ٤/١٦٤ باب ماجاء فى الرويا۔

٭ وفى بعض النسخ للمقصدة، فذاك مكان وذاك وتنكر مكان يُنكر۔

ہے اور ہر چیز میں فرق کر رہا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند مبارک ناقص وضو نہیں۔ اور دوسری وجہ یہ کہ

۸۳

پس وہ وقت تھا جب آپ زمانۂ اعلانِ نبوت کے قریب پہنچ چکے تھے پس سن بلوغت میں خواب دیکھنے والے کے حال کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

وذاك یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب مبارک بھی وحی الٰہی ہے۔ حین بلوغ: جب پہنچے اور وصول ہو۔ من نبوته: اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نیک آدمی کا نیک خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ اور اس کی تفصیل یوں ہے کہ وحی کی مدت تیئس (۲۳) سال تھی۔ ان میں چھ ماہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب دیکھتے رہے۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ اور چھ ماہ تیئس سال چھیالیسواں حصہ ہے۔ اس لیے کہ ہر سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے۔ پس تیئس سال چھیالیس اجزاء اور حصے بنے۔

قال بعض الفضلاء: مقصود ازین بیت بعد از اثبات کمالات که مستدعی مرتبه نبوت است دفع منافی نبوت است از وی، یعنی نهایت نقصان که ناقصی در وی توهم آنرا منافی نبوت داند، خواب وغفلت او است، منکر مشو الهام خدای تعالی مرا ورا زجهت خواب دیدن۔[1]

أقول: إما ان يريد من الرؤيا ما يرى النائم أو النوم، وعلى التقديرين لا يخلو عن شئ، أما على الاول فلأنه إما أن يكون متعلقا بيُنكَرُ او الوحی،[2] فان كان الاول فالتعليل غير سديد إذ المتوهم تصور النوم منافياً لا الرؤيا وكذا تعليل نهى أنكار من تصور النوم منافياً للنبوة بأن الرويا وحى وان كان الثانى فالظاهر ان كلمة "من" حينئذ ابتدائية أو بيانية، وأما على الثانى فلان الرؤيا هو ما يرى النائم لا النوم، وأن قوله فى التعليل الثانى "واز برای آنکه این رویا وحی است"[3] غير سديد إذ كون الرويا وحياً انما هو بالمعنى الاول لا الثانى، وههنا أبحاث لا يحتملها المقام۔

ثم فرع على ما ذكر قوله (ف) كيف كما يدل عليه رواية (ليس ينكر فيه) صلى الله عليه وسلم (حال) صفة (مُحْتَلِمٍ) را، الرويا۔

---

[1] عبارة فارسية ترجمتها: والمقصود من هذا البيت بعد ما اورد الكمالات التى تثبت مرتبة النبوة، هو الرد على إنكار النبوة عنه يعنى أنه من الخسارة العظيمة ان يتوهم قليل الفكر ان هذا الامر مناف النبوة وهذا دليل على غفلته وكسله، فلا تكن منكر الالهام الله له فى الرويا۔

[2] كذا فى الاصل وفى "ب" بتنكر أو الوحی۔

[3] جملة فارسية ومعناها: وبناء على ان هذا الرويا وحى۔

بعض فضلاء نے فرمایا۔ کہ اس شعر کا مقصد یہ ہے، کہ وہ کمالات جو مدتیہ نبوت کے لیے ثابت ہیں۔ اور وہ انکار نبوت کے لیے ردّ ہیں۔ یعنی یہ بہت بڑا نقصان ہے کہ کوئی ناقص فکر والا شخص اس میں یہ گمان کرے کہ یہ کام نبوت کے خلاف ہے اور سستی اور غفلت ہے۔ خواب کی حالت میں الہام کے نزول کا منکر نہ بن جانا۔ میں کہتا ہوں کہ رویا سے مراد وہ ہے۔ جو سونے والا دیکھتا ہے۔ یا اس سے سو جانا مراد ہے۔ دونوں حالتوں میں ایک مفہوم سے خالی نہیں۔ پہلا تو یہ کہ فکر یا وحی کے متعلق ہے۔ تو اگر ایسا ہے پھر یہاں تعلیل درست نہیں ہے۔ جب تو متوہم نیند کا تصور منافی ہے نہ کہ خواب کا تصور۔ اور اسی طرح نہی کی تعلیل ہے کہ نیند کا تصور نبوت کے منافی ہے۔ اس لیے خواب (رویا) وحی ہے اور اگر دوسری صورت ہو۔ تو ظاہر یہ ہے کہ یہاں پر لفظ من یا تو ابتدائیہ ہے یا بیانیہ ہے۔ بہر حال جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے۔ پس رویا وہ ہے تو نیند والا دیکھتا ہے نہ کہ نیند اور تعلیل ثانی کا قول اس لیے کہ یہ رویا (خواب) وحی ہے۔ یہ درست نہیں۔ اسلیے کہ رویا کا وحی ہونا پہلے معنی کے مطابق ہے نہ کہ دوسرے معنی کے مطابق یہاں کئی ایک بحثیں ہیں۔ لیکن یہ تمام ان کا متحمل نہیں۔

پھر ق کے ذکر کو تفصیل سے بیان کیا کہ اس پر روایت کس طرح دلالت کرتی ہے۔ پس ینکر فیہ۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حال صفت ہے۔ محتلم خواب دیکھنے والا۔

ث

۸۴

تَبَارَكَ اللّٰهُ مَا وَحْيٌ بِمُكْتَسَبٍ
وَلَا نَبِيٌّ عَلَى غَيْبٍ بِمُتَّهَمِ

(تبارك) تعالى وتعاظم (الله) علم للذات الواجب الوجود، المستحق لجميع[1] المحامد، الموصوف بصفات الكمال، المنزه عن النقصان والزوال، الخالق للبريات والمكون للكائنات۔

واعلم أنه اختلف فى اشتقاق هذا الاسم، ثم القائلون باشتقاقه اختلفوا فى ما بينهم، فقال البعض: أنه مشتق من الوله وهو شدة المحبة، والاصل ولاه نقلبت الواو بالهمزة ثم أدخلت عليه لام التعريف وأدغمت فى اللام بعد حذف الهمزة: إما بنقل حركتها إلى ما قبلها على ما هو قياس تخفيفها وحينئذ يكون وجوب الادغام على خلاف القياس لأن الادغام فيما تحرك المثلان فى الكلمتين جائز لا واجب وإما بحذف حركتها فيكون مخالفاً لقياس تخفيفها ووجوب الادغام حينئذ على القياس، فهذا الاسم لا يخلو عن خلاف القياس كما أن مسماه خارج عن دائرة القياس وطرق العقل، فقيل «الله» وسمى به لأنه تعالى هو المحبوب الحقيقى الذى تدله فى جماله العارفون ويشتاق الى لقائه المشتاقون۔

وقال البعض: أنه مشتق من اله يأله: إذا تحير، سمى به لأن عقول ذوى النهى

---

[1] فى الاصل "جميع" التصويب من "ب"

اللہ تعالیٰ بڑی برکت والا ہے وحی محنت کیساتھ حاصل نہیں ہو سکتی
اور نہ کسی نبی پر غیب کی خبر بتانے پر تہمت لگائی جا سکتی ہے۔

تبارك۔ بلند و بزرگ ہے اللہ ذات واجب الوجود کا نام ہے۔ تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔ کمال کے صفات سے متصف ہے۔ زوال اور نقصان سے بری اور منزہ ہے۔ تمام مخلوقات کا خالق ہے۔ اور کائنات کا نظام چلانے والا ہے۔

جان لینا چاہیے کہ اس اسم کے استقاق میں اختلاف ہے۔ پھر جو لوگ اس کو اسم مشتق کہتے ہیں۔ ان میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ وله سے مشتق ہے۔ اس کا معنی شدت محبت ہے اور اصل میں دلاۃ ہے۔ پھر واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا۔ پھر اس پر لام تعریف کو داخل کیا گیا۔ ہمزے کے حذف کے بعد لام کو لام میں مدغم کر دیا گیا۔ بہر حال اس حرکت کا ماقبل کو دیا جانا قیاس کے مطابق تخفیف ہے۔ اور یہاں پر ادغام کا واجب ہونا خلافِ قیاس ہے۔ اس لیے کہ وہ ادغام جس میں دونوں حروف متحرک ہوں۔ متکلمین کے نزدیک جائز تو ہے۔ واجب نہیں۔ اور ایک حرکت کے حذف کرنے سے خلاف قیاس سے خالی نہیں ہے۔ جس طرح کہ یہ مسمٰی دائر قیاس اور عقل کے راستے سے خارج ہے۔ بعض نے کہا کہ اللہ کا نام اس لیے ہے کہ وہی محبوب حقیقی ہے جو عارفین کے جمال میں نظر آتا ہے اور اشتیاق کرنے والے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے مشتاق ہیں۔

اور بعض لوگوں نے کہا کہ یہ لفظ اَلِهَ یَالَهُ سے مشتق ہے۔ جب متحیر ہو۔ اسلیے نام رکھا گیا کہ منع کرنے والوں کی عقلیں اس کے مبادی میں متحیر ہوں اور اولوالالباب

تتحير فی مبادیٔ "بیداء"[1] جلاله وأنظار اولی الألباب تقصر فی إدراك جماله۔

وقال البعض أنه مشتق من لاه ای ارتفع، سمی به لأن الرفعه الحقیقیة له تعالی وما لغیره من الرفعة مستعار من الرفعة[2] الذاتیة، فهو العلی المتعال الرفیع الرافع یرفع من یشاء[3] قدراً ویخفض من یشاء قهراً۔

وقال البعض: أنه مشتق من لاه یلیه بمعنی احتجب، سمی به لأنه تعالی یحتجب برداء کبریائه وکمال عظمته عن العقول والاوهام فلا یجد العقلاء فی سبیل طلب حقیقته الا التحیر والعجز عن الإدراك، ولا یحصل لهم شیٔ سوی الحیرة والاعتراف بالقصور ولا یسمعون فی وادی شوق إدراك هویته من الهاتف الغیبی الا "وما قدروا الله حق قدره"[4]۔

وقال البعض: انه مشتق من الالاهة وهی العبادة، سمی به لأنه المعبود الحق بکل مکان فی کل زمان وأوان۔

وقال البعض: أنه مشتق من قولك: الهت بالمکان، اذا قمت به، سمی به لیکون عبارة عن دوامه وثباته وإشارة إلی انه أزلی أبدی باق سرمدی لیس لوجوده بدایة ولا لبقائه نهایة۔

وقال البعض: أنه مشتق من اله الفصیل اذا ولع بأمه، سمی به لان العباد

---

[1] فی الاصل محروم والتکمله من "ب"

[2] کذا فی الاصل وفی "ب"۔

[3] وفی ب فی الموضعین: شاء۔

[4] کلمات قرآنیة: سورة الزمر، الایة: ٦٧ وسورة الحج، الایة: ٧٤۔

کی نظریں اس جمال کے ادراک سے قاصر ہوں۔

اور بعض لوگوں نے کہا کہ یہ نام لَاہَ سے مشتق ہے۔ یعنی بلند ہوا۔ یہ نام اس لیے رکھا کہ حقیقی بلندی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اور غیر اللہ کے لیے بلندی اور رفعت اس ذات سے مستعار لی گئی ہے۔ وہی علی متعال رفیع اور رافع ہے جس کو چاہتا ہے، بلندی دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے قہر کی وجہ سے پستی میں گراتا ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ یہ لا پلیہ سے مشتق ہے۔ یعنی چھپ گیا۔ یہ نام اس لیے رکھا گیا۔ کہ کبریائی کی چادر اور کمال عظمت میں عقول اور اوہام سے مخفی اور پوشیدہ ہے عاقل لوگ اس کی حقیقت کی طلب میں سوائے حیرت اور تعجب کے کچھ نہیں پاتے اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ اور ذات باری میں سوچنے والوں کو سوائے حیرت اور اعتراف تقصیر کے کچھ نہیں ملتا۔ اور وادی شوق میں ہاتف سے ہی آواز سنائی دیتی ہے، خبردار! وما قدروا الله حق قدرہٖ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ پہچانی، جس طرح پہچاننے کا حق تھا۔

اور بعض نے کہا کہ یہ لفظ الاھۃ سے مشتق ہے۔ اور یہ عبادت ہے۔ اس لیے نام رکھا گیا۔ اس لیے کہ وہی معبود برحق ہے۔ ہر مکان ہر زمان اور ہر وقت میں۔

اور بعض نے کہا۔ کہ یہ اَلَھت بالمکان یہ نام اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دوام اور ثبات کا مالک ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ وہ ازلی ہے اور ابدی ہے اور باقی اور سرمدی ہے اس کے وجود کے لیے آغاز نہیں ہے اور اس کے بقا کے لیے اختتام ہے۔

بعض نے کہا۔ کہ یہ لفظ الہ الفصیل سے مشتق ہے۔ جب ماں کو رونے اور

مولعون بالتضرع إليه فى الشدائد -

وقال البعض : أنه مشتق من الهت الى فلان اى سكنت إليه، سمى به لأن القلوب تطمئن بذكره والارواح سكن الى معرفته" الابذكر الله تطمئن القلوب"[1]

(ما وحى) نبوة (بمكتسب) بشئ يحصل بالكسب وتحصيل الاسباب والكمالات بل الله يمن على من يشاء من عباده"[2] (ولا نبى) من الأنبياء (على) خبر (غيب) ماغاب بأن يخبر عن الامور قبل وقوعها -

(بمتهم) منسوب إلى التهمة والكذب بل تقع الاشياء كما اخبر بها معجزة له إذ "لاينطق عن الهوى إن هو إلا وحى يوحى"[3]

قال قاضى فى سورة ابراهيم فى قوله تعالى : ولكن الله يمن على من يشاء من عباده[4] وفيه دليل على أن النبوة عطائية[5]

٨٥

كم أبرأت وصبا باللمس راحته
واطلقت اربا من ربقة اللمم

(كم) مرة (أبرأت) أخلصت عن المرض (وصبا) مريضاً ككتف (باللمس)

[1] سورة الرعد، الاية : ٢٨ وهذه المعلومات اخذها المولف من تفسير البيضاوى ١/٣

[2] سورة ابراهيم الاية : ١١ -

[3] سورة النجم : الاية : ٣

[4] سورة ابراهيم، الاية : ١١ [5] راجع تفسير البيضاوى : ٣٣٧ -

پکارے۔ یہ نام اس لیے رکھا۔ کہ بندے مصیبتوں میں اللہ تعالیٰ کو تضرع اور عاجزی سے پکارتے ہیں۔

اور بعض نے کہا۔ کہ یہ لفظ الہت الی فلان یعنی اس سے قرار پکڑتے ہیں۔ اس لیے نام ہے کہ قلوب ان کے ذکر سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ اور روحیں اس کی معرفت سے تسکین پاتی ہیں۔

مادی نبوت بمکتسب کمانے سے جو چیز حاصل ہوتی ہے۔ اسباب اور کمالات حاصل ہوتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتے ہیں۔ ولا نبی نبیوں علیہم السلام میں سے علی خبر غیب جو غائب ہو۔ کہ کام کے واقع ہونے سے پہلے خبر دی جائے۔

بنتھ تہمت اور جھوٹ کی طرف منسوب ہو۔ بلکہ اشیاء اسی طرح واقع ہوتی ہیں۔ جس طرح خبر دی جا چکی ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ "لا ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہشات سے نہیں بولتے بلکہ وحی الہٰی سے بولتے ہیں۔

قاضی نے سورہ ابراہیم ولکن اللہ یمن علیٰ من یشاء من عبادہٖ کے متعلق کہا کہ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ نبوت عطائی سے ہے۔

۸۵

کتنی ہی بار آپ کے دستِ رحمت نے بیمار کو چھو کر تندرست کر دیا

اور حاجتمند کو قیدِ جنون سے آزادی عطا فرمائی۔

کَمْ کئی مرتبہ۔ ابرات۔ بیماری سے خلاصی پائی۔ وصبا۔ مریض کنف کی طرح

بالمسح (راحته) كفه صلى الله عليه وسلم كقصه الصديق الاكبر رضى الله عنه على ما ذكر۔

وما روى عن البراء (رض) قال: بعث رسول الله صلّى الله عليه وسلّم رهطًا الى أبى رافع فدخل عليه عبد الله بن عتيك بيته ليلاً وهو نائمٌ فقتله، فقال عبد الله بن عتيك: فوضعت السيف فى بطنه حتى أُخذ فى ظهره فعرفت[1] أنى قتلته، فجعلت افتح الأبواب حتى انتهيت الى درجة[2]، فوضعت رجلى فوقعت فى ليلة مقمرة، فانكسرت ساقى فعصبتها بعمامة فانطلقت الى اصحابى، فاتيت النبى صلّى الله عليه وسلّم فحدثته فقال صلى الله عليه وسلم: ابسط رجلك، فبسطت رجلى فمسحها فكانما لم اشتكها[3][4] قط۔

(و) كم (اطلقت) أُخلصت راحته صلى الله عليه وسلم (اربًا) محتاجًا كوصبا (من ربقة) كحكمة، حبل (اللمم) ككرم، الجنون، والمراد منه ما يطلق عليه لفظ اللمم أى جنون كان۔

روى عن ابن عباس رضى الله عنهما: إن امرأة جاءت بابن لها الى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: يارسول الله، ان ابنى به جنون

---

[1] فى الاصل: فرفعت، والتصويب من "ب"

[2] فى الاصل: "درجنة"

[3] فى الاصل "اشتكا" والتصويب من مشكوٰة المصابيح: ٢٧٦

[4] راجع: الخصائص الكبرى ١/ ٢٣٥ باب ما وقع فى قتل أبى رافع من الايات و مشكوٰة المصابيح باب فى المعجزات۔

باللمس. مس کرنے سے۔ راحتہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلی مبارک۔ جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ گزرا۔ اور حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک رھط (چند آدمی) ابورافع کی طرف بھیجے۔ تو عبداللہ بن عتیک رات کے وقت اس کے گھر میں داخل ہوئے اور وہ سو رہا تھا۔ پھر اس کو جہنم رسید کیا۔ پھر عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ میں نے اپنی تلوار اس کے پیٹ پر رکھی، یہاں تک کہ اس کی پیٹھ تک پہنچ گئی۔ پھر معلوم ہوا کہ اب مردود ہوگیا۔ پھر میں نے دروازے کھولنے شروع کیے۔ یہاں تک کہ آخری درجے تک پہنچ گیا۔ پھر میں نے جب قدم اٹھایا۔ میں چاند کی روشنی میں گر پڑا۔ میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ میں نے عمامے (پگڑی) سے باندھ لی۔ پھر میں اپنے دوست کے پاس گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا۔ میں نے واقعہ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنی ٹانگ پھیلاؤ۔ میں نے پھیلائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن وبرکت سے لبریز دست مبارک سے مس کیا۔ یوں ہوا کہ گویا کبھی تکلیف ہوئی بھی نہ تھی۔

ولہ۔ اطلقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی مبارک کی وجہ سے درد دور ہوا۔ اِربا۔ محتاج وصِبا کی طرح۔ من ابقة حکمت کی طرح رسی۔ اللھم کرم کے وزن پر جنون اس سے مراد جنوں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک خاتون اپنے بچے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی۔ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا بیٹا مجنون ہے۔ (جنات کا اثر) اس پر صبح اور شام کھانے کے

وانه ليأخذ[1] عند غدائنا وعشائنا، فمسح رسول الله صلى الله عليه وسلم في[2] صدره و دعا فثع ثعة وخرج من جوفه مثل الجرو[3] الأسود يسعى[4].

٨٦

واحيتِ السَّنَةَ الشَّهباءَ دعوتُهُ
حتّى حكَت غُرَّةً فِي الأعصرِ الدُّهُمِ

(و) كم (احيت) جعلت حية مخضرة ذانبات كثيرة ونعم بكثرة المطر (السنة) عام القحط، قال القاضي في سورة الاعراف في قوله تعالى: ولقد أخذنا آل فرعون بالسنين[5] "السنة غلبت على عام القحط لكثرة ما يذكر عنه وبورخ به، ثم اشتق منها فقيل: اسنت القوم: اذا أقحطوا"[6]۔

(الشهباء) البيضاء لفقد الماء والكلأ فيرى الارض بيضاء نقية، والشهبة: البياض الذي غلب على السواد۔

(دعوته) دعاوه المبارك، روى عن انس بن مالك رضي الله عنه: أنه أصابت الناس سنة في[7] عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فبينا النبي صلى الله عليه وسلم يخطب في يوم جمعة، قام أعرابي فقال: يارسول الله هلك المال وجاع العيال،

---

[1] في الاصل "يأخذ" والتصويب من مسند الدارمي: ٨

[2] سقطت من الاصل [3] في الاصل الجراد۔

[4] راجع: مسند الدارمي: ٨ باب ما اكرم الله به نبيه من ايمان الشجر به والبهائم والجن والخصائص الكبرى ٢/٦٩ باب آية صلى الله عليه وسلم في ابراء المرض و ذوي العاهات وشرح الشفا على القاري ١/٦٥ [5] سورة الاعراف، الاية: ١٣٠ [6] راجع تفسير البيضاوي: ٢١٩ [7] كذا في الاصل وفي المراجع الاخرى "على"۔

وقت جنات کا اثر ہوتا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سینے پر مس کیا اور دعا فرمائی۔ اس بچے نے الٹی کی اور اس کے پیٹ سے ایک کالا کیڑا نکلا اور چلتا بنا۔

۸۶

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا نے قحط زدہ سال کو سرسبز و شاداب کردیا یہانتک کہ وہ سال تاریک زمانوں میں روشن اور چمکتی پیشانی کے مشابہ ہو گیا۔

دا اور بہت سی احیت۔ ان کو زندہ اور سرسبز نباتات اور زیادہ نعمتوں والا۔ بنایا۔ السنہ قحط کے سال۔ قاضی نے سورہ اعراف کی آیت ولقد اخذنا آل فرعون باالسنین ہم نے آل فرعون کو دو سالوں کے ساتھ پکڑ لیا۔ کے بارے فرمایا لفظ سنہ کو اغلباً قحط کے سال کے لیے استعمال فرمایا۔ اس لیے کہ اس قسم کے سال کو کثرت سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور تاریخ میں بھی اس کا تذکرہ کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس سے مشتق کیا۔ کہا گیا۔ اسنت القوم۔ جب قوم کو قحط زدہ کیا جائے۔

الشھباء۔ سفید پانی اور سبزہ نہ ہونے کی وجہ سے تو زمین سفید نظر آتی ہے اور شھبۃ اس سفیدی کا نام ہے جو کالے پن پر غالب ہو۔

دعوتہٗ مبارک دعا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں لوگوں کو ایک سال قحط کا شکار ہوتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن خطبہ دیا۔ ایک اعرابی کھڑا ہوا۔ عرض کرنے لگا۔ مال ہلاک ہو گیا اور عیال بھوکا ہو گیا۔ ہمارے

فادع الله لنا، فرفع يديه وما نرى فی السماء قزعة فوالذی نفسی بیده ما وضعهما حتی ثار السحاب بأمثال الجبال، ثم لم[1] ینزل عن منبره حتی رأیت المطر یتحادر[2] علی لحیته، فمطرنا یومنا ذلك ومن الغد ومن بعد الغد حتی الجمعة الأخری، وقام ذلك الاعرابی أو غیره فقال: یارسول الله، تهدم البناء وغرق المال، فادع الله لنا، فرفع یدیه وقال: اللّٰهم حوالینا ولا علینا، فما یشیر الی ناحیة من السحاب إلا انفجرت[3] وصارت المدینة مثل الجوبة وسال وادی[4] قناة[5] شهراً ولم یجیٔ أحد من ناحیة الاحدث[6] بالجود۔

وفی روایة قال: اللّٰهم حوالینا ولا علینا، اللّٰهم علی الاکام والظراب وبطون الاودیة ومنابت الشجر، قال[7] "فاقلعت وخرجنا نمشی فی الشمس"[8] (حتی) غایة لقوله "احیت" (حکمت) شابهت تلك السنة المدعو لها، یقال، فلان یحکی الشمس حسناً ویحاکیها بمعنی والمحاکاة المشابهة۔

(غرة) مفعول "حکت" والغرة بالضم بیاض فی جبهة الفرس فوق الدرهم وغرة کل شئ أوله وأکرمه (فی الاعصر) جمع عصر۔

---

[1] سقطت من الاصل والتکملة من الجامع الصحیح ۲/۲۵ [2] کذا فی الاصل وفی المراجع الاخری "یتحادر"۔
[3] کذا فی الاصل انفرجت [4] فی الاصل "الوادی" بحرف التعریف [5] وقناة: بالفتح واد بالمدینة وهی احد اودیتها الثلاثة علیه حرث مال، وقد یقال وادی قناة، سمی قناة لان تبعا مر به فقال: هذه قناة الارض، کذا فی معجم البلدان ۴/۱۰۴ تحت المادة "قناة" [6] فی الاصل "حدث" [7] فی الاصل مخروم والتکملة من الجامع الصحیح ۲/۵۲۔
[8] راجع: صحیح بخاری ۱/۱۲۳ باب الاستسقاء فی الخطبة یوم الجمعة وکتاب الاستسقاء ۲/۱۹ باب من اکتفی بصلاة الجمعة فی الاستسقاء، و"الجامع الصحیح" ۲/۲۵ کتاب صلاة الاستسقاء، باب الدعاء فی الاستسقاء وسنن ابی داؤد ۱/۱۶۴ باب رفع الیدین فی الاستسقاء، و"سنن ابن ماجه" ۱/۹۰ کتاب اقامة الصلوة: باب ما جاء فی الدعا فی الاستسقاء، ومسند احمد" ۳/۱۰۴ ومسند الامام الشافعی ۷۹ کتاب العیدین وسنن النسائی ۳/۱۵۴ فی باب الاستسقاء و"الموطا للامام مالك" ۱۷۷ فی الاستسقاء۔

لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ بارگاہ خداوندی میں پھیلائے۔ ہم آسمان میں کوئی غبار تک نہیں دیکھ رہے تھے۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ یہاں تک کہ پہاڑوں جیسے بادل آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نہیں اترے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ بارش کا پانی آپ کی داڑھی مبارک سے ٹپک رہا تھا۔ وہ دن کل اور پرسوں بارش برستی رہی۔ یہاں تک پھر جمعے کا دن آیا۔ پھر وہی اعرابی یا کوئی دوسرا کھڑا ہوا۔ عرض کیا یا رسول اللہ! عمارتیں گر رہی ہیں، مال غرق ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ مبارک اٹھائے اور عرض کیا۔ یا اللہ بارش ہمارے اوپر نہ ہو۔ ارد گرد ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادل کے جس ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کھلتا گیا۔ اور مدینے کی فضا صاف ہوگئی۔ وادی قناہ ایک مہینے تک بہتی رہی۔ جو شخص بھی باہر سے آیا یہی بات سنائی۔

اور ایک روایت میں آیا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ نے فرمایا۔ اے اللہ ہمارے ارد گرد ہو، اوپر نہ ہو۔ اے اللہ پہاڑ کی چوٹیوں اور پتھروں، وادیوں اور باغوں پر بارش ہو۔ پھر موسم صاف ہوا۔ اور ہم دھوپ میں باہر نکلے۔ حتی۔ یہاں تک کہ احیت کے قول تک۔ حکت یہ سال اس مشابہہ کیا گیا۔ جیسے کہ کہا گیا کہ فلاں شخص سورج کی خوبصورتی بیان کر رہا ہے۔ اور اس کو حکی کے لفظ سے بیان کر رہا ہے اور معاکاۃ مشابہت ہے۔

غرۃ۔ یہ حکت کا مفعول ہے۔ غرۃ۔ پیش کے ساتھ گھوڑے کی پیشانی پر درہم سے زیادہ سفیدی کو بولتے ہیں۔ غرہ کا معنی یہ ہے کہ اول اور عزت والا منی الاعصر

(الدهم) كنتق جمع الأدهم اي السواد لشدة خضرة الزرع والنبات فيها حتى[1] تضرب إلى السواد، وفي الصحاح: العرب تقول لكل أخضر أسود وسميت قرى العراق سواداً لكثرة خضرتها[2] يعني تلك السنة المدعو لها لكثرة الزرع والأثمار و النبات والأشجار فيها أحسن واكرم من اولاك الأعصر مع كثرة الخصب والرخاء فيها حتى كأنها بمنزلة الغرة من الفرس الادهم واولاك الأعصر بمنزلة باقي الأعضاء، ويتعلق بقوله "أحيت".

٨٧

بِعَارِضٍ جَادَ اَوْ خِلْتَ البِطَاحَ بِهَا
سَيْبًا مِنَ اليَمِّ اَوْ سَيْلاً مِنَ العَرِمِ

(بعارض) سحاب، في الصحاح: العارض السحاب ومنه قوله تعالى: هذا عارض ممطرنا[3] اي ممطرنا لأنه معرفة ولايجوز أن يكون صفه لعارض وهو نكرة[4] انتهى. تدبر!

(جاد) أمطر مطراً كثيراً من الجود بالفتح وهو المطر الغزير (أو) إلى أن (خلت) ظننت (البطاح) جمع الأبطح وهو المسيل الواسع فيه رقاق[5] الحصى (بها) بسبب ذلك العارض (سيباً) عطاء، والسيب مصدر، ساب الماء سيباً[6] اى جرى[7] والسيب بالكسر مجرى الماء (من اليم) البحر (أو سيلاً من العرم) هي

---

[1] وردت في ب: متى [2] انظر: الصحاح ١٩٢٤/٥ تحت المادة "دهم".

[3] في الاصل "ممطرنا" محرقا، سورة الاحقاف، الاية: ٢٤

[4] راجع الصحاح ١٠٨٥/٣، تحت المادة "عرض".

[5] كذا في الاصل وفي ب: دقاق [6] في الاصل، جرت، والتصويب من ب.

الدھم۔ عنق کے بعد ورک پر یہ ادھم کی جمع ہے یعنی کالا پن۔ جو سبزے اور نباتات میں زیادہ ہرے ہونے کی وجہ سے نظر آتا ہے۔ اس لیے اس کو کالا کہا گیا۔ اور صحاح میں آیا کہ عرب ہر سبز کو کالا کہتے ہیں۔ اور عراق کو زیادہ سبزے کی وجہ سے کالا کہا گیا۔ یعنی یہ سال زیادہ کھیتوں، پھلوں، پودوں اور درختوں کی وجہ سے کالا کہلایا گیا۔ جو زمانے پر خوبصورت اور اچھا منظر پیش کر رہی ہیں۔ زیادہ چٹانوں اور پتھروں کی وجہ سے گویا کالے گھوڑوں کی پیشانی پر سفید نشانی قدرے درہم کے ہے۔ اور باقی سبزہ وغیرہ گھوڑے کے باقی اعضا کے مانند کالے ہیں۔ اور یہ احیت کے متعلق ہے۔

۸۷

حضور علیہ السلام کی دُعا نے قحط سالی کو ایسے بادل کے ذریعے ختم کیا جو موسلا دھار برسا یہاں تک کہ تم وادیوں کے بارے خیال کرتے کہ یہ دریا سیلاب ہے یا عرم کا طوفان۔

بعارض بادل صحاح میں ہے کہ عارض سے مراد بادل ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ھٰذا عارض ممطرنا۔ یعنی ہمارے لیے بارش برسانے والا ہے۔ اس لیے کہ معرفت ہے۔ اور یہ جائز ہے یا نہیں۔ کہ یہ عارض صفت ہو۔ حالانکہ عارض نکرہ ہے غور فرمائیے۔ ختم ہوا۔

جاذ زیادہ بارش برسی۔ جود سے ہے زبر کے ساتھ۔ اس کا معنی موسلا دھار بارش ہے۔ او۔ یہاں تک کہ حفت گمان کیا۔ البطاح ربطح کی جمع ہے۔ زیادہ بہنا۔ جس کے اندر خوب رقت اور کنکریوں کا بہاؤ ہو۔ بہا۔ بادل کے سبب۔ سیبا۔ عطا کرنا۔ سیب مصدر ہے۔ ساب الماء سے سیبا کا معنی ہے جاری ہوا۔ سیب زیر کے ساتھ ہو۔ تو اس کا معنی پانی کی گزرگاہ ہے۔ من الیم۔ سمندر۔ او سیلاً

مايمسك الماء من البناء وغير إلى وقت الحاجة أى سيل الوادى .

ثم أنه لما ذكر نبذاً من المعجزات والعلامات التى وجدت قبل الولادة وبعدها ونبذاً من الأخلاق إجمالاً ؛ كان السامع تاق واشتاق إلى تفصيلها، فقال معتذراً عنه .

٨٨

دَعْنِي وَوَصْفِيَ آيَاتٍ لَهُ ظَهَرَتْ
ظُهُورَ نَارِ الْقِرَى لَيْلاً عَلَى عَلَمِ

(دعنى) اتركنى (ووصفى آيات) أى مع وصفى علامات ومعجزات مصدقة (له) صلى الله عليه وسلم (ظهرت) تلك آيات ظهوراً مثل (ظهور نار القرى) الضيافة (ليلاً) كما هو عادة أسخياء العرب (على علم) جبل .

ثم أشار الى فائدة فى[1] وصفها مع أن لها كمالاً[2] فى نفسها بقوله :

٨٩

فَالدُّرُّ يَزْدَادُ حُسْناً وَهُوَ مُنْتَظِمٌ
وَلَيْسَ يَنْقُصُ قَدْراً غَيْرَ مُنْتَظِمِ

(فالدر يزداد حسناً) من حيث الحسن (وهو منتظم) مجتمع فى السلك مراعى فيه ترتيبه اللائق (وليس) الدر (ينقص قدراً) من حيث القدر والمرتبة وهو

[1] سقطت من ب

[2] سقطت من الاصل والتكملة من ب .

من العرم۔ جو پانی مکانوں وغیرہ سے وادی میں جا پڑتا ہے۔

پھر جب صاحب کتاب معجزات اور علامات جو قبل اور بعد از ولادت با سعادت ظاہر ہو چکیں تھیں ذکر کیا۔ اور ایک حصہ اخلاق عالیہ کا بھی ذکر کیا۔ کہ سامع مشتاق اور خواہش رہے۔ تاکہ اس کو سنا جائے۔ پھر معذرت کرتے ہوئے کہا ہے

۸۸

مجھے چھوڑیئے تعریف مصطفےٰ علیہ السلام کرنے دیجئے آپ کے معجزات اتنے روشن ہیں جتنی مہمانی کی وہ آگ جو رات کو پہاڑ پر روشن ہوتی ہے۔

دعنی مجھے چھوڑ دو۔ ووصف آیات میری تعریف میں معجزات اور علامات ہیں جو تصدیق کرنے والی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ تمام نشانیاں اس طرح ظاہر ہوئیں۔ ظہور نار القری۔ مہمانداری۔ لیلا جس طرح کہ عرب کے سخیوں کی عادت ہے۔ علیٰ علم۔ پہاڑ پر۔

پھر ایک فائدے کی طرف اشارہ کیا۔ اس کو بیان کیا کہ یہ بھی ایک بذات خود کمال ہے۔

۸۹

پس ہار میں پرویا ہوا موتی قدر و قیمت میں بڑھ جاتا ہے اور نہ پرونے سے بھی اس کی قدر کم نہیں ہوتی۔

فالدر یزداد حسنا۔ حسن کی وجہ سے۔ وھو منتظم ایک لڑی میں پروئی ہوئی ہیں۔ ان میں ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ولیس موتی ینقص قدرا۔ قدر

(غير منتظم) والكلام تمثيل، ثم علل قوله "دعني" بقوله:

٩٠

فَمَا تَطَاوَلَ آمَالُ الْمَدِيحِ إِلَى
مَا فِيهِ مِنْ كَرَمِ الْأَخْلَاقِ وَالشِّيَمِ

(فما) نافية (تطاول) طاول (آمال) جمع أمل (المديح) المادح (الى) تفصيل (ما فيه) صلى الله عليه وسلم (من كرم الاخلاق) أى الاخلاق الكريمة.

(والشيم) جمع شيمة وهو الخلق يعنى تفصيل اخلاقه وشمائله وتبيين مفصله بل مجمله ليس شان البشر بل إنما هو من شان خالق القوى والقدر، ومن تلك الآيات.

٩١

آيَاتُ حَقٍّ مِنَ الرَّحْمَانِ مُحْدَثَةٌ[١]
قَدِيمَةٌ صِفَةُ الْمَوْصُوفِ بِالْقِدَمِ

(آيات حق) قرآنية نازلة (من الرحمان) الذى تقتضى رحمة[٢] تنزيلها لتربية الخلائق وهدايتهم وإرشادهم (محدثة) من حيث اللفظ، رد على الحنابلة (قديمة) من حيث المعنى، رد على المعتزلة، ثم أشار إلى وجه قدمها بقوله[٤]: (صفة الموصوف) الذى وصف (بالقدم)، وقدم الموصوف يستلزم قدم الصفات كما

---

[١] كذا فى الاصل وفى ب: هى [٢] كذا فى الاصل وفى ب: محكمة.

[٣] فى الاصل: رحمة، [٤] كذا فى ب: قدمها وهى.

اور مرتبے کی وجہ سے کوئی موتی کم نہیں۔ اور وہ غیر منتظم۔ یہ کلام تمثیل ہے۔ پھر قول دعنی کی تعلیل اس قول (شعر) سے کی۔

۹۰

پس کتنی لمبی ہیں اُمیدیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کریمانہ عادات اور پسندیدہ خصلتوں کے بارے تعریف کرنے والے کی۔

فما۔ نافیہ ہے۔ تطاول۔ آمال امل۔ (امید) کی جمع ہے۔ المدیح۔ تعریف کرنیوالا۔ إلی۔ تفصیل مافیہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔ من کرم الاخلاق۔ اخلاق کریمہ۔ والشیمِ۔ شیمۃ۔ کی جمع ہے۔ اور وہ خلق ہے۔ اخلاق و شمائل کی تفصیل مفصل اور مجمل کو بیان اور ظاہر کرنا۔ یہ بشر کی طاقت سے باہر ہے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہی ممکن ہیں۔

۹۱

قرآن کی سچی آیتیں جو رحمٰن کی طرف سے نازل ہوئی ہیں باعتبار تلفظ اور نزول کے حادث ہیں اور باعتبار اس کے کہ وہ قدیم ذات کی صفت ہیں قدیم ہیں۔

آیات حق۔ قرآنی آیات جو نازل شدہ ہیں۔ من الرحمان۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اب کی رحمتوں کے متقاضی ہیں۔ لوگوں کی رشد اور راہنمائی کے لیے ان کا نزول ہوا ہے۔ محدثۃ۔ لفظ کی وجہ سے حنبلیوں کا رد ہے۔ قدیمۃ۔ یہ معتزلہ کا بامعنی رد ہے۔ پھر اس کے قدیم ہونے کی طرف اس قول سے اشارہ کیا۔ صفۃ الموصوف۔ وہ جس کی صفت بیان ہوئی ہے۔ بالقدم۔ موصوف کا مقدم ہونا صفات کے قدیم ہونے کو لازم ہے۔ جس طرح کہ اپنی جگہ میں اس کو پختگی

قرر في موضعه.

٩٢

لَمْ تَقْتَرِنْ بِزَمَانٍ وَهْيَ تُخْبِرُنَا
عَنِ الْمَعَادِ وَعَنْ عَادٍ وَعَنْ إِرَمِ

(لم تقترن) تلك الآيات (بزمان) من الأزمنة إذ لا يتصور بالنسبة إليه تعالى ماضٍ ولا مستقبل ولا حال لتنزهه عنه (وهي) بسكون الهاء (تخبرنا عن المعاد) أي البعث كقوله تعالى: وهو الذي يبدء الخلق ثم يعيده[1] (وعن عاد) اولاد عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح عليه السلام قوم هود عليه السلام سموا باسم أبيهم كما سمى بنو هاشم باسمه.

(وعن ارم) كعنب، اسم جنة بناها شداد بن عاد.

روى انه كان لعاد ابنان: شداد و شديد فملكا[2] و قهرا ثم مات شديد فخلص الامر لشداد و ملك المعمورة و دانت له ملوكها، فسمع ذكر الجنة فبنى على مثالها في بعض صحارى عدن جنة في ثلاث مئة سنة، وكان عمره تسع مئة، قصورها من الذهب والفضة، وأساطينها من الزبرجد والياقوت، وفيها أصناف الأشجار والأنهار، وسماها ارم، فلما تمت سار إليها بأهله، فلما كان منها على مسيرة يوم وليلة، بعث الله تعالى عليهم صيحة من السماء فهلكوا،

---

[1] سورة الروم، الاية: ٢٧

[2] سقطت من الاصل والتكملة من "ب".

سے بتایا۔

۹۲

وہ آیات قرآنیہ کسی خاص زمانے سے وابستہ نہیں تاہم وہ ہمیں آخرت قوم عاد اور قبیلہ ارم کے حالات کی بھی خبر دیتی ہیں۔

لم تقترن۔ یہ آیتیں۔ بزمان۔ زمانے سے اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی طرف زمانہ حال مستقبل یا ماضی منسوب بھی نہیں کر سکے۔ کیونکہ زمان سے بلند و بالا ہے۔ وھی ھاء کے سکون کے ساتھ۔ تخبرنا عن المعاد۔ ای بھیجا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وہ ذات جو مخلوق پیدا کرتی ہے اور اسی کی طرف مخلوق کا لوٹنا ہے۔ وعن عاد۔ اس سے مراد عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہے۔ ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم اپنے باپ دادا کے نام سے موسوم ہوئی جیسا کہ بنوہاشم دادا کے نام سے موسوم ہوتی۔

وعن ارم۔ عیب کے وزن پر۔ اس جنت کا نام شداد بن عاد نے بنائی۔

روایت ہے۔ کہ شداد کے دو بیٹے تھے۔ (۱) شداد (۲) شدید۔ دونوں دولتمند اور قاہر ہے پھر شدید مرا اور حکومت شداد کے لیے خاص ہوگئی۔ پھر اس نے جنت کا ذکر سنا۔ پھر اس جنت کی مثل بنایا۔ عدن کے مضافات میں تین سو سال میں جنت بنائی۔ اس کی عمر نو سو سال تھی۔ اس کی عمر نو سو سال تھی۔ اس کے محل سونے اور چاندی کے تھے۔ اور زبرجد و یاقوت کے بنے ہوئے تھے۔ اس میں کئی قسم کے درخت اور نہریں تھیں۔ اس کا نام ارم رکھا۔ جب جنت مکمل ہوئی۔ تو اس نے اپنے گھر والوں کے ساتھ سیر کی۔ جب وہ ابھی ایک دن اور رات کی مسافت پر

وعن عبد الله بن قلابة أنه خرج فی طلب ابله فوقع عليها[١]۔

٩٣

دَامَتْ لَدَيْنَا فَفَاقَتْ كُلَّ مُعْجِزَةٍ
مِنَ النَّبِيِّينَ إِذْ جَاءَتْ وَلَمْ تَدُمِ

(دامت) فاستمرت تلك الايات (لدينا) عندنا ولم تفن بعد الوقوع[٢] كما هو حكم سائر المعجزات۔

(ففاقت) علت، (كل معجزة) وهی أمر خارق للعادة، يظهر على يد مدعی النبوة عنده تحدی المنكرين وبه يمتاز عن الكرامة۔

واعلم ان الأمور الخارقة للعادة لا تخلو من أن تصدر ممن هو مقرون بالايمان والعمل الصالح أولاً فان كان الاول، لا تخلو من أن لا يكون مع ذلك مقروناً بكمال العرفان والطاعة بحسب الامكان او يكون، وعلى الثانی إما أن يكون مع ذلك مقروناً بدعوى النبوة أو لا۔

فهذه ثلاثة أقسام، الاول يسمى "معونة" وهو ما يظهر لعوام المسلمين تخليصاً لهم عن المحن والمكاره[٣] والثانی معجزة والثالث كرامة وان كان الثانی لا يخلو إما أن يكون موافقاً للدعوى أولا، فالأول استدراج والثانی إهانة كما أن مسيلمة الكذاب دعا لأعور، أن يصير عينه العوراء صحيحة فصارت عينه الصحيحة عوراء، والارهاص داخل فی الكرامة، والسحر ليس من الأمور

---

[١] راجع النور السافر ص ٤٠، ٥، فی بيان ما حدث فی ٩١٤ھ [٢] كذا فی الاصل وفی ب: الوجود۔
[٣] فی الاصل، بطلبين، والصواب ما اثبت۔

تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ان پر چیخ بھیجی۔ پھر وہ ہلاک ہو گئے۔ اور عبداللہ بن قلاب سے روایت ہے۔ کہ وہ اونٹ کی تلاش میں نکلے تھے۔ تو وہاں ڈھیر کر دیا گیا۔

۹۳

وہ آیاتِ مبارکہ ہمارے پاس رہیں اور تمام انبیاء کرام کے ہر معجزہ پر بلند ہوئیں کیونکہ وہ معجزات آئے اور ہمیشہ نہ رہے۔

دامت۔ یہ آیات ہمیشہ رہیں۔ لدینا۔ ہمارے پاس اور واقع ہونے کے بعد فنا نہ ہوئیں۔ جیسا کہ سارے معجزات کا حکم ہے۔

ففاقت۔ علت۔ کل معجزہ۔ ہر وہ کام جو عادت کے خلاف ہو۔ اور نبوت کے دعویدار کے ہاتھ پر اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب منکر مطالبہ کرتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ کرامت سے ممتاز ہے۔

اور جان لینا چاہیے۔ کہ وہ امور جو خلاف عادت ہیں۔ ان کے ظاہر کرنے والے کا صاحب ایمان و عمل صالح ہونا اشد ضروری ہے۔ اگر پہلی قسم ہے تو ضروری ہے کہ وہ کمالِ عرفان و طاعت جہاں تک امکان سے ہو خالی نہ ہو۔ اور یا خالی ہو۔ دوسری صورت میں یا تو دعویٰ نبوت ساتھ لازمی ہو۔ یا نہیں۔

تین قسمیں ساری بن گئیں۔ پہلی قسم کو معونتہ کہتے ہیں۔ جو عام مسلمانوں کیلئے ظاہر ہوتی ہے۔ منکروں کے مطالبے کا اس میں دخل نہیں ہوتا۔ اور دوسری قسم معجزہ ہے اور تیسری قسم کرامت ہے۔ اور اگر دوسری قسم خالی نہ ہو۔ یا تو دعویٰ کے موافق ہو گا۔ یا نہیں۔ پہلی قسم استدراج کی ہے۔ اور دوسری قسم اہانت کی ہے۔ جیسا کہ مسیلمہ کذاب نے نابینا عورت کے لیے دعا کی اور صحیح ہو گئیں۔ اور صحیح آنکھ نابینا

الخارقة ، يعنى فاتت ـ

(كل معجزة) صدرت (من النبيين اذ جاءت ولم تدم) تلك المعجزة كدوامها هى ـ

٩٤

مُحَكَّمَاتٌ فَمَا يُبْقِيْنَ مِنْ شُبَهٍ
لِذِى شِقَاقٍ وَلَا يَبْغِيْنَ مِنْ حَكَمٍ

(محكمات) جعلت حاكمة فى الخليقة اذ الأحكام كلها تستفاد منها (فما) نافية (يبقين) من الابقاء (من شبه) باطلة (الذى شقاق) خلاف وعداوة (ولايبغين) يطلبن[1] ـ

(من حكم) حاكم سواها إذ لا أحق منها ، والسنة والاجماع والقياس ماخوذ منها بقوله تعالى : وما أتاكم الرسول فخذوه ومانهاكم عنه فانتهوا[2] "ومن يشاقق الرسول من بعدما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين[3] فاعتبروا يا أولى الأبصار[4]

٩٥

مَا حُورِبَتْ قَطُّ إِلَّا عَادَ مِنْ حَرَبٍ
أَعْدَى الأَعَادِى إِلَيْهَا مُلْقِىَ السَّلَمِ

---

[1] فى الاصل : المكان ، والتصريب من ب [2] سورة الحشر ، الاية ، ٧

[3] سورة النساء ، الاية ، ١١٥ [4] سورة الحشر ، الاية : ٢ ـ

ہوگئی۔ جوارہاص کرامت میں داخل ہے اور سحر (جادو) امور فارقہ میں داخل نہیں۔

کل معجزہ۔ جو صادر ہو۔ من النبیین اذ جارت ولم تدم۔ وہ معجزہ ہمیشہ

کی طرح۔

۹۴

وہ آیاتِ مبارکہ (ایسا) فیصلہ کرنے والی ہیں کہ کسی مخالف کا شک باقی

نہیں رہنے دیتیں اور نہ ہی اپنے فیصلوں میں کوئی حکم طلب کرتی ہیں۔

محکمات۔ مخلوقات میں اس کو حاکم بنایا۔ اس لیے کہ تمام احکام اس سے

مستفاد ہوتے ہیں۔ فما۔ نافیہ ہے۔ یبقین۔ یہ ابقائے سے بنا ہے۔ من شبہ۔

باطل۔ لذی شقاق۔ اختلاف اور دشمنی۔ ولایبغین۔ طلب کرتے ہیں۔

من حکم۔ اس کے سوا کوئی حاکم حقدار نہیں۔ سنۃ اجماع اور قیاس اسی سے

ماخوذ ہے۔ فرمایا وما اتاکم الرسول فخذوہ، ومانھاعنہ فانتھو۔ تمہیں جو کچھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائیں۔ اسے لو اور جس سے منع فرمائیں۔ اس سے رُک

جاؤ۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین

اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے۔ اس کے بعد کہ اس کے لیے

ہدایت روشن اور ظاہر ہوگئی۔ اور مسلمانوں کے راستے سے الگ راہ چلا۔ اے

دیکھنے والو اس میں عبرت کا درس ہے۔

۹۵

جب کبھی ان آیاتِ قرآنیہ کا مقابلہ کیا گیا تو سخت ترین دشمن نے سلامتی

کے لئے ہتھیار ڈال دیئے۔

(ما حوربت) عورضت تلك الايات (قط) بفتح القاف وضم الطاء المشددة يذكر بعد الماضى المنفى ليستغرق النفى جميع الأزمنة فى حال من الأحوال (إلا) والحال أنه (عاد) رجع وتقدير "قد" ههنا مما لاحاجة إليه على ما مر (من حرب) كطلب اى رجع من حربه بها (أعدى الاعادى) جمع الاعداء (اليها) متعلق بقوله (ملقى السلم) كفرس وعنب، الصلح يعنى ما عارض احد تلك الايات إلا عجز عن معارضتها والاتيان بمثلها لبلاغتها ووقوعها فى مرتبة الاعجاز فيها على ما هو الرأى الصحيح فى وجه اعجاز القرآن.

وقيل: لاخباره عن المغيبات، وقيل: لأسلوبه الغريب[١] وقيل: لصرف الله تعالى العقول عن المعارضة وفى نظر[٢] الكل فتدبر واشار إلى الوجه الاول بقوله:

٩٦

رَدَّتْ بَلَاغَتُهَا دَعْوَى مُعَارِضِهَا
رَدَّ الْغَيُورِ يَدَ الْجَانِي عَنِ الْحُرَمِ

(ردت) منعت (بلاغتها) اى بلاغة الايات البالغة حد الاعجاز، والبلاغة عبارة عن كون الكلام مطابقاً لمقتضى الحال مع فصاحته[٣] والاعجاز فيه أن يرتقى ببلاغته الى حد يعجز البشر عن معارضته[٤] والاتيان بمثله (دعوى معارضها)

---

[١] فى الاصل "التغريب" والصواب ما اثبت.

[٢] سقطت فى الاصل والتكملة من ب.

[٣] وفى ب: فصاحة.

[٤] فى الاصل "معارضة" والثواب ما اثبت.

ھا حوریت۔ یہ آیتیں عارض ہوگئیں۔ قط۔ قاف کے زبر اور طاء مشدودہ کے پیش کے ساتھ ماضی منفی کے بعد ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ مال کے جمیع احوال کو شامل ہو سکے۔ الا۔ اور حال یہ ہے کہ۔ عاد۔ لوٹا۔ اور یہاں پر قد مقدر ہے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ گزر چکی ہے۔ من حَرَبٍ۔ طلب کے وزن پر۔ یعنی اس کے ساتھ جہاد سے واپس آیا۔ اعدی الاعدای۔ اعدار کی جمع ہے۔ الیھا یہ ملقی السلم کا متعلق ہے۔ سلم کا وزن فرس اور عنب کی طرح ہے۔ صلح یعنی آیات میں سے جب بھی کوئی آیت عارض ہو۔ تو اس کے مقابلے سے اعدار عاجز ہوتے ہیں۔ اور بلاغت کی وجہ سے اس کا جواب نہیں لا سکتے۔ اور یہ آیتیں مرتبہ اعجاز پر فائز ہیں جن کے بارے صحیح راتے ہی ہے۔

اور بعض لوگوں نے کہا۔ ان آیات کے ذریعے غیب کی خبر دی گئی ہے اور بعض نے کہا کہ ان کا اسلوب خوبصورت ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی عقول کو اس کے مقابلے سے عاجز رکھا، غور کیجیے۔ اور پہلی وجہ کی طرف اشارہ کر دیا۔

۹۶

آیاتِ قرآنیہ نے مخالف کے دعوے کو اس طرح ٹھکرا دیا جس طرح غیرت مند آدمی مجرم کا ہاتھ اپنی پردہ نشینوں سے روک دیتا ہے۔

ردت۔ منع کیا۔ بلاغتھا۔ یعنی ان کی بلاغت حد اعجاز تک پہنچی ہوئی ہے۔ بلاغت اس عبارت کو کہتے ہیں۔ جو فصاحت کے ساتھ ساتھ مقتضائے حال کے مطابق ہو۔ اس میں اعجاز یہ ہے کہ بلاغت کی وجہ سے یہ آیات اس مرتبے تک جا

اى الايات بحيث عجزوا مع كمال بلاغتهم عن[1] معارضة أقصر سورة مع تهالكهم على ذلك حتى أعرضوا عن المعارضة بالحروف إلى المنازعة بالسيوف زداً مثل (ردّ الغيور) ذى الغيرة (يد الجانى) المجرم (عن الحرم) أهله ـ

٩٧

لَهَا مَعَانٍ كَمَوْجِ الْبَحْرِ فِي مَدَدٍ
وَفَوْقَ جَوْهَرِهِ فِي الْحُسْنِ وَالْقِيَمِ

(لها) اى للآيات (معان) كائينه (كموج البحر فى مدد) نصرة فكما ان موجه ينصر بعضه بعضاً فى الظهور على التواتر والتوالى كذالك معانيها ينصر بعضها بعضاً فى الظهور على التواتر على المتأملين بحسب صفا الباطن والعرفان بحيث لا ينتهى الى حدٍ، قال امير المومنين على ابن أبى طالب رضى الله عنه، لو شئت لاوقرت سبعين بعيراً من تفسير فاتحة الكتاب[2]، وقال بعض العلماء: لكل آية ستون ألف فهم وما يبقى من فهمها[3] أكثر ـ

(و) لها معان كائنة (فوق جوهره) أى البحر (فى الحسن) إذحسنه حسن ظاهرى زينة الحيواة الدنيا، وحسنها حسن حقيقى زينة الاولى والعقبى (والقيم) كعنب جمع قيمة إذ قيمة توجب غناء الدنيا وما الحيواة الدنيا الالهو

---

[1] وفى ب: من

[2] انظر: مرقاة المفاتيح ٣٤١/٤ فى كتاب فضائل القران ـ

[3] الاصل "فهمها" وهو خطأ وصوابه "فهمها" ـ

پہنچی ہیں۔ جس کے مقابلے سے انسان عاجز ہو جاتا ہے۔ اور اس کی مثل نہیں لا سکتا۔
دعویٰ معارضہا۔ یعنی ان آیات کے مقابلے میں بلاغت کی وجہ سے عاجز ہیں۔
یہاں تک کہ ایک چھوٹی سورت کا جواب بھی نہیں لا سکتے۔ جب حروف کا مقابلہ نہ
کر سکے۔ تو تلوار سونت کر میدان میں نکل آتے۔ رد الغیور۔ غیرت والوں کی طرح۔
یدا الجانی۔ مجرم۔ عن الحرم۔ حرم کے رہائشی۔

۹۷

ان آیاتِ قرآنیہ کے معانی ہیں جو دریا کی موج کیطرح ایک دوسرے کی تائید کرتے
ہیں اور وہ خوبصورتی اور قیمتوں میں اس کے موتیوں سے بڑھ کر ہیں۔

لہا۔ یعنی آیات کے لیے۔ معانٍ۔ ثابت ہیں۔ کموج البحر فی مداد۔ امداد یعنی
جس طرح موجیں ظاہر ہونے میں تواتر اور تسلسل کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کرتی
ہیں۔ اسی قرآن پاک کے معانی ظاہر ہونے میں تواتر اور تسلسل کے ساتھ غور و فکر
کرنے والوں کے لیے ایک دوسرے کی مدد کرتی ہیں۔ جس کی جس قدر عرفان اور
باطن کی صفائی ہوتی ہے۔ اس قدر پاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کا حد نہیں ہے۔ امیر
المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر میں چاہوں تو صرف سورہ فاتحہ کی
تفسیر ستر اونٹوں کے بوجھ کے برابر لکھوں۔ بعض علماء نے فرمایا۔ کہ ہر آیت کے
ساٹھ ہزار معانی ہیں۔ اور ان مفاہیم میں زیادہ باقی ہیں۔

و۔ اور اس کے معانی ثابت ہیں۔ فوق جوھرہ۔ یعنی سمندر۔ فی الحسن۔ اس کا
حسن ظاہری ہے۔ جو کہ دنیاوی زندگی کی زینت ہے۔ اور اس کا حسن حقیقی بھی ہے۔ جو
دنیا اور آخرت کا حسن ہے۔ والقیم۔ عنب کے وزن پر قیمت کی جمع ہے۔ اسکی

ولعب وقيمتها توجب ثروة العقبى والآخرة خير وأبقى : ثم نزع على ما ذكر:

٩٨

فَمَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصَى عَجَائِبُهَا
وَلَا تُسَامُ عَلَى الْإِكْثَارِ بِالسَّأَمِ

(فما تعد) تفصيلا (ولا تحصى) اجمالاً (عجائبها) جمع عجيب يعنى معانيها العجيبة وفوائدها الغريبة لا تدخل تحت العدد والإحصاء، ولا تنتهى الى حد ونهاية لقوله صلى الله عليه وسلم فى القرآن: "لا تنقضى عجائبه"[1] فى المفاتيح[2]: اى لا تنتهى معانيه العجيبة وفوائده العريبة.

(ولا تسام) لا تطلب شرى العجائب والمعانى الغريبة، (على الاكثار) اى مع إكثار النظر والتدبر فيها والمطالعة لها أو مع إكثار الله تعالى اياها اى مع كونها كثيرة غير متناهيه طلبا متلبساً.

(بالسام) بالملال بخلاف سائر الكتب والجواهر وغيرها من الامتعة يعنى لا ينقص وقعها وعظمتها فى القلوب بكثرتها أو بكثرة مطالعتها بل يزداد ولا يرغب عنها بل يرغب فيها لقوله صلى الله عليه وسلم: "ولا يشبع منه العلماء"[3]

---

[1] رواه الترمذى ٢/١٤ ابواب فضائل القرآن، باب ماجا فى فضل القرآن والدارمى ص ٤٢٣ باب فضل من قرأ القرآن.

[2] راجع: مرقاة المفاتيح ٤/٣٥٨ فى كتاب القرآن.

[3] رواه الترمذى عن على ٢/١٤، ابواب فضائل القرآن، باب ماجا فى فضل القرآن والدارمى ص: ٤٢٥

قدر و قیمت سے بندہ دنیا سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ اور دنیاوی زندگی تو لہو و لعب ہے۔ اور اس کی قدر و قیمت سے آخرت کی دولت نصیب ہوتی ہے اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے پھر جو ذکر کیا۔ اسکی تفصیل بیان کی۔

۹۸

آیات مبارکہ کے عجائیات نہ گنے جا سکتے ہیں اور نہ جمع کیے جا سکتے ہیں اور کثرت کے باوجود انہیں ملال طبع کے ساتھ خریدا نہیں جاتا۔

فما تعد۔ تفصیل۔ ولا تحصی۔ اجمال۔ عجائبھا۔ عجیب کی جمع ہے یعنی اس کے عجیب اور حیران کن معانی اور بے مثال فوائد شمار اور گنتی سے باہر ہیں اور ان کے معانی و مفاہیم ختم ہونے والے نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے بارے فرمایا۔ کہ قرآن اعلیٰ وارفع اور عجیب و غریب معانی ختم نہیں ہوتے۔

ولا تسام۔ یہ معانی عجیب و غریب ختم نہیں ہوتے۔ اس کے باوجود کہ اس میں نظر و تدبر اور مطالعہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر بے حساب معانی و مفاہیم رکھے ہیں۔ اور اس کا علم حاصل کرنے والے بھی زیادہ ہیں۔

بالسام۔ ملال و غم کے ساتھ تمام کتب کے خلاف جواہر یا دوسری نفع مند چیزیں۔ یعنی قرآن پاک کی عظمت و توقیر مسلمانوں کے دلوں میں باوجود کثرت مطالعہ کم نہیں ہوتی۔ بلکہ روز افزوں ترقی پر ہے۔ اس سے دل متنفر نہیں ہوتے۔ بلکہ میلان کرتے ہیں۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اس سے علماء سیر نہیں

ويحتمل ان يكون المعنى: ولا تطلب الآيات مع إكثار تلاوتها وتكرارها طلباً متلبساً بالملال بل باللذات والنشاط والطرب على خلاف ما هو المتعارف لقوله صلى الله عليه وسلم: "ولا يخلق عن كثرة الرد"[١] وفي المفاتيح[٢] أي عن كثرة التلاوة يعني لا يبلى بكثرة التلاوة بل يصير بكل مرة يقرأ القارى اكثر لذة. ثم أشار الى فائدة قراءته بقوله:

٩٩

قَرَّتْ بِهَا عَيْنُ قَارِيهَا فَقُلْتُ لَهُ
لَقَدْ ظَفِرْتَ بِحَبْلِ اللهِ فَاعْتَصِمِ

(قرت) أضاءت، في الصراح[٣] القرة والقرور، روشن شدن چشم از شادى[٤] من باب علم، (بها) بسبب الايات وبتلاوتها والتدبر في معانيها والعمل بمقتضاها (عين قاريها) وقرة العين عبارة عما يحصل له بالاشتغال بها من الفرح والسرور والوقار والنور والانتهاء على ما دل عليه قوله صلى الله عليه وسلم:

يقول الله سبحانه تعالى، من شغله القرآن عن ذكرى ومسألتى أعطيته افضل ما أعطى السائلون[٥]" "وتعلموا القرآن واقرءوه فان مثل القرآن لمن تعلمه فقرأه وقام به كمثل جراب ملئ مسكاً يفوح ريحه في كل مكان[٦]" وقوله صلى الله عليه وسلم في سورة

---

[١] نفس المرجع [٢] انظر: مرقاة المفاتيح ٣٥٨/٤ في كتاب فضائل القرآن.

[٣] راجع: الصراح، ٣٩٥ [٤] كلمات فارسية ومعناها بالعربية: إضارة العين سروراً وفرحاً.

[٥] انظر: سنن الدارمي ص: ٤٢٨ في باب فضل كلام الله على سائر الكلام وجامع الترمذي ١١٦/٢، ابواب فضائل القرآن: باب ما جاء في فضل القرآن ومشكوٰة المصابيح: ١٨٦ كتاب فضائل القرآن.

[٦] راجع: سنن ابن ماجا ٢٠/١، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه ومشكوٰة المصابيح: ١٨٧ فضائل القرآن.

ہوتے۔ ممکن ہے اس کا یہ معنی ہو۔ کہ قرآن پاک کی کثرت سے تلاوت اور تکرار آیات سے بھی ملال وحزن کا تصور تک نہیں ہوتا۔ بلکہ اس لذت نشاط وطرب کا حصول ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے جو ظاہر ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ولا یخلق عن کثرۃ الرد۔ اور مفاتیح میں ہے کہ زیادہ تلاوت کرتے انسان تھکتا نہیں بلکہ مزید مزہ آتا ہے۔

اگلے شعر میں تلاوت کے فائدے کی طرف اشارہ کیا۔

۹۹

ان آیات مبارکہ کے لبسبب انہیں پڑھنے والے کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں تو میں نے اسے کہا بیشک تو کامیاب ہو گیا ہے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھ

(قرت) روشن ہوئی۔ صراح میں ہے۔ القرۃ والقرور خوشی سے آنکھوں کا روشن ہونا۔ علم یعلم کے باب سے ہے۔ بہا۔ آیتوں کی تلاوت اور اس کے معنی کے اندر غور کرنے کے سبب اور اس کے تقاضے پورے کرنا۔ عین قاریہا۔ تلاوت سے آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ خوشی سرور وقار نور اور شوق میں اضافہ ہوتا ہے۔ جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جس کو قرآن پاک کی تلاوت نے میرے ذکر وفکر سے روکے رکھا۔ میں اس سوال کرنے والوں سے بہتر عطا کروں گا۔ اور قرآن پاک کی تعلیم دو۔ اور تجوید پڑھاؤ۔ قرآن سیکھے۔ اور تجوید کے ساتھ پڑھنے والے کی مثال یوں ہے جیسا کہ کوئی برتن خوشبو سے بھرا ہوا ہو۔ اور اس سے ہر طرف خوشبو پھیل رہی ہو۔ سورۃ کہف کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ جس نے سورہ کہف کو جمعے کے

الكهف: "من قرأها يوم الجمعة أضاء له من النور ما بين الجمعتين"[١]۔

والقراءة ههنا يحتمل أن يكون المراد بها بالمصحف وبدونه، وإن كان الاول أولى لاشتماله على بركة الطهارة والرؤية والتادب فى الجلوس والحمل والمس والتمكن من التفكر فيه وانبساط معانيه ومشقة ترديد الاوراق، قال صلى الله عليه وسلم: "قراءة الرجل القرآن فى غير المصحف ألف درجه وقراءة مصحف يضعف على ذلك إلى ألفى درجة"[٢]۔

(نقلت له) للقارى ترغيباً له على الدوام والثبات على ذلك والاحسان والاخلاص فيه والله (لقد ظفرت) فزت (بحبل الله) بما يتوصل به إليه اى القرآن حبل الوصال إليه، لقوله صلى الله عليه وسلم: وهو حبل الله المتين و هو الصراط المستقيم[٣] (فاعتصم) فكن متمسكاً به دائماً على سبيل الاحسان والإخلاص لئلا تدخل تحت[٤] قوله صلى الله عليه وسلم: رب تال للقرآن والقرآن يلعنه، وقوله: "من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه[٥] عظم ليس عليه لحم"[٦] أو كن متمسكاً به بضم العمل والتعلم إلى قراءة۔

ثم أشار الى أدنى فائدة من فوائد القراءة والعمل بمقتضاه فقال،

١٠٠

إِن تَتْلُهَا خِيفَةً مِنْ حَرِّ نَارِ لَظَى
أَطْفَأْتَ حَرَّ لَظًى مِنْ وِرْدِهَا الشَّبِم

(ان تتلها) من التلاوة أو من التلو (خيفة) خوفا (من حر) حرارة (نار لظى) جهنم (اطفات) من الاطفاء ومعناه بالفارسية: فروكشتن آتش وجز آن

[١] انظر: مشكوٰة المصابيح: ١٨٩ فى فضائل القرآن۔

[٢] أخرجه صاحب مشكوٰة المصابيح: ١٨٨ فى كتاب فضائل القرآن بلفظ: وقراته فى المصحف تضعف۔

[٣] نفس المرجع ص: ١٨٥ [٤] كذا فى ب: فى

[٥] فى الاصل: وجه، والتصويب من ب [٦] مشكوٰة المصابيح: ١٨٨، كتاب فضائل القرآن۔

دن پڑھ لیا۔ دونوں جمعوں کے درمیان کا حصّہ اس کیلئے نور سے منور اور روشن ہوتا ہے۔

ممکن ہے کہ یہاں قراءت سے مراد قرآن پاک میں تلاوت ہے یا کسی اور کتاب میں پڑھنا اگر پہلا مفہوم ہو تو اس لیئے تلاوت سے پاکیزگی قرآن کا دیکھنا بیٹھنے میں ادب کا ملحوظ رکھنا۔ قرآن پاک کا اٹھانا، اس کو مس کرنا، غور وفکر میں بٹھانا، اس کے معانی سے سرور حاصل کرنا۔ ان تمام چیزوں پر مشتمل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قرآن پاک کی تلاوت کسی اور کتاب سے ہزار درجے بہتر ہے۔ اور قرآن پاک سے تلاوت اس سے دوگنا دو ہزار درجے بہتر ہے۔

نقلت لہ۔ پڑھنے والے کو ترغیب دیا ہمیشہ پامردی احسان اور اخلاص سے پڑھو۔ خدا کی قسم لقد ظفرت۔ کامیاب ہوا۔ بحبل اللہ۔ جس کے ذریعے بندہ پہنچتا ہے۔ وہ قرآن ہے۔ گویا قرآن اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی رسی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ وہی حبل متین ہے وہی صراط مستقیم ہے۔

فاعتصم۔ اخلاص اور اچھے طریقے سے ہمیشہ قرآن کو مضبوطی سے تھامے رکھ۔ تاکہ تیرے اوپر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان صادق نہ آئے۔ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں جن پر قرآن لعنت بھیجتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ جو شخص قرآن لوگوں کو دکھانے کے لیے پڑھتا ہے۔ قیامت کے دن اس حال میں آئیگا۔ کہ اس کا چہرہ مکمل ہڈی کا ہوگا۔ اس کے گوشت نہیں ہوگا۔ یا اسکو مضبوطی سے پکڑنا، عمل اور سیکھنے سکھانے کے حوالے سے۔

اسکے بعد قرآن کے کم ترین فائدے کی طرف اشارہ کیا۔ جو قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کا تقاضا ہے۔

۱۰۰

اگر تو ان آیات مبارکہ کی جہنم کے خوف سے تلاوت کرے گا تو ان کے ٹھنڈے پانی سے جہنم کی گرمی بجھا دے گا۔

ان تتلھا۔ یہ لفظ یا تو تلاوۃ اور یا تلو سے بنا ہے۔ حیفۃ۔ خوف۔ من حر۔ گرمی۔ نادلظی۔ جہنم۔ اطفات۔ بجھانا۔ اور فارسی میں اس کا معنی ہے۔ فروشتن آتش د

(حر لظى من وردها) بالكسر، الماء المورود عليه أي من ماء الآيات[1]

(الشبم) البارد ككتف والمراد من مائها، إما الثواب الحاصل من التلاوة والعمل بمقتضاها أو محاجاتها وشفاعتها لأصحابها۔

١٠١

كَأَنَّهَا الْحَوْضُ تَبْيَضُّ الْوُجُوهُ بِهِ
مِنَ الْعُصَاةِ وَقَدْ جَاؤُوهُ كَالْحُمَمِ

(كأنها) أي الآيات الكريمة باعتبار اشتمالها على ما نزيل أدناس المعاصي ويهذب عنها العاصي وينور القلب والقالب ويصفي الظاهر والباطن من بيان التوحيد والصفات والأفعال وسلوك الطريق إليه تعالى والأحكام والأعمال والقصص والمواعظ وغير ذلك مما ينتظم به المعاش والمعاد، (الحوض) الذي يرد عليه العاصون من المؤمنين بعد إخراجهم من النار وقد كانوا فحماً لقوله صلى الله عليه وسلم: ناس اصابتهم النار بذنوبهم أو قال بخطاياهم فأماتهم إماتة حتى إذا كانوا فحماً اذن بالشفاعة فجئ بهم ضبائر ضبائر فبثوا على أنهار الجنة" الحديث، حتى ينتسلوا فيه ويصير أبدانهم مبيضة مشرقة بعد ما كانت مسودة مظلمة[2]۔

عن أنس رضى الله عنه أنه قال صلى الله عليه وسلم: نزلت على آنفا سورة، فقرأ: بسم الله الرحمن الرحيم انا اعطيناك الكوثر فصل لربك وانحر ان شانئك هو الأبتر، ثم قال: أتدرون ما الكوثر؟ فقلنا: الله ورسوله أعلم،

---

[1] سقطت فى الاصل والتكمله من ب۔

[2] رواه مسلم فى صحيحه ١/١١٨ باب ذكر الشفاعة۔

جزآن۔ حرلظی من وردھا۔ زیر کے ساتھ ماء مورود یعنی آیات کے پانی سے۔

الشبوء۔ ٹھنڈا کتف کے وزن پر پانی سے مراد یا تو تلاوت سے حاصل شدہ ثواب اور مقتضاء پر عمل کرنا ہے۔ یا پڑھنے والوں کی جو قرآن پاک نے شفاعت کرنا ہے۔

۱۰۱

گویا کہ وہ آیاتِ مبارکہ حوضِ کوثر ہیں جس سے گنہگاروں کے چہرے روشن ہو جاتے ہیں جبکہ وہ کوئلوں کی طرح اسکے پاس سیاہ چہرے لیکر آئے

کانھا۔ یعنی آیات کریمہ۔ ان کے ذریعے لوگوں کے میل دور ہوتے ہیں۔ گناہ دُھلتے ہیں۔ دل اور ڈھانچے منور ہوتے ہیں۔ ظاہر اور باطن صاف ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اس توحید، صفات الٰہیہ، افعال الٰہیہ سلوک طریق احکام اعمال قصص مواعظ اور دنیا و آخرت کے مضامین ہوتے ہیں۔ الحوض۔ وہ تالاب جس پر جہنم سے نکلنے کے بعد گنہ گار آئیں گے۔ اور جوق در جوق آئیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لوگوں کو گناہوں یا خطاؤں کی وجہ سے عذاب پہنچ جائے گا۔ پھر وہ مر جائیں گے۔ اس وقت جب وہ فحم ہوں گے" یہانتک کہ وہ اس میں نہائیں گے۔ ان کے جسم سفید چمکنے والے بن جائیں گے۔ اس کے بعد کہ کالے سیاہ بن چکے ہوں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ میرے اوپر یہ سورہ یکبارگی نازل ہوئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھی۔ انا اعطینٰک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ھو الابتر۔ پھر اس کے بعد فرمایا۔ تم جانتے ہو۔ کوثر کیا

قال فإنه نهر وعدنيه ربي، عليه خير كثير، وهو حوض يرد عليه امتي يوم القيامة، آنيته عدد النجوم.[1]

وروی "حوضی مسيرة شهر، ماؤه أبيض من اللبن وريحه أطيب من المسك وكيزانه كنجوم السماء، من شرب منه فلا يظمأ أبداً"[2]

(تبيض) أی تصير مبيضة منورة مشرقة، حال أو مستانفة لبيان وجه الشبه (الوجوه) تعبير عن الكل بالجزء (به) ای بذلك الحوض، وفی بعض النسخ "بها" أی بتلك الآيات والأولی أولی (من العصاة) حال من الوجوه، جمع عاص كالقضاة جمع قاض، أصله عصية، قلبت الياء الفاً تو ضم الفاء.

قال الشيخ الرضی فی شرح الشافية: وإذا كسر علی فعلة فی المعتل اللام وجب ضم الفاء ليعتدل طرف الكلمة بالثقل فی أولها والخفة "بالقلب"[3] فی آخرها، وقال الفراء: أصله فعل بتشديد العين فاستثقل فابدل الهاء من أحد المثلين "ثم أبدل الفاء لفتحة ماقبلها"[4]

---

[1] راجع: الخصائص الكبری ۸۵/۱ وجواهر البحار ۴۷/۱ والبخاری ۲۱۹/۶ تفسير سورة كوثر.

[2] رواه الترمذی عن عبد الله بن عمر: ۶۷/۲، ابواب صفة القيامة، باب ماجاء فی صفة اوانی حوض، و"الدارمی: ۳۸۳ باب فی الكوثر" و"مسلم" فی صحيحه: ۶۶/۷ باب إثبات حوض نبينا صلی الله عليه وسلم وصفاته، كتاب الفضائل.

[3] سقطت من الاصل والتكملة من شرح الشافية للرضی: ۱۶۳

[4] التكملة من نفس المرجع.

ہے۔ ہم نے کہا اللہ جل جلالہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ یہ وہ نہر ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ کیا۔ اس کے اوپر خیر کثیر (بہت زیادہ بھلائی) ہے۔ وہ ایک حوض ہے قیامت کے دن میری امت وہاں آئے گی۔ وہاں اسکے کٹورے ستاروں کے برابر ہوں گے۔

ایک روایت میں آیا کہ میری حوض کا فاصلہ ایک مہینہ کی مسافت ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے۔ مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور اس کے برتن آسمان کے ستاروں کے مانند ہیں۔ جس نے اس سے ایک مرتبہ پی لیا۔ وہ پھر پیاسا نہیں ہوگا۔

تبیض۔ یعنی سفید، منور، چمکدار بن جائے گی۔ یہ حال ہے یا مستانفہ ہے وجہ شبہ کو بیان کرنے کی وجہ سے۔ الوُجُوہ۔ کل کو جزر سے تعبیر کیا گیا۔ بہ۔ اس حوض کے ساتھ بعض نسخوں میں بہ کی جگہ بہا کا لفظ ہے۔ یعنی ان آیات کے ساتھ۔ اور پہلا بہتر ہے۔ من العصاۃ۔ وجوہ سے حال ہے۔ عاصی کی جمع ہے۔ جیسا کہ قضاۃ قاضی کی جمع ہے۔ اصل میں عصیۃ ہے یاء کو الف بنایا۔ پھر فا کو اس میں ضم ہے۔

شیخ رضی نے شرح شافیہ میں کہا ہے۔ فعل لام کا کوئی فعل اگر توڑ دیا جائے تو فاء کا اس کے ساتھ ضم کرنا واجب ہوتا ہے۔ تاکہ کلمے کا کنارا ثقل سے معتدل ہو جائے۔ اور بالقلب کی خفت اس کے آخر میں ہے۔ اور فراء نے کہا کہ اس کا اصل فعل تھا۔ عین مشدد تھا۔ یہ بولنے میں بھاری لگتا تھا۔ تو اس کو دو مثلوں میں سے ھاء سے بدل دیا۔ پھر فاء سے تبدیل کیا۔ اس لیے اس سے قبل نتیجہ ہے۔

(و) الحال أن العصاة (قد جاروه) اي الحوض (كالحمم) مشبهين بالحمم كالتهم جمع حمة وهو الرماد والفحم وكل ما احترق من النار.

١٠٢

وَكَالصِّرَاطِ وَكَالْمِيزَانِ مَعْدِلَةً
فَالْقِسْطُ مِنْ غَيْرِهَا فِي النَّاسِ لَمْ يَقُمِ

(و) الايات (كالصراط) الذي هو جسر ممدود على متن جهنم أحد من السيف[1] وأدق من الشعر يعبره الخلق (وكالميزان) الذي يوزن به الاعمال وله كفتان ولسان وشاهين (معدلة) من حيث العدل والتمييز بين المحق والمبطل والمسئ والمحسن، ثم فرع عليه:

(فالقسط) بالكسر العدل، ومنه أقسط الرجل وعليه قوله تعالى: "إن الله يحب المقسطين[2] والقسوط الجور، ومنه قوله تعالى: وأما القاسطون فكانوا لجهنم حطباً[3] الناشئ (من غيرها) اى غير الايات غير مثبت بها بخلاف السنة والاجماع والقياس على ما مر (في الناس) متعلق ب (لم يقم) لم يرج أو لم يوجد أصلاً.

---

[1] في الاصل "الصيف" بالصاد محرفا والثواب ما اثبت.

[2] سورة المائدة، الاية: ٤٢

[3] سورة الجن، الاية: ١٥

ڈ۔ حالیہ ہے۔ بیشک گنہ گار (تلا جاروہ)۔ یعنی حوض۔ کالحمو۔ حمم کے مشابہہ۔ جیساکہ تہمو ہے حمۃ کی جمع ہے، اور مٹی یا گرد و غبار کو کہتے ہیں، اور فحم ہر وہ چیز ہے۔ جس کو آگ جلاتے۔

۱۰۲

اور یہ آیاتِ مبارکہ انصاف کرنے کے لئے مثل پُل صراط اور مثل میزان کے ہیں ان کے بغیر لوگوں میں عدل قائم نہیں ہو سکتا۔

ڈ۔ اور آیات۔ کالصراط۔ وہ پل جو جہنم کی پیٹھ پر ہے۔ تلوار سے زیادہ تیز ہے اور بال سے باریک ہے۔ وکالمیزان۔ جس پر اعمال تولے جائیں گے اس کے دو ہتھیلی اور زبان ہوگی۔ معدلۃ۔ عدل کی حیثیت سے نیکوکار و بدکار اور حق والوں اور باطل والوں کے درمیان فرق اور تمیز ہے۔ پھر اس پر تفریع بٹھائی۔

فالقسط۔ کسرے کے ساتھ ہے۔ اس سے عدل مراد ہے اور اسی سے اقسط الرجل بنا ہے۔ اور اسی پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ان اللہ یحب المقسطین۔ اور قسوط سے جور مراد ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ واما القاسطون فکانو لجھنو حطبا۔ چلنے والا۔ من غیرھا۔ یعنی آیاتوں کے سوا جو اس کو ثابت نہیں کرتیں۔ بخلاف سنۃ اجماع، اور قیاس جو کہ گزر چکا۔ (فی الناس) بہ لویقو۔ کا متعلق ہے یعنی بالکل پایا نہیں گیا۔ اور کیسے پلتے۔

كيف وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم في القرآن: ومن ابتغى الهدى في غيره أضله الله تعالىٰ[1] فالعدل منحصر في الايات حصراً حقيقتاً لا ادعائياً كما زعم البعض، ثم إنكار الايات بعد ظهور برهانها وسطوة سلطانها، لما كان موجباً للتعجب أشار إلى أنه لا غرو فيه بقوله:

١٠٣

لَا تَعْجَبَنْ لِحَسُودٍ رَاحَ يُنْكِرُهَا
تَجَاهُلاً وَهُوَ عَيْنُ الحَاذِقِ الفَهِمِ

(لا تعجبن) لا تكن متعجبا (لحسود) مستنكرا إنكاره (راح) أمسى (ينكرها) اى الايات (تجاهلا) إظهاراً للجهل بها من نفسه تكبراً أو عناداً[2] (و) الحال (هو عين) خيراً ونفس (الحاذق) بالذال المعجمة، الكامل الماهر بها، يعلمها انها من عند الله تعالى وانها "يهدى للتى هو أقوم"[3] (الفهم) ككتف الكامل الفهم بثمراتها وفوائدها وغرائبها لكن مرض الحسد والعناد لا يدعه أن يذعنها وينقاد لها فينكرها. كما:

١٠٤

قَدْ تُنْكِرُ العَيْنُ ضَوْءَ الشَّمْسِ مِنْ رَمَدٍ
وَيُنْكِرُ الفَمُ طَعْمَ المَاءِ مِنْ سَقَمِ

(قد تنكر) تكره (العين) البصر (ضوء الشمس) ويعده حرارة محضاً لا

---

[1] اخرجه الترمذى ٢/١٤٢، ابواب فضائل القرآن، باب ما جاء فى فضل القرآن وابن حبان فى صحيحه ١/٢٨٧ ومسلم فى صحيحه ٢/٢٣٨ واحمد فى "مسنده" ٤/٣٦٦ والدارمى ٢/٤٣١ -

[2] فى الاصل، وعناء، والتصويب من ب.

[3] كلمات قرآنيه، سورة الاسراء، الاية: ٩

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ومن ابتغی الھدیٰ فی غیرہ اضلہ اللہ تعالیٰ۔ پس اس لیے عدل حصر حقیقی سے آیات بنیات کے اندر ہے نہ کہ حصر ادعائی ہے۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے گمان کیا ہے۔ پھر برہان کے ظاہر ہونے کے باوجود اور اس حاکمیت کے ہوتے ہوتے انکار آیات کرنا واقعی تعجب کا موجب ہے۔ اور اسی طرف اشارہ فرمایا۔

۱۰۳

آپ ہرگز بہت حسد کرنیوالے پر جو ماہر و سمجھ دار ہونے کے
باوجود دانستہ جاہل بنکر آیات مبارکہ کا انکار کرتا ہے تعجب نہ کریں

لاتعجبن۔ متعجب نہ ہو۔ لحسود۔ ان کے انکار کو مکروہ سمجھتے ہوتے۔ راح۔ شام کرتا ہے۔ ینکرھا۔ یعنی آیتوں۔ تجاھلاً۔ تکبر یا عناد کی وجہ سے جان بوجھ کر جہالت اور لاعلمی کا اظہار کرنا۔ و۔ حالیہ ہے۔ ھو عین۔ خیر یا نفس۔ الحاذق۔ کامل ماہر۔ دال معجمہ کے ساتھ وہ جانتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور بیشک یہ یھدی للتی ھی اقوم۔ الفھم۔ کتف کے وزن پر کامل سمجھداری اسطرح کہ اس سے فائدے اور ثمرات حاصل ہوں۔ لیکن حسد کا مرض اس کو نہیں چھوڑتا یہاں تک کہ اس کو غبار آلود کرتا ہے۔ اس کا پیچھا کرتا ہے اور مکروہ بناتا ہے۔

۱۰۴

کبھی آنکھ آشوب زدہ ہونے کے باعث سورج کی روشنی کو ناگوار
جانتی ہے اور کبھی منہ بیماری کیوجہ سے پانی کے (خوش) ذائقہ ہونے کا انکار کردیتا ہے

قد تنکر۔ ناپسند کرتی ہے۔ العین۔ آنکھ۔ ضوء الشمس۔ اس سے مراد

فائدة فيه غير الايذاء مع أنه تنور العالم به وفيه الفوائد ما لا يحصى، (من رمد) لأجل ألم حصل لها، يقال: رمد الرجل بالكسر يرمد رمداً، هاجت عيناه[1] ولله در من قال:

عجب نبود گر از قرآن نصيبى نيست جز نقشى

كه از خورشيد جز گرمى نه بيند چشم نابينا[2]

(وينكر الفم طعم الماء) لذته وبعده تفهاً مراً مع أنه عذب بارد ولذيذ حسن (من سقم) لأجل مرض حصل له.

ثم لما ذكر نبذاً من أحواله قوى محرك الاقبال عليه والتوجه اليه حتى كأنه شاهد، فخاطب بقوله:

١٠٥

يَا خَيْرَ مَنْ يَمَّمَ الْعَافُوْنَ سَاحَتَهُ

سَعْياً وَفَوْقَ مُتُوْنِ الْأَيْنُقِ الرُّسُمِ

(يا خير من يمم) قصد (العافون) الطالبون للمعروف، من "عفوته" أتيته لطلب المعروف واعتفيته مثله.

(ساحته) حريم داره الواسع صلى الله عليه وسلم، يعني يا أيها الافضل

---

[1] في الاصل "عينيه" والصواب ما اثبت.

[2] بيت فارسى ومعناه: ليس من العجب اذا لم يتبق من القرآن الا رسمه كما لا تستفيد عين الاعمى من الشمس غير حرارتها.

سورج کی حرارت ہے۔ جس سے انسان گرمی اور اذیت محسوس کرتا ہے۔ اس کے باوجود کہ سورج سے جہاں منور و روشن ہوتا ہے اور اس کے بے شمار فوائد ہیں من رمد۔ درد کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ رمد الرجل بالکسر یرمد رمدا۔ آنکھیں دھنس گئیں ۔

یہ عجب نہیں ہے کہ کوئی شخص قرآن پاک سے فائدہ نہ اٹھائے اور اس کو صرف نقش ہی نظر آئیں۔ اس لیے کہ نابینا بھی سورج سے سوائے گرمی اور کیا پاتا ہے۔

وینکر الفم طعم الماء۔ اس کی لذت لذیذ۔ ٹھنڈا اور میٹھا پانی بھی اس کو کڑوا لگتا ہے۔ من سقم۔ وہ بیماری اس کو لاحق ہے۔

پھر جب اس کے احوال کا ایک حصہ ذکر کیا۔ پھر اس کی توجہ کی حرکت مضبوط ہوگئی۔ یہاں تک کہ گویا اس نے مشاہدہ بھی کیا۔ اپنے اس قول کے ساتھ مخاطب ہوتے۔

۱۰۵

اے بہترین ان لوگوں کے جن کے آستانے کا سائل ارادہ کرتے ہیں
دوڑتے ہوئے اور تیز رفتار اونٹنیوں کی پشتوں پر سوار ہو کر

یاخیر من یمم۔ ارادہ کیا۔ العافون۔ نیکی کے متلاشی۔ یہ لفظ عفوتہ سے نکلا ہے۔ یعنی تم معروف کو طلب کرنے کے لیے آتے۔ اور تو نے اس کے مثل معاف کیا۔

ساحتہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر (حرم) مبارک کا وسیع ہونا۔ اے

الذی قصد الطالبون للاحسان حریمه لیأخذوا منك أنواع العلوم والحکم واصناف الخیرات والنعم وفنون ما یحصل به خیر الدنیا والعقبی وطریق الوصول إلی الله تعالی والزلفی، (سعیا) حال کونهم ساعین مسرعین بالأقدام (و) کائنین (فوق متون) ظهور (الاینق) جمع ناقة، أصله انوق استثقل الضمة علی الواو فقدموها فقالوا[١] اونق، ثم عوضوا من الواو یاءً، فقالوا الاینق۔

(الرسم) کعنق جمع رسوم کرسول، یقال: ناقة رسوم: تؤثر فی الارض من شدة الوطی یعنی الراکبین النوق اللاتی تؤثر[٢] فی الارض من شدة العدو، والمراد منه التعمیم علی معنی أن کل ما تیسر له کیف ما کان توجه إلیه[٣]، ویحتمل أن یکون المراد الاولیاء والانبیاء والأبرار والمقربین أو الصلحاء والصدیقین أو الجن والانس أو[٤] من علی الارض أو من فی السماء۔

١٠٦

وَمَنْ هُوَ الآيَةُ الْكُبْرَى لِمُعْتَبِرٍ

وَمَنْ هُوَ النِّعْمَةُ الْعُظْمَى لِمُغْتَنِمِ

(و) یا (من هو الآیة) العلامة (الکبری) أو الدلیل علی الدین الحق والصراط المسقیم والارشاد[٥] الیه وما یحصل به سعادة الدارین، (لمعتبر) لمن یعتبر

---

[١] فی الاصل، فقال، والتصویب من ب [٢] فی الاصل "تؤثرون" والصواب ما اثبت۔

[٣] سقطت فی الاصل والتکملة من ب۔

[٤] کذا فی الاصل وفی ب: و۔

[٥] وفی ب: الاشارة۔

وہ افضل جگہ جس کی طلب اور ارادہ طالب لوگ احسان کے حصول کے لیے کرتے ہیں. تاکہ اس سے قسم قسم کے علوم، حکمتیں، بھلائیاں، نعمتیں، فنون اور دنیا وعقبیٰ کی سعادت وخیر اللہ جل شانہ، تک وصول حاصل ہو۔سعیاً۔کوشش۔اس حال میں کہ وہ اس کے حصول کے لیے سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ ڈ۔ثابت ہیں۔ فوق متون۔پیٹھوں۔الاینق۔ناقہ کی جمع اونٹنی۔اس کی اصل انوق ہے۔واو پر ضمہ ثقیل تھا۔اس کو مقدم کیا۔پھر کہا۔اونق۔واو کا عوض یا، کو لایا۔پھر کہا۔الاینق۔

الرسم۔عنق کی طرح رسوم کی جمع ہے۔جیسا کہ رسول کہا جاتا ہے۔ناقۃ رسوم تیز چلنے کی وجہ سے زمین میں نشانِ قدم بن جاتے ہیں۔اس سے مراد تعمیم (عام ہونا) ہے۔یعنی اونٹوں پر سوار لوگ جب زمین پر دشمن کی شدت کی وجہ سے نشانِ قدم بنا کے چلے جاتے ہیں۔اس سے مراد تعمیم (عام ہونا) ہے۔یعنی ہر وہ چیز جو آسان ہو۔خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو۔اس کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔اور اس کا یہ بھی احتمال ہے۔کہ اس سے مراد اولیا، علیہم الرحمۃ انبیاء علیہم السلام ابرار مقربین صلحاء اور صدیقین مراد ہوں خواہ ان کا تعلق انسانوں سے ہو یا جنات سے۔وہ زمین پر ہوں یا آسمان پر۔

۱۰۶

اے وہ ذاتِ مقدس جسکا وجودِ مسعود عبرت حاصل کرنے والے کیلئے بہت بڑی نشانی ہے اور اے وہ ذاتِ مقدس جو غنیمت جاننے والے کیلئے نعمت عظمیٰ ہے

د۔اے۔من ھو الایۃ۔علامت۔الکبریٰ۔رشد وہدایت صراط مستقیم اور دین حق پر دلیل۔اور جس کے ذریعے دونوں جہانوں کی سعادت حاصل ہوتی

وينظر ويتدبر إذ هو المنتفع[١] به، (و) يا۔

(من هو النعمة العظمى لمغتنم) لمن يعده غنيمة ويجعل[٢] هواه تابعاً لرضاه أو يكون عنده أحب مما سواه من الاباء والأبناء والازواج والعشائر والاموال والتجارات والمساكن بخلاف من شغله حب هذه الاشياء فانه لم يحظ بهذه النعمة وحرم واستبدل الذى هو أدنى بالذى هو خير[٣]۔

١٠٧

سَرَيْتَ مِنْ حَرَمٍ لَيْلاً إِلٰى حَرَمٍ
كَمَا سَرَى الْبَدْرُ فِىْ دَاجٍ مِنَ الظُّلَمِ

(سريت) سرى وأسريت بمعنى اذا سريت ليلاً اى سريت يا نبى الله (من حرم) مكة، لما روى أنه كان نائماً فى بيت أم هانى بعد صلاة العشاء فاسرى به ورجع من ليلة، وقص القصه عليها، وقال: مثل لى النبيون، فصليت بهم، ثم خرج الى المسجد وأخبر به قريشاً، فتعجبوا منه استحالة، وارتد ناس ممن آمن به، وسعى رجال إلى أبى بكر صديق رضى الله عنه فقال: ان كان قال ذلك لقد صدق، قالوا: أتصدقه على ذلك؟ قال: إنى لأصدقه على أبعد من ذلك، فسمى

---

[١] فى الاصل: المشفع، والتصويب من ب۔

[٢] وفى ب: يحصل۔

[٣] كلمات قرآنية فى سورة البقرة: الاية ٦١۔

ہے۔ لمعتبر۔ اس شخص کے لیے جو عبرت پکڑے۔ دیکھے اور غور کرے۔ جب وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ و۔ اے۔

من ھو النعمۃ العظمیٰ لمغتنم۔ جو اس کو غنیمت شمار کرے اور جس کی خواہشات اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع ہوں۔ اور اس کے نزدیک باپ دادا، بیٹوں، بیویوں، رشتہ داروں، مالوں، تجارتوں، رہائش گاہوں سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو۔ بخلاف اس شخص کے جو ان چیزوں سے محبت کرتا ہے۔ وہ اس نعمت عظمیٰ سے حصہ نہیں پا سکتا۔ محروم رہ جاتا ہے۔ ادنی (دنیا) کو اعلیٰ (دین) سے تبدیل کر دیتا ہے۔

۱۰۷

آپ نے رات کے تھوڑے سے حصے میں ایک حرم سے دوسرے حرم کی طرف
سیر فرمائی جیسے چودھویں کا چاند سخت اندھیروں والی رات میں سفر کرتا ہے

سری اور اسریت دونوں اس معنی میں ہیں۔ کہ یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ تشریف لے گئے۔ من حرم۔ مکہ مکرمہ سے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام ہانی کے گھر نماز عشا کے بعد آرام فرماتے تھے۔ تو آپ کو لے جایا گیا۔ اور رات کے وقت واپس تشریف لاتے اور یہی قصہ بیان کیا۔ اور فرمایا۔ انبیاء کرام علیہم السلام میرے لیے حاضر کیے گئے۔ میں نے ان علیہم السلام کو نماز پڑھائی۔ پھر مسجد کی طرف نکلے۔ اور قریش کو اس کی خبر دی اور انہوں نے اس بات کو ناممکن اور محال جان کر تعجب کا اظہار کیا۔ اور کچھ لوگوں نے ایمان کے باوجود اس واقع کا انکار کیا۔ لوگ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کے پاس آ گئے۔ اور کہا کہ اگر

الصديق، وقيل من المسجد الحرام[1] لما روى أنه عليه الصلوٰة والسلام قال، بينما أنا فى المسجد الحرام فى الحجر عند البيت بين النائم واليقظان اذ أتانى جبرائيل عليه السلام بالبراق[2].

(ليلاً) ظرف "سريت" قال: العلامة التفتازانى فى المطول: "ذكر الليل مع أن الاسراء لا يكون إلا بالليل للدلالة على تقليل المدة وأنه اسرى فى بعض الليل[3]، قال السيد السند رحمة الله تعالى عليه: "الدلالة على البعضية مذكورة فى الكشاف[4] واعتراض عليه بأن البعضية المستفادة من التنكير هى البعضية فى الأفراد لا البعضية فى الأجزاء، فكيف يستفاد من قوله "ليلاً" أن الاسراء كان فى بعض من أجزاء ليلة واحدة، فالصواب أن[5] تنكيره لدفع توهم كون الاسراء فى ليال أو لافادة تعظيمه[6].

(الى حرم) منزل محترم مبارك وهو المسجد الأقصى الذى فى بيت المقدس الذى ورد فيه: أول الارض التى بارك الله تعالى فيها، ارض بيت المقدس، المحشر والمنشر فى البيت المقدس، وينصب الصراط على جهنم إلى

---

[1] انظر: السيرة الحلبيه ١/٣٦٦ فى ذكر المعراج والمستدرك للحاكم ٣/٦٢ فى كتاب معرفة الصحابة.

[2] راجع: الجامع الصحيح ١/٩٠ فى كتاب الايمان، باب الاسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم.

[3] راجع: المطول: ٢٢٨

[4] انظر: فى الكشاف ٢/٤٣٦، سورة بنى اسرائيل، الاية: ا فى تفسير: سبحان الذى اسرى بعبده ليلاً قال الزمخشرى: أراد بقوله ليلاً بلفظ التنكير تقليل مدة الاسراء وانه أسرى به بعض الليل.

[5] لم ترد فى ب [6] وردت فى ب العظمة.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بات کہے۔ تو کیا آپ اس کی تصدیق کریں گے۔ آپ نے فرمایا۔ میں تو اس سے بھی اگر عجیب ترین بات ہو۔ میں سچ ماننے کے لیے تیار ہوں (اس لیے کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سچ ہی فرماتے ہیں) اس وجہ سے آپ کا نام نامی صدیق پڑ گیا۔ اور کہا گیا مسجد حرام سے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ میں مسجد حرام میں بیت اللہ شریف کے قریب نیند اور جاگ کے درمیان تھا کہ میرے پاس اچانک حضرت جبرائیل علیہ السلام براق پر سوار آتے۔

لیلا۔ سریت کا ظرف ہے۔ علامہ تفتازانی نے مطول میں کہا ہے۔ رات کو اس لیے ذکر کیا۔ کہ اسرار کا تصور رات میں ہوتا ہے۔ اور رات میں سیر کرنے اور چلنے کو اسراء کہتے ہیں۔ اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے مختصر حصے میں سیر فرمائی۔ سید المسند رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ لیلاً سے مراد بعض رات کا ہونا تفسیر کشاف میں بھی مذکور ہے اور اس بعضیت پر اعتراض کیا گیا۔ کہ نکرہ سے جہاں بعض لینا مراد ہو۔ وہ بعضیت افراد کی ہوتی ہے؟ کہ اجزاء کی پھر لیلاً سے کیسے مراد لیا جا سکتا ہے کہ اس رات کا ایک مختصر سا حصہ مراد ہے۔ درست بات یہ ہے کہ یہاں لیلاً کا نکرہ ہونا اس وہم کے دفع کرنے کے لیے ہے کہ اسراء (سیر) راتوں میں نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک رات میں۔ اور یا اس سے تعظیم اور برتری کا فائدہ مراد ہو۔

الی حزم محترم اور مبارک منزل ہے۔ اور وہ مسجد اقصیٰ جس کو بیت المقدس کہتے ہیں۔ جس کے بارے آیا۔ وہ پہلی زمین جس میں اللہ تعالیٰ نے برکت نازل فرمائی۔ وہ بیت المقدس کی زمین ہے۔ حشر و نشر کا انعقاد بھی بیت المقدس

الجنة بأرض بيت المقدس ويوضع الميزان يوم القيامة ببيت المقدس[١]۔

إن قيل: أن مكة أشرف من بيت المقدس، فما الحكمة فى إسرائه من الأشرف إلى الأدون، أجيب:

أن البيت المقدس ارض المحشر والمحاسبة فحمل اليها ليضع قدميه عليها فيسهل الحساب على أمته ببركة قدميه، وقيل: ان البقاع الفاضلة مكة ومدينة وبيت المقدس، فنال بركة البقعتين، فأراد أن ينال بركات البقاع كلها، سرى (كما سرى) مثل سرى۔

(البدر) القمر، سمى بدراً ليلة اربعة عشر لمبادرته الشمس بالطلوع كأنه يعجلها[٢] المغيب، وقيل: لمبادرو سرعته فى السير تلك الليلة، من بدرت الى الشئ أبدر بدوراً" أسرعت فى سرعة السير وقطع المسافة البعيدة فى المدة القليلة۔

وفيه[٣] أنه كما يحصل للبدر فى تلك الليلة كمال فى النور كذلك له صلى الله عليه وسلم حصل تلك الليلة حكم عجيبة وعلوم غربية كما دل

---

[١] انظر: السيرة النبوية لابن زنى وحلان ١/٩٥

[٢] وردت فى ب: يعلجها للغيب۔

[٣] فى الاصل "فى" والتصويب من "ب"

میں ہوگا۔ اور پلصراط بھی جہنم پر جنت تک بیت المقدس کی زمین میں ہوگا۔ اور قیامت کے دن میزان بھی بیت المقدس میں قائم ہوگا۔

اگر کہا جائے۔ کہ مکہ مکرمہ بیت المقدس سے اشرف و افضل ہے۔ پھر اس میں کیا حکمت ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف سے ادون (ادنیٰ) کی طرف تشریف لے گئے۔

میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ کہ بیت المقدس محشر اور محاسبے کی زمین ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے تشریف لے گئے۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین مبارک کی برکت سے آپ کی امت پر قیامت کے دن حساب دینا آسان ہو جائے۔ اور کہا گیا۔ کہ زمین کے افضل ٹکڑے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس ہیں۔ دو ٹکڑوں کی برکتیں مل گئیں۔ پھر ارادہ کیا۔ کہ تمام مقدس زمینوں کی برکتیں آپس مل جائیں۔ کما سری۔ سری کی طرح۔

البدر۔ چاند۔ چودھویں رات کی چاند کو بدر اس لیے کہتے ہیں۔ کہ سورج سے طلوع ہونے میں پہل کرتا ہے۔ گویا کہ چاند مخفی طور پر سورج سے طلوع ہونے میں جلدی کرتا ہے۔ اور بعض نے کہا۔ اس کو بدر اس لیے کہتے ہیں۔ مبادرت اور تیزی سے اس رات چاند کی رفتار ہوتی ہے۔ "بدرت الی الشئی ابدر بدروا؟" سیر اور چلنے میں تیز رفتاری دکھائی۔ اور زیادہ مسافت مختصر سے وقت میں طے کیا۔

جس طرح کہ چودھویں رات کے چاند کو اس رات کمال کا نور حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس رات عجیب حکمتیں

عليه قوله صلى الله عليه وسلم : علمني ربي ليلة الاسراء علوماً شتى فعلم أخذ على كتمانه، وعلم خير في فيه، وعلم أمرني أن ابلغه[1] ومقامات رفيعة لا يصل إليها أحد من الخلق، وعجائب قدرة الله تعالى كذهابه[2] في برهة من الليل مسيرة شهر، ورؤية البراق وإحياء وانبياء ملكوت السموات.

(في ليل (داج) ساتر (من الظلم) لأحل الظلمات.

واعلم أن الاسراء من المسجد الحرام إلى البيت المقدس قطعى ثبت بالكتاب ومن الارض إلى السماء مشهور ومن السماء الى الجنة أو العرش أو غير ذلك آحاد.

١٠٨

وَبِتَّ تَرْقَى إِلَى أَنْ نِلْتَ مَنْزِلَةً
مِنْ قَابِ قَوْسَيْنِ لَمْ تُدْرَكْ وَلَمْ تُرَمِ

(وبت) عطف على[3] "سريت" وهو من الأفعال الناقصة موضوع[4] لاقتران مضمون الجملة بوقت يدل عليه وهو الليل.

---

[1] راجع السيرة الحلبية ١/٤٠٣ في ذكر المعراج.

[2] في الاصل لذهابه، والتصويب من ب.

[3] سقطت من الاصل والتكملة من ب.

[4] كذا في الاصل وفي ب : موضع.

اور غریبہ علوم حاصل ہوتے۔ اس مفہوم پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ' نے لیلۃ اسراء (معراج کی رات) مجھے مختلف علوم سکھائے۔ بعض علوم کے چھپانے کا حکم فرمایا۔ بعض کے ظاہر کرنے اور پوشیدہ رکھنے میں مجھے اختیار دیا گیا۔ اور بعض علوم کو دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا۔ اور اللہ تعالٰے نے وہ بلند مقامات مجھے عطا فرمائے۔ کہ جن تک مخلوق میں کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور یہ بھی قدرت الٰہی کے عجائب میں سے ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے مختصر سے حصے میں مہینہ بھر کی مسافت کی مقدار لے جائے گئے۔ اسی طرح براق کا دیکھنا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی اور آسمانوں کی بادشاہی۔

فی۔ رات۔ داج۔ چھپانے والی۔ من الظلم۔ اندھیروں کی وجہ سے۔

جان لینا چاہیے۔ کہ مسجد حرام سے بیت المقدس تک اسرار دلیل قطعی سے ثابت ہے۔ زمین سے آسمان تک جانا حدیث مشہور سے ثابت ہے۔ اور اس کے علاوہ دوسری تفاصیل آحاد (خبر واحد) سے ثابت ہیں۔

۱۰۸

اور آپ رات میں ترقی فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ نے
قاب قوسین کی وہ منزل پالی جو کسی نے نہ پائی اور نہ اسکی تمنا کی جاسکتی ہے

وبت۔ یہ "سریت" پر عطف ہے۔ اور یہ افعال ناقصہ سے ہے۔ اسس لیے وضع کیا گیا ہے۔ کہ مضمون جملہ کو ملائے۔ اس وقت جب اس پر دلالت کرے۔ اور وہ رات ہے۔

(ترقى) تصعد من "رقيت فى السلم بالكسر رقيا ورقيا"، اذا صعدت و ارتقيت مثله (إلى أن نلت) وجدت (منزلة) مرتبة عظيمة ناشئة (من قاب) قدر (قوسين) كناية عن كمال القرب أى وجدت منزلة عظيمة ناشئة من كمالات القرب منه تعالى۔

(لم تدرك) أى لم تكن تلك المنزلة مدركة[1] لأحد من الخلق بمعنى لم يبلغها أحد ولم يعلمها۔

(ولم ترم) ولم تكن تلك المنزلة مطلوبة لأحد يعنى لم يتمنها أحد من الانبياء والرسل والمقربين لعلمه بأنها مختصه به صلى الله عليه وسلم أو لعدم علمه بها۔

١٠٩

وَقَدَّمَتْكَ جَمِيْعُ الأَنْبِيَاءِ بِهَا
وَالرُّسُلُ تَقْدِيْمَ مَخْدُوْمٍ عَلَى خَدَمٍ

(وقدمتك) جعلتك مقدما إماما (جميع الانبياء بها) اى فى تلك البقعة المباركة المقدسة وهو بيت المقدس، روى أنه صلى الله عليه وسلم لما دخل مسجد بيت المقدس أحى الله تعالى جميع الأنبياء فجعلوه إماما فصلى صلى الله عليه وسلم بهم[2]

---

[1] وفى ب: مدركا۔

[2] راجع: السيرة الحلبيه ١/٣٧٤ فى ذكر المعراج۔

ترتقی۔ چڑھتا ہے۔ یہ رقیت فی السلم زیر کے ساتھ۔ رَقیا و رُقیا سے بنا ہے جب آپ اوپر کو چڑھے۔ اِلیٰ ان نلت۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پایا۔ منزلۃ۔ عظیم مرتبہ۔ من قاب۔ اندازہ۔ قوسین۔ حد درجہ قرب سے کنایہ ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے کمالات قرب سے مرتبہ عظیم پایا۔

لم تدرک۔ یہ مقام پانا اور حاصل کرنا محال اور ناممکن ہے۔ کسی بھی شخص کے لیے ناممکن ہے یعنی آج تک نہ اس مرتبے تک کوئی پہنچا۔ اور نہ کسی کو یہ مرتبہ معلوم ہوا۔

ولم ترم۔ نہ تو یہ عظیم مرتبہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کو مطلوب تھا۔ یعنی کسی نے اس مرتبے کو پانے کی تمنا تک بھی نہیں کی۔ اس لیے کہ رسل عظام اور انبیاء کرام علیہم السلام اور مقربین کو معلوم تھا۔ کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ یا یہ مرتبہ و مقام ان کو معلوم ہی نہ تھا۔

۱۰۹

اور مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء و رُسل نے ذنماز کیلئے آپ کو یوں آگے کر
دیا جیسے مخدوم کو خادموں پر آگے کیا جاتا ہے۔

وقدمتک۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امام بنایا۔ جمیع الانبیاء بہا۔ زمین کے اس مقدس اور متبرک گوشے میں جس کو بیت المقدس کہتے ہیں۔ روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد بیت المقدس میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو زندہ فرمایا۔ انہوں نے آپ کو اپنا امام بنایا۔ تمام رسول علیہم السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز

(والرسل) عطف على الانبياء، تقديماً مثل (تقديم مخدوم على خدم) كخدم جمع خادم يعنى أن تقديمهم له صلى الله عليه وسلم كان لما أنهم علموا أنه صلى الله عليه وسلم أفضلهم وأكرمهم عند الله تعالى وأنه متبوعهم وهو تابعوه۔

١١٠

وَأَنْتَ تَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ
فِي مَوْكِبٍ كُنْتَ فِيْهِ صَاحِبَ الْعَلَمِ

(وانت) لاغيرك على ما تفيده تقديم المسند إليه على الخبر الفعلى، وما قبل من أن قوله أنت من تقديم ما حقه التاخير لإفادة التخصيص وأنه من باب سريطة التفسير، ففيه ما فيه، (تخترق) تقطع السموات۔

(السبع الطباق) بعضها فوق بعض (بهم) منهم اى أنت قطعت السموات من بين الانبياء لاغيرك، اذكل منهم ما[له] جاوز مقامه على ما جاء فى حديث المعراج، حال كونك كائناً (فى موكب) جمع عظيم من الملائكة والموكب بكسر الكاف جماعة الفرسان (كنت فيه) ذلك الموكب (صاحب العلم) اى صاحب الحكم والامر والعز

[له] ومكتوب هنا بين السطرين "ما نافية"

پڑھی۔ والرسل۔ انبیاء پر عطف ہے۔ آگے ہونا۔ جیساکہ تقدیم مخدوم علی خدام۔ کرم کے وزن پر اس کی جمع خادم ہے۔ اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مقدم ہونا اس لیے بھی ہے۔ تاکہ وہ جان لیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اللہ تعالیٰ کے حضور افضل اور اکرم ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام تابع اور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم متبوع و راہنما ہیں۔

۱۱۰

اور آپ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ سات آسمان طے فرماتے گئے ایسے سواروں کے لشکر میں جس میں آپ جھنڈے والے (سردار) تھے

وانت۔ آپ ہی۔ مسند الیہ کا خبر فعلی پر تقدیم کا فائدہ دیتا ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا۔ یہاں انت سے تقدیم کی وجہ تخصیص کا فائدہ حاصل ہوا۔ حالانکہ اس کا مقام مؤخر تھا۔ اور شریعۃ التفسیر کے باب سے ہے۔ جو اس کی تفصیل ہے وہی اس کی تفصیل ہے۔ تخترق۔ یعنی آسمانوں کو طے کیا۔ السبع الطباق۔ بعض بعض کے اوپر ہیں۔ بھم۔ ان میں سے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں کو اس حال میں طے کیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام ہیں سے کوئی بھی آپ کے ساتھ نہیں تھا۔ یعنی دیگر انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کوئی بھی اپنے مقام سے آگے نہیں بڑھا۔ جس طرح کہ حدیث معراج میں ذکر آیا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملائکہ کا انبوہ عظیم تھا۔ موکب۔ ک کے زیر کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد گھڑ سواروں کی جماعت ہے۔ کنت فیہ۔ وہ جماعت

والشرف لأنه[1] فى بدء علم.

١١١

حَتّى إِذا لَمْ تَدَعْ شَأْواً لِمُسْتَبِقٍ
مِنَ الدُّنُوِّ وَلَا مَرْقىً لِمُسْتَنِمِ

(حتى) غاية لتخترق[2] (إذا لم تدع) تترك[3] (شأواً) سبقا من شأوت القوم شأواً إذا سبقتهم (المستبق من الدنو) اى لم تترك سبقا لطالب[4] السبقة فى القرب منه تعالى بل وصلت إلى مالم[5] يصل إليه أحد من الانبياء والمرسلين والملائكة المقربين (ولا مرقى) معرجاً (لمستنم) طالب للرفعة فى القرب منه تعالى.

١١٢

خَفَضْتَ كُلَّ مَقامٍ بِالإِضافَةِ إِذْ
نُودِيتَ بِالرَّفْعِ مِثْلَ المُفْرَدِ العَلَمِ

(خفضت) وضعت، جواب إذ (كل مقام) من المقامات العاليه للانبياء المرسلين والملائكة المقربين (بالاضافة) بالنسبة الى مقامك الذى أعطيت (اذ نوديت بالرفع) اى بكونك مرفوعاً معظماً، دفعاً (مثل) رفع (المفرد) المنفرد بالفضائل والكمالات.

[1] فى الاصل، لانه، والصواب ما اثبت. [2] فى الاصل "لتخرق" محرفا.
[3] لم ترد فى ب
[4] فى الاصل، لغالب، والتصويب من ب.
[5] كذا فى الاصل وفى ب: لا.

صاحب العلم۔ حکم امر عزت اور شرافت کے مالک۔ نہ یہ کہ آپ کے ہاتھ میں جھنڈا تھا۔

۱۱۱

یہاں تک کہ آپ نے کسی آگے بڑھنے والے کیلئے کوئی قرب کا درجہ نہ چھوڑا
اور نہ کسی اوپر چڑھنے والے کیلئے کوئی چڑھنے کی جگہ چھوڑی۔

حتیٰ۔ یہاں تک کہ۔ اذا لم تدع۔ نہیں چھوڑا۔ شاواً۔ آگے ہونا۔ جیسے " ساوت القوم شاواً" جب میں نے ان کو عبور کیا۔ لمستبق من الدّنو۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبقت اور قرب نے تمام منازل طے فرماتے۔ اب کسی طالب سبقت کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ بلکہ جہاں تک انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور ملائکہ مقربین پہنچ سکتے تھے آپ ان تمام حدوں کو عبور کر گئے۔ ولا مرقی۔ معرج (بلندی اور عروج کی جگہ، لمستنم۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کے طالب کے لیے۔

۱۱۲

آپ نے ہر مرتبہ کو اپنے مرتبہ کی نسبت نیچے چھوڑ دیا جب
آپ عَلَم مفرد کی طرح بلند مرتبہ کے ساتھ پکارے گئے

حفضت۔ آپ نے رکھا۔ یہ جواب ہے۔ جب۔ کل مقام۔ انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام اور مقرب فرشتوں کے بلند و بالا مقامات۔ بالاضافہ اس مقام کے ساتھ نسبت جو آپ کو عطا کیا گیا۔ اذ نو ویت بالرفع یعنی آپ بلند و رفیع اور صاحب منزلت ہیں۔ مثل بلندی۔ المفرد۔ فضائل و کمالات میں منفرد۔

(العلم) المشهور بها فى العالم فكما هو رفيع المنزلة بالنسبة الى من سواه كذلك أنت يا رسول الله رفيع القدر والمنزلة بالنسبة إلى جميع الاخلائق ولا يخفى ما فى هذا البيت من حسن الجمع بين الخفض والاضافة والنداء والرفع والمفرد والعلم .

١١٣

كَيْمَا تَفُوْزَ بِوَصْلٍ أَيِّ مُسْتَتِرٍ
عَنِ الْعُيُوْنِ وَسِرٍّ اَيِّ مُكْتَتَمِ

(كيما تفوز) تظفر، علة للرفع (بوصل) بالله تعالى (اى مستتر) كامل فى الاستتار بحيث لا يطلع عليه أحد (عن العيون) الأبصار (و) تفوز ب (سر اى مكتتم) كامل فى الاكتتام والاستتار، إذا ظفرت بما ذكر .

١١٤

فَحُزْتَ كُلَّ فِخَارٍ غَيْرَ مُشْتَرَكٍ
وَجُزْتَ كُلَّ مَقَامٍ غَيْرَ مُزْدَحَمِ

(ف) قد (حزت) بالحاء المهملة والزاء المعجمة اى جمعت (كل فخار) كرجال، كل ما يفتخر به (غير مشترك) فيه اى جمعت كل ما يفتخر به[٢] بحيث لا شركة فيه لغيرك بل لا يطلع عليه غيرك (وجزت) بالجيم والزاء

[١] كذا فى الاصل وفى ب : من .

[٢] لم ترد فى ب .

العلم۔ جس کی وجہ سے سارے جہان میں مشہور ہیں۔ پس جس طرح وہ بلند منزلت کے مالک ہیں۔ جب آپ کی نسبت اپنے سے سوا کسی طرف کی جاتی ہے۔یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ دوسروں کی نسبت قدر بلند شان و منزلت والے ہیں۔ اور اس شعر میں جس خوبی کے ساتھ حفض اضافہ ندا، رفعت مفرد اور نداء کو جمع کیا گیا۔ مخفی نہیں ہے۔

۱۱۳

تاکہ آپ بہرہ ور ہوں ایسے وصال سے جو بہت پوشیدہ ہے
آنکھوں سے اور ایسے راز سے جو نہایت چھپا ہوا ہے

کیما تفوز تو کیسے کامیاب ہوگا۔ رفع کیلئے علت ہے۔ بوصل اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ ای مستتر چھپنے میں کامل یعنی کوئی اس پر اطلاع نہ پاسکے۔ عن العیون۔ آنکھوں سے کامیاب ہوتا ہے۔ سِرّ ای مکتتم یعنی اکتتام اور استتار (چھپنے) میں کامل ہے۔

۱۱۴

پس آپ نے کسی دوسرے کی شرکت کے بغیر ہر لائق فخر چیز حاصل فرمائی
اور آپ کسی دوسرے کے اجتماع کے بغیر ہر مقام سے گذر گئے

ف۔ پس۔ حزت۔ حاء مہملہ اور زاء معجمہ سے ہے یعنی جمع کیا۔ کل فخار رجال کے وزن پر۔ جس چیز پر انسان فخر کر سکے۔ غیر مشترک یعنی وہ تمام صفات جمع کی گئیں جس پر فخر کیا جا سکے۔ جن صفات میں دوسرا کوئی شریک نہیں۔ اور ان صفات سے کوئی بھی شخص باخبر نہیں۔ وجزت جیم اور زاء معجمہ

المعجمة، عبرت (كل مقام غير مزدحم) فيه أى وصلت إلى مقامات عالية خالية عن مزاحمة الغير۔

١١٥

وَجَلَّ مِقْدَارُ مَا وُلِّيْتَ مِنْ رُتَبٍ
وَعَزَّ اِدْرَاكُ مَا اُوْلِيْتَ مِنْ نِعَمٍ

(وجل) عظم (مقدار) قدر (ما وليت) جعلت واليا عليه[1] (من رتب) جمع رتبة كتهم جمع تهمة (وعز) قل بحيث لا يكاد يوجد أو شق على الخلائق (ادراك) بلوغ (ما أوليت) أعطيت من ادراك التمر أى بلغ أو فهم ما أعطيت۔

(من نعم) جمع نعمة يعنى عظم قدر الذى جعلت واليا عليه من المراتب العالية والدرجات المتتالية ويشق[2] على الانبياء والمرسلين والملائكة المقربين الوصول إلى الذى أعطيت من النعم الجسام والالاء العظام۔

١١٦

بُشْرىٰ لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اِنَّ لَنَا
مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مُنْهَدِمِ

(بشرى) خبر يسر فتخصيص المبتدا بالصفة كائنة (لنا معشر) جماعة (الاسلام) نصب على المدح أو على الاختصاص اى مخصوصا بهذه البشرى جماعة

---

[1] لم ترد فى ب۔

[2] كذا فى الاصل وفى ب: شق۔

کے ساتھ عبور کیا۔ کل مقام غیر مزدحم یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مقامات رفیعہ پر کسی مزاحمت کے بغیر فائز اور براجمان ہو گئے۔

۱۱۵

جن رتبوں کے آپ مالک بنائے گئے ان کی مقدار بہت عظمت والی
ہے اور جو نعمتیں آپ کو عطا کی گئیں ان کا سمجھنا مشکل ہے

وجل۔ عظیم ہوا۔ مقدار۔ اندازہ۔ ماولیت۔ اس کے اوپر والی بنایا۔ من رتب۔ رتبہ کی جمع ہے تھو کی طرح جو کہ تھمہ کی جمع ہے۔ وعز۔ یعنی کہیے کہ اس کا حصول مرتب نہیں۔ اور مخلوق کے لیے اس کا پانا مشکل ہے۔ ادراک۔ بلوغ (پہنچنا) کا۔ اولیت۔ نتیجہ کے پانے سے اس کو دیدیا۔ جو بلاغت اور فہم و فراست آپ کو عطا کی گئی تھی۔

من نعم۔ نعمت کی جمع ہے۔ یعنی جن مراتب عالیہ اور درجات تنتالیہ پر آپ پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو والی اور مالک بنایا ہے۔ ان درجات کا حصول انبیاء کرام رسل عظام علیہم السلام اور ملائکہ مقربین کا پہنچنا محال اور ناممکن ہے۔ جن عظیم نعمتوں اور نشانیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازا گیا ہے۔

۱۱۶

اے گروہِ اسلام ہمارے لیے بڑی خوشخبری ہے کہ ہمارے لیے
اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا ایسا ستون ہے جو کبھی گرنے والا نہیں

بشریٰ۔ خوش کن خبر ہے۔ بتدا کو صفت کے خاص کرنا ثابت ہے۔ لنا معشر۔ جماعت۔ الاسلام۔ مدح یا اختصاص پر منصوب ہے۔ یعنی تمام لوگوں

الاسلام من بين الخلائق، ثم بينها بقوله (إن لنا من العناية) من عناية الله تعالى وانعامه (ركناً) جانباً اقوى لايخذل من التجأ[1] اليه، ولاينصر من هو مخذول لديه، وهو الملة الحنيفة السهلة البيضاء (غير منهدم) متغير.

١١٧

لَمَّا دَعَا اللهُ دَاعِيْنَا لِطَاعَتِهِ
بِأَكْرَمِ الرُّسُلِ كُنَّا أَكْرَمَ الأُمَمِ

(لمّا) ظرف بمعنى إذ، يستعمل استعمال الشرط يليه فعل ماض لفظاً أو معنى وعامله جوابه.

(دعا الله داعينا) مفعول دعا، واسكان الياء للضرورة، وقد جاء في السعة أيضاً نحو: أعط القوس باريها[2] (لطاعته) متعلق بداعينا.

(بأكرم الرسل) متعلق دعا بدليل قوله صلى الله عليه وسلم: "انا أكرم الاولين والاخرين على الله ولا فخر"[3] ولأن كل نبي كان في الكمال والتكميل بالغاً إلى حد يبلغنا غيره، ولما كان نبينا صلى الله عليه وسلم في الكمال

---

[1] في الاصل "النجي" وهو خطا والصواب ما اثبت.

[2] والمثل في "مجمع الامثال ١/١٩" و"المستقصى ١/٢٤٧" و"جمهرة الامثال ١/٦٧" و"حسن التوسل إلى صناعة الرسل ص، ٢٠٧

[3] رواه الترمذي عن ابن عباس ٢/٢٠٢، ابواب المناقب، باب ما جاء في فضل النبي صلى الله عليه وسلم، ونقله العلامة علي قاري في شرح الشفا ١/٧٣.

ہیں مسلمان اس خوشخبری کے ساتھ ہیں۔ پھر اس کو اپنے اس قول سے بیان کیا۔
ان لنا من العنایة۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور انعام سے رُکنا۔ مضبوط ترین
کنارہ التجا کو نہیں چھوڑتا۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کرنا چھوڑ دے
اس کی مدد نہیں کرتا۔ اور یہی ملت حنفیہ اور روشن و آسان ہے۔ غیر
منہدم معتبر نہیں ہوتا۔

۱۱۷

جب اللہ تعالےٰ نے اپنی اطاعت کیطرف ہمیں بُلانے والے (محبوب) کو
اکرم الرسل کہہ کر پکارا تو ہم بھی سب امتوں سے اشرف ہوگئے

لما۔ ظرف بمعنیٰ از ہے۔ شرط کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فعل ماضی
کے ساتھ لفظاً یا معناً ہوتا ہے۔ اور اس کا عامل جواب شرط ہوتا ہے۔

دعا اللہ داعینا۔ دعا مفعول ہے یا ضرورت کے تحت ساکن ہے اور
کے اندر بھی اسی طرح آیا۔ جیسا کہ اعط القوس باریھا لطاعتہ داعینا کے
متعلق ہے۔

باکرم الرسل۔ یہ دُعا کے متعلق ہے۔ نبی کریم صلّی علیہ وسلّم کے اس
فرمان کے ساتھ انا اکرم الاولین والآخرین علی اللہ ولا فخر۔ میں اوّلین
و آخرین (تمام مخلوقات) میں اللہ تعالیٰ کے حضور معزز و محترم ہوں اور میں فخراً
نہیں کہتا۔ اور اس لیے بھی کہ ہر نبی کمال و تکمیل میں اس حد تک پہنچا ہے۔ جس
حد تک پہنچنا کسی اور نبی کے لیے ممکن ہو۔ جبکہ ہمارے آقا حضور سید الرسل
صلّی اللہ علیہ وسلّم کمال و تکمیل میں اس مقام پر فائز ہیں۔ جہاں تک کسی اور کا پہنچنا

والتكميل بالغاً إلى حد لم يبلغه غيره ، كان أفضل الانبيا ،وسيد المرسلين صلوات الله عليه وعليهم ،كذلك : (كنا اكرم الامم) لان شرف الأمة بشرف نبيهم .

١١٨

رَاعَتْ قُلُوبَ العِدَى أَنْبَاءُ بِعْثَتِهِ
كَنَبْأَةٍ اَجْفَلَتْ غُفْلاً مِنَ الْغَنَمِ

(رَاعت) افزعت وخوفت من "رعت فلاناً وروعته فارتاع أى أفزعته ففزع (قلوب العدى) بكسر العين ،الأعداء وهو جمع لا نظير له كذا فى الصحاح[١] (انباء) اخبار، جمع نبا وهو الخبر الذى له شان ،كذا فى بعض الشروح (بعثته) كونه مبعوثاً الى الخلق يعنى أفزعت قلوب الأعداء ،المحرومين اخبار تدل على نبوته من الامور الواقعة قبل الولادة وحين الولادة أو ماثبت فى شانه صلى الله عليه وسلم فى التوراة وغيره أو المعجزات الكثيره المتتاليه أو مجرد الخبر الواصل إليهم من كل ناحية أنه[٢] نبى الله ،افزاعاً .

(كنباه) مثل إفزاع صوتٍ قطيعاً (اجفلت) هربت مسرعة بمجرد ذلك الصوت أو كانت عادته الهرب بسرعة لأدنى شئ من "اجفل القوم" هربوا

---

[١] راجع الصحاح ١٨٤٧/٦ تحت المادة "عدى" .

[٢] فى الاصل :أى ،التصويب من ب .

محال اور ناممکن ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضل الانبیاء اور سید الرسل ہیں۔ صلوات اللہ علیہ و علیہم اجمعین۔ اسی طرح۔ کنا اکرم الامم۔ اس لیے کہ امت کی شرافت اور عزت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت اور شرافت سے ہے۔

۱۱۸

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری نے دشمنوں کے دلوں کو خوفزدہ کر دیا
جیسے بے خبر بکریوں کے ریوڑ پر شیر کی گرج کپکپی طاری کر دیتی ہے

راعت۔ ڈرے اور خوف کھائے۔ رعت فلاناً و روعتہٗ فارتاع۔ میں نے فلاں کو ڈرایا۔ میں نے اس کو ڈرایا پس وہ ڈر گیا۔ قلوب الھدیٰ عین کے زیر کے ساتھ۔ یہ جمع ہے۔ اس کی قتال نہیں۔ اسی طرح صحاح میں ہے۔ انباء خبریں نبا کی جمع ہے۔ عظمت اور شان اور شان والی خبر کو کہتے ہیں۔ بعض شروحات میں اسی طرح آیا۔ بعثہٖ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مخلوق کی طرف مبعوث ہونا۔ یعنی محروم دشمنوں کے دل خوف زدہ ہو گئے۔ یہ خبریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے اور ولادت باسعادت کے وقت ظاہر ہونے والے واقعات پر دلالت کرتی ہیں۔ یا وہ عظمت جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے تورات وغیرہ کتب سماویہ میں ثابت ہیں۔ یا اس سے معجزات کثیرہ مراد ہیں۔ یا اس سے مراد صرف وہ خبر (اطلاع) ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نبی ہیں۔ جس سے ہر طرف دشمنوں کے دلوں میں خوف و خطر پیدا ہوا۔

کنباۃ۔ افزاع کی طرح وزن ہے۔ ہیبت ناک آواز (شیر کی آواز کی طرح) اجفلت۔ صرف آواز سن کر گھبرا گئی۔ یا اس کی عادت تیزی سے بھاگنا تھی۔ جیسا کہ

کہا جاتا ہے۔"اجفل القوم" یعنی وہ تیزی سے اس ہیبت ناک آواز کی وجہ سے بھاگے۔ غفلاً یعنی وہ اس آواز کی حقیقت اور نا آشنا تھیں کہ یہ آواز خیر ہے یا کہ شر ہے۔ وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی۔ عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی۔ اور غفل عین معجمہ کے پیش کے ساتھ ہے۔ غافل کی جمع ہے۔ جیسا کہ بزل اور بادل اسی طرح بعض شروح میں آیا۔ اور بعض میں یوں آیا۔ غفل کی جمع کا واحد غافل نہیں آتا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ غفل اسم تفضیل اغفل کی جمع ہو اور عین کو ضرورت کے تحت ساکن کیا گیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ وزن اسم فاعل قیاسی کا نہیں ہے۔ اور نہ اسم فاعل سماعی کا۔ پس درست وہ ہے۔ دوسری بار کہا۔ اور دوسری بار کا کہنا ٹھیک نہیں تو پھر پہلی بات ٹھیک ہے۔

بہر حال اس کا یہ کہنا لا یبعد آخر تک، اس میں قدرے تفصیل ہے۔ غور و تدبیر کریں۔ اور جو توجیح ہم نے ذکر کی۔ اس کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ اجفال لغت میں بھاگنے کو کہتے ہیں نہ کہ بھگانے کو، یہاں تک کہ جو کچھ کہا گیا۔ اس کی طرف محتاج ہیں۔ اور اس کی آخری توجیہ یہ ہے کہ یہاں غفلاً منصوب بحذف باء التعدیہ ہے۔ لیکن اس کا صحیح ہونا سننے پر موقوف ہے۔ اس حال کہ گرجدار اور خوفناک آواز موجود ہو۔

من الغنم۔ یعنی کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف آواز مبارک سے اس قدر خوفزدہ ہو گئے۔ جیسا کہ بکریاں صرف آواز سے ڈر جاتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ایک مہینہ کی مسافت کے برابر مجھے رعب سے نوازا گیا۔"

مسرعين حال كون ذلك[1] القطيع (غُفُلاً) غافلات عن حقيقة ذلك الصوت أنه شر، والفعل بضم العين المعجمة، جمع غافل كبزل وبازل كذا في بعض الشروح، وفي بعضها: أن جمع غافل لم يجي على غفل ولايبعد أن يكون جمع أغفل اسم تفضيل وأسكن العين للضرورة، والحق أن هذا الوزن إن لم يكن قياساً في اسم فاعل ولم يكن مسموعاً فالصواب ما قال الثاني والا فالاول.

واما قوله: ولايبعد .... آه .... ففيه بحث فتدبر! وبما ذكرنا من التوجيه لايرد عليه[2] ان الاجفال في اللغة بمعنى الفرار لا الافرار حتى يحتاج الى ما يقال وغاية التوجيه أن غفلاً منصوب بحذف باء التعدية لكن صحته موقوفة على السما حال كون ذلك القطيع كائناً.

(من الغنم) يعني أن الكفار يفزعون ويبهتون بمجرد خبره صلى الله عليه وسلم كالغنم تفزع من مجرد الصوت كما قال صلى الله عليه وسلم:

نصرت بالرعب مسيرة شهر.[3]

---

[1] سقطت من الاصل والتكملة من ب.

[2] سقطت من الاصل والتكملة من ب.

[3] راجع: صحيح البخاري ۱۲/۲ كتاب الجهاد والسير، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم، نصرت بالرعب مسيرة شهر" والخصائص الكبرى ۱۹۳/۲ وشرح الشفا لعلي القاري ۳۶۵/۱

١١٩

مَا زَالَ يَلْقَاهُمْ فِي كُلِّ مُعْتَرَكٍ
حَتَّى حَكَوْا بِالْقَنَا لَحْماً عَلَى وَضَمِ

(مازال) النبي صلى الله عليه وسلم (يلقاهم) يحاربهم (فى كل معترك) موضع حرب (حتى) غاية يلقاهم (حكوا) شابهو (بالقنا) على الرماح، تناً كعلى جمع قناة، وهو الرمح (لحماً) مفعول حكوا كائناً (على وضم) شئ يوضع عليه اللحم من خشب أو غير يقال له[1] بالفارسية "تناره" يعنى استمر قتال النبي صلى الله عليه وسلم للكفار إلى أن شابهوا كائنين على رماح أهل الاسلام التى هى بمنزلة الوضم للقصاب لحماً كائناً على وضم القصاب فكما أن القصاب حريص دائما لا يفتر على ذبح الحيوانات كذلك اهل الاسلام حريصون على قتلهم لا يفترون ولا يبالون بهم[2] حتى.

١٢٠

وَدُّوا الْفِرَارَ فَكَادُوا يَغْبِطُونَ بِهِ
أَشْلَاءً شَالَتْ مَعَ الْعِقْبَانِ وَالرَّخَمِ

(ودوا) أحبوا أى الكفار الباقون رأوا حال القتل (الفرار) منه صلى الله عليه وسلم (فكادوا) قاربوا لما رأوا انهم لا يجدون عنه صلى الله عليه وسلم محيصاً.

---

[1] سقطت من الاصل والتلكه من ب

[2] وفى ب: لهم.

۱۱۹

آپ ہر معرکہ میں کافروں کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک
کہ دشمن نیزوں کے سبب تختۂ قصاب پر گوشت کے مشابہ ہو گئے

مازال۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ بلقاھم۔ اُن کے خلاف جہاد فرماتے۔ فی کل معترک۔ ہر میدانِ جنگ میں۔ حتی۔ جنگ کے اختتام پر۔ حکوا۔ انہوں نے مشابہت اختیار کی۔ بالقنا۔ نیزوں پر قنا علی کے وزن پر ہے۔ قناۃ اس کی جمع ہے۔ اس سے نیزہ مراد ہے۔ لحما۔ یہ حکوا کا مفعول ہے۔ علیٰ و ضم۔ کوئی چیز جس پر گوشت رکھا جائے۔ لکڑی یا اس کے علاوہ کوئی چیز ہو۔ اس کو فارسی میں قنارہ کہتے ہیں۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل جہاد فرماتے رہے۔ یعنی کفار کا گوشت اہل اسلام کے نیزوں کے لیے ایسا ہو گیا۔ جس طرح قصاب کے تختے پر گوشت ہوتا ہے۔ اور جس طرح قصاب بلا جھجک ہمیشہ جانوروں کو ذبح کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح اہل اسلام بھی بلا تردد کفار (سرکش) اور حملہ آور) پر حملہ آور ہوتے ہیں یہاں تک کہ۔

۱۲۰

دشمنوں نے بھاگنا پسند کیا پس قریب تھا کہ وہ بھاگنے کے سبب
رشک کرتے گوشت کے ٹکڑوں پر جو عقابوں اور مردار خوار چیلوں کے ساتھ بلند ہو رہے تھے

ودوا۔ میدان جہاد میں بچے کچھے کفار نے جب قتل کفار کو دیکھا تو انہوں نے پسند کیا۔ چاہا۔ الفرار۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرار اور بھاگنا۔ فکادوا۔ قریب تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی راستہ

(يغبطون) بكسر العين، يتمنون، والغبطة أن يتمنى مثل حال المغبوط من غير أن يريد بزوالها[1] تقول غبطة بما نال (به) الفرار (اشلاء) أعضاء جمع شلو وهو العضو (شالت) ارتفعت (مع العقبان) جمع عقاب وهو طائر (و) مع.

(الرخم) جمع رخمة كطلبة، طائر أبقع تشبه النسر فى الخلقه يعنى أنهم لغاية جبنهم ومغلوبيهم وخذلانهم وعدم وجدانهم إلى الهرب سبيلاً قاربوا أن يتمنوا أن يحصل لهم حال أعضاء متفرقة على وجه الارض بأن يحسبهم العقبان والرخم جيفاً فتأخذهم كما تأخذها.

والنكتة فى اختيار الغبطة على الحسد ما تقرر من أن الحاسد لايسود[2] ولا يحصل له المقصود، فخافوا أن لو اختاروه لايحصل لهم ما تمنوا، فاختاروا الغبطة رجاء أن يحصل لهم تلك الحال[3] القبيحة غاية القبح مع أنها مطلوبهم ومقصودهم، وأما ما قيل من أنهم تمنوا أن يذهب بهم العقبان فيما بين الاشلاء ليختفوا فيها لإبدالها مخافة أن يعرفوا ففيه تامل.

[1] وعبارة ب: تتمنى مثل حال المغبوط من غير أن تريد زوالها.

[2] وفى الاصل: "يسر"، والتصويب من ب.

[3] سقطت من الاصل والتكملة من ب.

نہیں دیکھا۔ یغبطون۔ عین کے زیر کے ساتھ۔ وہ تمنا کرتے ہیں۔ اور غبطہ یہ ہے۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے چاہنا اس کے زوال کو سوچے بغیر۔ غبطہ کسی چیز کے ملنے پر بولا جاتا ہے۔ بہ فرار۔ اشلاءً اعضاءِ شلو کی جمع ہے اور عضو کو کہتے ہیں۔ شالت۔ بلند ہو گئے۔ مع العقبان۔ عقاب کی جمع ہے اور وہ ایک پرندہ ہے۔ (وَ) ساتھ۔

الرخم۔ رخمة کی جمع ہے طلبة کے وزن پر۔ ایک ابقع پرندہ ہے جو شکل و شباہت میں نسر پرندے جیسا ہے۔ وہ لوگ اپنے بخل مغلوبیت رسوائی اور راہ فرار اختیار نہ کرسکے کی وجہ سے اس جہالت تک پہنچ چکے ہیں۔ کہ وہ تمنا کرتے ہیں کہ ہمیں زمین پر اعضاء متفرقہ نصیب ہوں کہ ہم عقاب اور رخم کی مدا ور کو حاصل کرسکیں۔

اور حسد کے مقابلے میں غبطہ کو اس لیے اختیار کیا۔ کہ حسد کبھی خوش نہیں ہوتا اور نہ اس کو مقصود حاصل ہوتا ہے۔ پس اس بات سے ڈرے کہ اگر ہم اس کو اختیار کریں گے۔ تو ہمیں ہماری تمنا حاصل نہ ہو گی۔ انہوں نے غبطہ (رشک) کو اپنایا۔ یہ اُمید کرتے ہوئے کہ ان کو دہرا اور قبیح حال میسر ہو گا۔ جو ان کا مطلوب اور مقصود ہے۔ اور بہر حال جو کہا گیا کہ انہوں نے تمنا کی کہ عقاب ان کے دو اعضاء کے درمیان سے لے جاتے۔ تا کہ لوگ ان کو نہ پہچان سکیں۔

١٢١

تَمْضِي اللَّيَالِي وَلَا يَدْرُوْنَ عِدَّتَهَا
مَا لَمْ تَكُنْ مِنْ لَيَالِي الْأَشْهُرِ الْحُرُمِ

(تَمْضِي) تذهب (اللَّيَالِي) الليل واحد بمعنى الجمع دواحده ليلة مثل تمر وتمرة، وقد جمع على ليال، فزادوا فيها اليا، على غير قياس، ويقال كان الأصل فيها ليلاة فحذفت، وتصغيرها لييلية كذا في الصحاح[١] (ولا يدرون) يعلمون (عدتها) عدد تلك الليالي لتشتت حالهم وتفرق بالهم وكثرة اشتغالهم من خوف النبي صلى الله عليه وسلم أن يحتاحهم[٢] ويستأصلهم بحيث لا يسكنون، فيها أصلاً مع أنها أوقات الفراغة والاستراحة والسكون والقرار، فكيف يعلمون عدد الأيام مع أنها أوقات الاشتغال۔

(ما) دام (لم تكن) تلك الليالي كائنة (من ليالي الاشهر الحرم) التي كانت القتال فيها منهياً وهي ذو القعدة وذو الحجة والمحرم ورجب ثلاثة سرد وواحدٌ فرد۔

١٢٢

كَأَنَّمَا الدِّيْنُ ضَيْفٌ حَلَّ سَاحَتَهُمْ
بِكُلِّ قَرْمٍ إِلَى لَحْمِ الْعِدَى قَرِمِ

(كانما الدين) دين[٣] الاسلام (ضيف) عظيم كريم حقيق بأن يبذل له كل

---

[١] راجع: الصحاح ٢٠٨٥/٥ تحت المادة "ليل"

[٢] في الاصل "يحتاجهم" والصواب ما اثبت۔

[٣] وفي ب: أي۔

۱۲۱

راتیں گذر رہی ہیں اور دشمن سوائے ان مہینوں کی راتوں
کے جن میں لڑائی حرام ہے شمار کرنا نہیں جانتے

تمضی۔ جاتی ہے۔ اللیالی۔ ایک رات جمع کے معنی ہیں اور اس کا واحد لیلۃ ہے۔ تمر اور تمرۃ کی ہے اور لیال جمع ہے اس میں یا، غیر قیاس زائد ہے۔ اور کہا گیا کہ اس میں اصل لیلاۃ ہے۔ پھر اس کو حذف کیا اور اس کی تصغیر لییلیۃ اسی طرح صحاح میں ہے۔ ولا یدرون۔ جانتے نہیں۔ عدتھا وہ اپنی بدخواہی، تشتت خیالی، اور زیادہ مشغولیت جو ان پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے خوف اور ڈرنے کے نتیجے میں مسلط تھی۔ انہیں سکون اور قرار نصیب نہیں تھا۔ حالانکہ انہیں فراغت اور استراحت سکون و قرار ظاھراً حاصل تھا۔ جب ان کی بدحواسی کا یہ حال ہے۔ تو ان کو اپنے اوقات میں مشغول رہنا اور کام کرنا کیونکر معلوم ہو۔

ما۔ جب تک۔ لم تکن۔ یہ راتیں ہیں۔ من لیالی الاشھر الحرم۔ جن مہینوں میں قتال لڑائی کرنا منع ہے۔ ان مہینوں کے نام یہ ہیں۔ ذوالعقدہ ذوالحجہ محرم رجب ان میں تین مہینے متواتر ہیں۔ اور ایک الگ ہے۔

۱۲۲

گویا کہ دینِ اسلام ایک ایسا مہمان تھا جو اُن کے صحن خانہ میں
ہر ایسے سردار کے ساتھ آیا جو دشمن کے گوشت کا سخت مشتاق تھا

کانما الدین۔ گویا کہ دین اسلام۔ ضیف۔ وہ عظیم اور کریم نعمت ہے اس

ما هو أعز الأشياء وأكرمها وأحسنها وأحبها[1] (حلّ) يحل بضم العين فى المضارع أى نزل وأما حل يحل بالكسر فمعناه وجب، كذا فى الصحاح[2].

(ساحتهم) باحة دار أهل الاسلام وهم متمكنون من[3] كل ما يكرم به الضيف ومكرمون لكل ضيف، نكيف بالعظيم، حال كون ذلك الضيف مصاحباً (بكل قرم) بالتسكين سيد (إلى لحم العدى) الأعداء الذين هم بالاحتياج والإهلاك أحق وأحرى وهم فى هلاكهم وزوالهم راضون أشد الرضاء فبلغوا[4] فى قتلهم واهلاكهم الغاية[5] الاقصى ليحصل ترى هذا الضيف المشتهى إلى لحومهم غاية الاشتهاء.

(قرم) بكسر الراء شديد الشهوة من قرمت إلى اللحم بالكسر اذا اشتهيته صفة للقرم و"إلى" متعلق به وقدم به للاهتمام أو التخصيص، وفى قوله ضيف إشارة إلى انهم يعظمونه ويكرمونه بأقصى ما يمكن على الدوام مثل ما يكرم به الضيف فى أيامه، وقيل المعنى أن الدين ضيف كريم نزل دار الكفار ومن عادتهم إكرام الضيف مقارناً بكل سيد شديد الشهوة إلى لحومهم، وهذا كناية عن سرعة صيرورتهم قتلى كانهم يقتلون أنفسهم تحصيلاً لرضى[6] الضيف.

١٢٣

يَجُرُّ بَحرَ خَمِيسٍ فَوقَ سَابِحَةٍ
تَرمِي بِمَوجٍ مِنَ الأَبطَالِ مُلتَطِمِ

---

[1] وفى ب: أجلها [2] راجع: الصحاح ١٩٠١/٤ تحت المادة "حل"

[3] سقطت من الاصل والتكملة من ب [4] كذا فى ب: فيبلغون قتلهم.

[5] فى الاصل "غاية" بدون حرف التعريف والصواب ثباتها [6] وفى ب: المرضى.

کا حق ہے کہ تمام چیزوں سے عزیز اکرم خوبصورت اور محبوب چیز کو اس پر قربان کر دیا جائے

احل۔ یحل کلمہ عین پر مضارع میں ضم ہے۔ یعنی اترا۔ اور ہر حال حل یحل میں عین کلمہ پر زیر ہو، تو

اس کا وجب (واجب ہوا) ہے۔ اسی طرح صحاح میں مذکور ہے۔

ساحتھم مسلمانوں کے گھر کا آنگن اور صحن ہے۔ اور اہل اسلام اس میں رہائش پذیر ہیں، جہاں وہ ہر مہمان کی عزت کرتے ہیں۔ تو دین اعظم کا کیا مقام ہو گا جب ان کے صحن میں اس حال میں آیا۔ بکل قدم۔ سید سردار صحابہ کرام علیہم الرضوان، الی لحم العدیٰ جن دشمنوں کو واصل جہنم کرنا حق ہے۔ اور دوسری جانب صحابہ کرام علیہم لرضوان ان دشمنوں کی ہلاکت اور زوال پر خوب راضی ہیں۔

قرم: راء کے زیر کے ساتھ۔ سخت شہوت قرمت الی اللحمؑ سے ہے زیر کے ساتھ جب تو اس کو چاہے۔ قرم کی صفت ہے اور الی اس کا متعلق ہے اور اس کا اہتمام یا تخصیص کے لیے آگے کیا گیا ہے۔ اور لفظ ضیف میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مہمانوں کی خوب خاطر تواضع کرتے ہیں۔ جب ان کے پاس آتے ہیں اور بعض لوگوں نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ دینِ اسلام ایک معزز مہمان ہے۔ جو کفار کے گھروں میں آیا ہے اور ان کی عادت مہمان نوازی ہے۔ اب مہمان کی عزت ہر سید صحابی شدید اشتیاق سے چاہتا ہے۔ تاکہ ان کو (کفار کو) گاجر مولیوں کی طرح کاٹ کے رکھ دیا جائے۔ اور ان کا قتل کرنا اس بات کا کنایہ ہے۔ گویا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان ان کو مہمان کی رضا کی خاطر قتل کرتے ہیں۔

۱۲۳

وہ معزز مہمان بہادر لشکر کا دریا لے کر تیز رو گھوڑوں پر سوار

بہادروں کے ساتھ تیروں اور نیزوں کی موجوں سے دشمن سے ٹکراتا ہے

(يجر) أى النبى صلى الله عليه وسلم (بحر خميسٍ) أى خميس كالبحر فى المهابة والكثرة والغلبة، فكما أن البحر المواج يهيب من أراد دخوله فلا يطيقه ولو دخل يغلبه ويغرقه، كذلك جيش النبى صلى الله عليه وسلم يهيب ويدهش مقابليه فلا يطيقون المقابلة، ولو قابلوه صاروا مغلوبين مغرقين تحت كالامواج سمى الجيش خميساً لأنه يكون خمس فرق المقدمة والقلب والميمنة والميسرة والساق، كأنما ذلك الخميس[١].

(فوق سابحةٍ) أفراس حسن الجرى لاتتعب راكبها كأنها تجرى فى الماء حال كون تلك البحر (ترمى) بالتاء الفوقانية، إذ البحر مؤنث سماعى بدليل بحيرة وأما ماقيل من فاعله ضمير راجع إلى البحر أو إلى سابحة على رواية يرمى بالياء ففيه بحث بوجوه فتدبر! أى تلقى.

(بموج) وصف بالموج[٢] فى القهر والغلبة على الملاقى له كائن ذلك الموج (من الابطال) الغالبين على الاعداء فى معركة القتال لغاية شجاعتهم ونهاية مبارزتهم وكمال ثقتهم بالله تعالى.

(ملتطم) ذلك الموج مزدحمٍ مختلطٍ ضارب بعضه بعضاً لشدة اشتياق كل واحد منهم فى السبقة فى قتل الأعداء المعاندين المحرومين المطرودين، وقول

---

[١] وردت فى ب: الجيش.

[٢] فى الاصل: صف كالموج، والتصريب من ب.

بحر یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ بحر خمیس۔ وہ لشکر غلبے ہیبت اور کثرت کے اعتبار سے سمندر کی طرح ہے۔ جس طرح سمندر کے ہیبت ناک موجوں میں کوئی شخص داخل ہونے کی ہمت نہیں رکھتا۔ اور اگر بالفرض کوئی داخل بھی ہوا۔ تو وہ مغلوب اور غرق ہوا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر بھی مقابل کو ہیبت زدہ اور دہشت زدہ بنایا ہے۔ پھر مقابل مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور اگر مقابلے کی ہمت کر کے مقابلہ کریں۔ تو وہ اس لشکر کے قدموں میں مغلوب اور غرق ہو جائیں گے اور لشکر کو خمیس اس لیے کہا کہ اس کے پانچ حصے ہوتے ہیں۔ مقدمہ جو آگے کو رستے جاتا۔ قلب۔ جو لشکر کا دل ہوتا ہے۔ میمنہ۔ جو لشکر کے دائیں ہوتا ہے۔ میسرہ۔ جو بائیں سمت ہوتا ہے۔ ساق۔ جو دستے قلب کے پچھلی سمت ہوتا ہے۔

فوق سابحۃ: ان گھوڑوں کو کہتے ہیں جن کے سوار تھکتے نہیں۔ ان کا سواریوں محسوس کرتا ہے۔ کہ آرام سے سمندر کے پانی میں بہہ رہا ہے۔ تدمی۔ تار فوقانیہ کے ساتھ ہے۔ بحر مونث سماعی ہے۔ اس لیے کہ اس کی تصغیر بحیرۃ ہے۔ اور بہر حال جو کہا گیا کہ اس کا فاعل ضمیر بحر کی طرف راجع ہے۔ یا سابحۃ کی طرف راجع ہے۔ یا بر می کی روایت کے مطابق ہے۔ اس میں کئی وجہ سے بحث ممکن ہے۔ غور فرمائیے۔

بموج، موجوں کی تیزی اور قہر کی صفت ہے۔ کہ ملاقی پر غلبہ اور قہر سے موجیں پیش آتی ہیں۔ من الابطال۔ عظیم بہادری اور سخت لڑائی۔ میدان جہاد میں دشمن پر غالب ہوتے ہیں اس لیے کہ ان کا اللہ تعالیٰ پر پورا اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے۔

ملتطم، موجوں کے آپس کے ٹکراؤ کو کہتے ہیں۔ یعنی صحابہ کرام علیہم الرضوان معاند، محروم اور مردود پر حملہ کرنے میں شدت اشتیاق سے سبقت کرتے ہیں۔ اور بعض شارحین کا

بعض الشارحين: ملتطم كه برهم ميخورند اين ابطال[1] لايخلو عن شئ. ثم بين الابطال بقوله:

١٢٤

مِنْ كُلِّ مُنْتَدِبٍ لِلّٰهِ مُحْتَسِبٍ
يَسْطُو بِمُسْتَأْصِلٍ لِلْكُفْرِ مُصْطَلِمِ

من كل منتدب، بكسر الدال، يقال: ندبه لأمر فانتدب له: دعاه فأجاب ومن قال بفتح الدال فقد سها، اى مجيب لله فى دعوته لقتال المشركين لاحكام أمر الدين واصلاح حال المسلمين بقوله: قاتلوا المشركين[2].

(محتسب) طالب للأجر من الله، مخلص للعمل من شوب الأغراض، متمحض[3] النية لذاته تعالى ابتغاء لمرضاته (يسطوا) أى يصول ذلك المنتدب ويبطش متلبسا (بمستأصل) مقلع (للكفر) من أصله من "استأصله"، قلعه من أصله"، جرد من نفسه مستأصلاً آخر مصاحباً له مبالغة فى استيصاله على ما هو قاعدة التجريد أو مستغنياً بمستأصل، فى الصحاح[4]: الاصطلام، الاستيصال.

١٢٥

حَتّٰى غَدَتْ مِلَّةُ الْإِسْلَامِ وَهِيَ بِهِمْ
مِنْ بَعْدِ غُرْبَتِهَا مَوْصُولَةَ الرَّحِمِ

---

[1] جملة فارسية معناها: ملتطم اى بعضب هؤلاء الأبطال.

[2] سورة التوبة، الاية: ٣٦

[3] فى الاصل، متحض، والصواب ما اثبت

[4] راجع الصحاح ١٩٠٤/٥ تحت المادة "صلم"

قول ہے کہ ملتطم کا معنی ہے۔ بہادروں کا غصہ کیا۔ پھر بہادروں کی وضاحت فرمائی۔

۱۲۴

اُن میں سے ہر ایک اللہ تعالےٰ کی اطاعت کرنے والا اور ثواب کا اُمیدوار ہے
کفر کو جڑ سے اکھیڑنے والے ایسے آلہ سے حملہ کرتا ہے جو کہ ہلاک کرنے والا ہے

من کل منتداب: دال کے زیر کے ساتھ کہا جاتا ہے۔ ندبہ لامر فانتداب لہٗ۔ آپ نے ملایا۔ وہ آیا اور جس نے منتدب کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس نے سہو کیا۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا جواب دے کر قبول کیا۔ تاکہ کفار اور مشرکین کے خلاف جہاد کریں۔ احکام دین کی تشہیر اور اس پر عمل کریں۔ اور مسلمانوں کے حال کو سدھارے اللہ تعالیٰ کے فرمان قاتلوا المشرکین کے ساتھ۔

محتسب، اللہ تعالیٰ سے اجر اور بدلہ طلب کرنے والا۔ مفادات واغراض سے ہٹ کر خالصتاً عمل کرنا۔ اپنی نیت کو محض رضائے الٰہی کے لیے مختص کرنا۔ یسطوا یعنی یہ اطاعت کرنے والا پہنچتا ہے۔ اور تعلبس ہو کر پکڑتا ہے۔ بمستاصل، اکھیڑنے والا۔ للکفر۔ کو اپنے بیخ وبن سے۔ یہ لفظ استاصلہ سے ہے۔ اس کا معنیٰ قلعہ من اصلہ اس نے اس کو جڑ سے اکھیڑ ڈالا۔ یعنی وہ تن تنہا جڑ سے نکالنے والا ہے۔ حالانکہ مقابل کے ساتھی بھی ہیں۔ قاعدہ تجرید کے تحت بیخ کنی اور استیصال کیلئے مبالغہ ہے۔ یا تیر و تلوار اور اسلحہ سے وہ استیصال کے لیے مستغنی ہے۔ مصطلم: اکھیڑنے والے کے لیے تاکید ہے۔ اور صحاح میں الاصطلام کا معنی استیصال ہے۔

۱۲۵

یہاںتک کہ ملتِ اسلامیہ جو کہ حقیقتہً اُنہیں میں تھی

(حتى) غاية يجر (غدت) صارت (ملة الاسلام) الملة والدين والشريعة والإسلام والشرع متحد بالذات مختلف بالاعتبار، فإن ما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم من الله تعالى من حيث أنه يملى ويكتب سمى ملة من "أملت" بمعنى أملت، ومن حيث أنه يطاع له سمى دينا من "دانه" أطاعه ومن حيث انه مشبه بالشريعة، وهي مورد الشاربة سمى شريعة، ومن حيث أنه ينقاد له سمى اسلاماً، ومن حيث أنه اظهره الشارع سمى شرعاً (و) الحال (هي) أي الملة مؤيدة (بهم) اى الخميس أو مفضوة[1] اليهم (من بعد غربتها) اغترابها فيما بين الخلق لقلة ناصرها وظهيرها[2] ومعينها ومروجها كما قال عليه الصلاة والسلام: بدأ الاسلام غريبا و سيعود غريباً فطوبى للغرباء،[3] وهو ظرف لقوله:

(موصولة الرحم) خبر "عدت" اى وصلت قرابتها وحفظت حرمتها وروعيت احوالها حق الرعاية بذلك الخميس الكامل الباذل ماله ونفسه في ترويجها وحتى عدت:-

١٢٦

مَكْفُولَةً أَبَدًا مِنْهُمْ بِخَيْرِ أَبٍ
وَخَيْرِ بَعْلٍ فَلَمْ تَيْتَمْ وَلَمْ تَئِمِ

---

[1] وفي ب: مفتوحة۔

[2] في الاصل "ظهرها" والتصويب من ب ۔

[3] أخرجه مسلم في صحيحه عن ابي هريرة رضي الله عنه ١/٩٠ باب بيان ان الاسلام بدأ غريباً وسيعود غريباً والترمذي ٢/٨٧ ابواب الايمان، باب ما جاء ان الاسلام بدأ غريبا وسيعود غريباً واحمد في مسنده ٢/٣٠٧ وابن ماجه ٢/١٣١٩ في الفتن والدارمي في سننه ٢/٣١١ باب ان الاسلام بدأ غريباً۔

اپنی غریب الوطنی کے بعد اپنے اقارب سے مل گئی

حتی یجر کیلئے غایت اور انتہا ہے۔ غدات۔ ہوگئی۔ ملة الاسلام۔ ملت، دین، شریعت، اسلام شریعت اور اسلام بالذات ایک ہیں۔ اعتبار کے حوالے سے مختلف ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو لے آئے۔ جو لکھا ہوا ہے۔ اس کو ملت کہتے ہیں یہ ملت کا لفظ املات سے ہے۔ اس کا معنی ہے املیت میں نے لکھا اور چونکہ اسکی اطاعت کی جاتی ہے۔ اس لیے اس کو دین کہتے ہیں۔ یہ لفظ دانۂ سے ہے۔ یعنی اس نے اطاعت کی اور اس وجہ سے کہ شریعت کے مشابہ ہے۔ گھاٹ کو بھی شریعت کہتے ہیں۔ اسلام اس لیے کہ وہ ہانکتا ہے اور چونکہ شارع نے اس کو ظاہر کیا۔ اس لیے اس کا نام شرع رکھا۔ (و حال کیلئے ہے۔ ھی۔ یعنی ملت موبدہ۔ بھو یعنی لشکر۔ یا ان کو سپرد۔ من بعد غربتھا۔ اس کا غریب ہونا۔ لوگوں کے درمیان کے مددگار اور ناصر چونکہ کم ہوتے ہیں۔ اس کے معین اور رواج دینے والے بھی کم ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بدأ الاسلام غریباً وسیعود غریباً فطوبی للغرباء: اسلام غربت کی حالت میں شروع ہوا اور غریبوں میں رہے گا۔ اور غریبوں کیلئے خوشخبری ہے۔ اور یہ موصولۃ الرحم کا ظرف ہے۔ اور موصولۃ الرحم "غدت" کی خبر ہے۔ یعنی اس نے اس سے صلہ رحمی کی اس کی عزت کی حفاظت کی اور اس کے اموال کی رعایت کی۔ جس طرح رعایت کرنے کا حق ہے۔ اس لشکر کامل نے اپنا مال اور اپنی جان دین کی ترویج و اشاعت میں قربان کر دی یہاں تک کہ ہوگیا۔

۱۲۶

ملتِ اسلامیہ کفار سے ہمیشہ کے لیے بہترین باپ اور بہترین شوہر کے سبب محفوظ ہوگئی لہٰذا نہ وہ یتیم ہوئی اور نہ بیوہ

(مكفوله) لها (ابداً) دائماً إلى قيام القيامة كفالة صادرة (منه)[1] صلى الله عليه وسلم (بخير أب) بخير من يربيها ويروجها ويراعيها حق الرعاية كالأب المشفق المربي بولده (وخير بعل) زوج وبخير من يحافظها ويراقبها كالزوج المراقب لامرأته يعني أنه صلى الله عليه وسلم كفل[2] بأن يكون لها دهراً بعد دهر وقرناً بعد قرن من يربيها ويروجها ويحافظها ويراقبها لقوله صلى الله عليه وسلم: إن الله تعالى يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها[3] إذا كان كذلك: (فلم تيتم) لم تصر الملة يتيمة بفقدان ناصرها ومعينها بل لاتزال منصورة معانة ظاهرة غالبة "من يتم الولد" بكسر الفوقانية، ييتم بفتحها: إذا مات أبوه وهو صغير[4]-

(ولم تيئم) لم تصر أيماً بعدم وجدان من يحافظها ويراقبها بل دائماً تكون مراقبة محفوظة لقوله صلى الله عليه وسلم: لايزال من امتي أمة قائمة بأمر الله تعالى لايضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتى يأتي امر الله"[5] "من" آمت المرأة تيئم" كباعت تبيع إذا أخلت من زوجها -

١٢٧

هُمُ الْجِبَالُ فَسَلْ عَنْهُمْ مُصَادِمَهُمْ
مَاذَا رَأَى مِنْهُمْ فِي كُلِّ مُصْطَدَمِ

---

[1] كذا في الاصل وفي بعض النسخ "منهم" والضمير للكفار اي من شرورهم واضرارهم واستادهم انظر: عصيدة الشهدة: ١٩٤ وشرح شيخ زاده: ١٩٣ -

[2] كذ في الاصل وفي ب، كبعل -

[3] راجع، سنن ابي داود ١٥٦/٣ والخصائص الكبرى ١٥٢/٢ باب إخباره صلى الله عليه وسلم بمن يجدد الدين على راس كل مائة سنة والدرد المنتثره: ٥٩ -

[4] ومكتوب هنا بهامش الاصل: اليتيم من الناس من لا أب له ومن لا أم له ومن اللآلي من لا نظير له يقال: درة يتيمة.

[5] اخرجه البخاري في صحيحه ١٨٧/٣٠ كتاب المناقب باب حدثني محمد بن المثنى حدثنا معاذ وكتاب الاعتصام بالسنة، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لاتزال طائفة من امتي ظاهرين على الحق، ومسلم في صحيحه ٩٥/١٠ باب نزول عيسىٰ ابن مريم حاكما لشريعة نبينا صلى الله عليه وسلم كتاب الامارة ١٥٢/٦، باب قوله صلى الله عليه وسلم، لا تزال طائفة من امتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خالفهم والترمذي ٣٦/٢ ابواب الفتن، باب ماجاء في الائمة المضلين -

مکفولۃ۔اس کیلئے۔ ابداً۔ ہمیشہ قیامت کے قائم ہونے تک۔اس سے کفایت
اپرورش، صادر ہے۔ منہٗ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بخیراب۔ جس طرح ایک مشفق باپ
والد اپنی اولاد کی تربیب کرتا ہے۔اس طرح دین کی ترویج و اشاعت اور رعایت آپ صلی
اللہ علیہ وسلم نے کی۔ وخیر بعل۔ شوہر۔ جس طرح ایک اچھا شوہر اپنی بیوی کی حفاظت اور خیال
رکھتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی کفالت فرمائی۔ یہاں تک کہ ہر زمانے اور دور
اس کی حفاظت کا بندوبست ہوتا رہا۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زبان مبارک کی
سے "کہ بیشک اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہر صدی کے آخر میں اس امت کے لیے ایک مجدد
بھیجتا ہے۔ جو امت کے لیے دین کی تجدید کرتا ہے۔جب اس طرح ہو۔فلم تیتم۔ اس
طرح ملت اسلام مددگار اور معین کے نہ ہونے کی وجہ یتیم نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ ملت
اسلام ہمیشہ فتح یاب ظاہر و غالب رہتی ہے اور یہ لفظ یتیم الولد (فوقانیہ کے زیر) سے بنا
ہے۔ تیتم زبر کے ساتھ ہے۔وہ جس کا باپ اس کے صغر سنی میں فوت ہوجائے۔

ولم تیتم: محافظ اور نگہبان کے نہ ہونے کی وجہ سے بے سہارا نہیں۔ بلکہ ہمیشہ دین
محفوظ ہے۔اس لیے کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میری امت میں ہمیشہ ایک
گروہ حق پر قائم رہے گا۔ان کو تکلیف دینے والے ضرر سے نہیں بچ سکیں گے اور نہ ان
کے مخالفین۔ یہاں تک کہ ان کے پاس اللہ کا امر (مدد) آن پہنچے۔ تیتم کا لفظ آمت المرأۃ
تیتم: سے ہے۔ باعت تبع کی طرح۔ جب شوہر سے جدا ہوجائے۔

۱۲۷

وہ (لشکری) پہاڑ ہیں ان کے بارے اُن سے ٹکرانے والے سے
پوچھیئے کہ اس نے ہر میدانِ جنگ میں اُن سے کیا دیکھا

(هم) أى الجيس فى العظمة والاستقامة والثبات والتمكن[١] والصلابة والاستحكام

ك (الجبال) التى لا يحركها عن مقارها محرك (فسل) أيها المسترشد لحقيقة الحال،

الحال (عنهم) أى عن قتالهم للكفار وثبات قدمهم واحتياجهم واستيصالهم[٢] مفعول

ثان لسل، والاول (مصادمهم) مواضع حربهم، من صدمه صدماً ضربه بجسده. ثم أشار

إلى بيان كيفية السوال بقوله:

(ماذا) اى شئ أو ما الذى (رأى) كل واحد من المصادم (منهم[٣]) الجيش (فى كل

مصطدم) موضع حربهم ومكان قتالهم لهم، وفى السؤال عن الأمكنة إشعار بان

قتالهم للكفار واستيصالهم لهم بلغ فى الشدة والمهابة مبلغاً أثر فى الجمادات حتى

أنها شاهدة على شناعة حالهم أو أنه لم يبق منهم أحد حتى يسأل عنه.

ثم خص بالذكر بعض المصادم العظيمه المشهورة فقال:

١٢٨

وسل حنيناً وسل بدراً وسل أحداً

فصول حتف لهم ادهى من الوخم

(وسل حنيناً) واد[٤] بين مكة والطائف (وسل بدراً) بئر كانت لرجل يدعى بدراً (وسل

احداً) جبل المدينة ففيها (فصول) أنواع (حتف) موت كانت (لهم) للكفار[٥] (أدهى) أشد

تلك الفصول إصابة (من الوخم) الطاعون والوباء واحد وخمة كطلبة، اعنى بالجبال.

---

[١] وفى ب «التمكين» [٢] وفى ب «استطالهم».

[٣] كذا فى الاصل وفى بعض النسخ «عنهم» [٤] فى الاصل «وادى» صوابه «واد».

[٥] فى الاصل «لكفار» والتصويب من ب.

ھو: ثبات تمکن اور عظمت واستقامت میں وہ لشکر کی طرح ہیں۔ اور استحکام و مضبوطی میں پہاڑوں کی طرح ہیں جن کو کوئی حرکت دینے والا اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا۔ فسل: حقیقت حال آشنائی اور آگاہی حاصل کرنے والے۔ عنھو: یعنی ان کا کفار کو قتل کرنا۔ تدھون کا ثبات، کفار کی محتاجی اور استیصال سل کا مفعول ثانی ہے۔ اور پہلا۔ مصادھو: جنگ کرنے کی جگہیں۔ صد تا صدقاً سے ہے۔ اس کو جسم پر مارا۔ پھر کیفیت سوال کے بیان کرنے کی طرف اشارہ کیا۔

ماذا: کون سی چیز یا کیا شے۔ دای۔ ہر میدان جنگ۔ منھو۔ ان میں سے لشکر۔ فی کل مصطدم: ان سے جنگ اور قتل کرنے کی جگہ۔ مکانوں سے سوال کرنا اس بات کی علامت ہے کہ مسلمانوں کا کفار کو قتل کرنا اور ان کا استیصال کرنا اس قدر شدت اور ہیبت سے تھا۔ کہ اس حال سے جمادات بھی خوفزدہ اور اثر زدہ ہو گئے۔ اور ان کے حال کا شاہد بنے۔ یا سوال کا مفاد یہ ہے۔ کہ ان میں سے کوئی بھی نہ رہا۔ جو ان سے سوال کیا جائے۔ پھر کچھ خاص جنگوں کا ذکر کیا۔ پھر کہا۔

۱۲۸

آپ حنین و بدر اور احد کے معرکوں سے پوچھیں!
یہ کفار کے لیے ہلاکت کے موسم تھے وباءِ علم سے بہت بڑی نزول بلا کے

وسل حنیناً: حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے۔ وسل بدراً: بدر نامی ایک شخص کا وہاں کنواں تھا۔ وسل احداً: مدینہ منورہ کا ایک پہاڑ ہے اور فصول: قسمیں ہیں۔ حتف: موت ہے۔ لھو: کفار کے لیے۔ ادھی: یہ راستے اور گھاٹیاں زیادہ ہیبت اور خطر ہیں۔ من الوخم: طاعون اور وباء سے اس کا واحد وخمۃ ہے۔ طلبۃ ب۔ اس سے پہاڑ

١٢٩

المُضْدِرِى البِيْضِ حُمْراً بَعْدَ مَا وَرَدَتْ
مِنَ العِدَى كُلَّ مُسْوَدٍّ مِنَ اللِّمَمِ

(المصدرى البيض) المخرجي السيوف البيض، جمع أبيض وهو السيف، حال كونها (حمراً) جمع أحمر (بعد ما وردت) بعد ورودها كائناً (من العدى) حال من (كل مسود) ذى سواد كائن (من اللمم) كعنب جمع لمه بالكسر وهو الشعر الذى يجاوز شعمة الأذن، فاذا بلغت المنكبين فهى جمة، والمراد ههنا مطلق الشعر وفى التعبير عن شعرهم بمسعود باللمم[1] إشارة إلى أنهم كانوا شباناً، ولا يخفى ما فى ذكر الألوان من تذبيح الكناية.

١٣٠

وَالْكَاتِبِيْنَ بِسُمْرِ الخَطِّ مَا تَرَكَتْ
أَقْلَامُهُمْ حَرْفَ جِسْمٍ غَيْرَ مُنْعَجِمِ

(و) أعنى (الكاتبين) الطاعنين للمعاندين (بسمر) جمع أسمر أى برماح تنسب إلى (الخط) هو موضع باليمامة تنسب إليه الرماح لأنها تحمل من بلاد الهند فتقوم به (ما تركت أقلامهم) رماحهم المشبهة بأقلام الكاتبين

---

[1] فى الاصل "باللحم" والتصويب من ب.

مراد ہیں۔

۱۲۹

بہادران اسلام چمکتی ہوئی تلواروں کو سرخ حالت میں واپس لانے والے
ہیں اس کے بعد کہ وہ دشمنوں کی سیاہ زلفوں میں داخل ہوتی تھیں۔

المصادری ابیض: صیقل شدہ تلواریں، نیاموں سے نکلی ہوئی ہیں۔ بیض ابیض کی جمع ہے۔ تلوار کو کہتے ہیں۔ اس حال میں کہ تلواریں (حمرا) سرخ ہیں۔ احمر کی جمع حمر ہے۔ بعد ما وردت ان کے وارد ہونے کے بعد من العدا: یہ حال ہے کل مسود سے جس میں کالا پن ہو۔ من اللحم: عنب کی طرح عِۃ کی جمع ہے۔ زیر کے ساتھ۔ ان بالوں کو کہتے ہیں۔ جو کان سے لو سے متجاوز ہوں۔ جب کاندھوں تک بال پہنچ جائیں۔ تو ان کو جمہ کہتے ہیں۔ یہاں مطلق بال مراد ہیں۔ مسود سے بالوں کی طرف اشارہ ہے۔ اور باللحم سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تھے۔ اور یہ بات مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ ان کے ذبح کرنے سے زنگوں کا کنایہ ہے۔

۱۳۰

اور بہادرانِ اسلام خط شہر کے گندم گوں نیزوں سے لکھنے والے تھے
اُن کی قلموں یعنی نیزوں نے کسی جسم کے حرف کو نقطہ دار کیے بغیر نہیں چھوڑا

د: میں مراد لیتا ہوں۔ الکاتبین۔ طعن و تشنیع اور عناد رکھنے والے۔ سمر۔ اسمر کی جمع ہے یعنی ان نیزوں کے ساتھ جن کی نسبت ہے۔ الخط: یمامہ کا ایک مقام ہے۔ جس کی طرف نیزوں کی نسبت ہے۔ ہند کے شہروں سے حاصل کیے جاتے۔ اس کے ساتھ مضبوط ہوئے۔ ما ترکت اقلامھم: ان کے نیزے قلموں کے مشابہ تھے۔ حرف۔ طرف۔ جسم۔

(حرف)طرف (جسم) الاعداء (غير منعجم) غير ذى نقطه سوداء بالدم بالطعن من "العجم" وهو النقط بالسواد مثل التاء عليها[له] نقطتان، يقال: أعجمت[سه] الحرف والتعجيم مثله، ولايقال: عجمت والجملة حال من ضمير الكاتبين، ولايخفى ولايخفى ما فى البيت من الاستعارة المجردة والمرشحة والإبهام[سه].

١٣١

شَاكِى السِّلَاحِ لَهُمْ سِيمَا تُمَيِّزُهُمْ
وَالْوَرْدُ يَمْتَازُ بِالسِّيمَا مِنَ السَّلَمِ

(شاكى) تام (السلاح) مقلوب شائك، بدل من الكاتبين أوصفة له إذ المعنى على المضى فالاضافة مختصه واما ما قال بعض الشارحين:

"بدل است از المصدرى البيض يا صفت اوست اگر شاكى را براى استمرار دارند واسم فاعل چون براى استمرار باشد عمل نكند"*

فقيه بحث بوجوه: اما أولاً فلان كونه صفة للكاتبين أولى، وأما ثانياً فلأن عبارة تشعر بعدم جواز الحمل على المضى مع أن المعنى عليه، وأما ثالثاً فلأنه لامعنى للحمل على الاستمرار إذ استمرار الصفة للموصوف بعد ارتحاله غير متصور، وأما رابعاً فلأن نفى العمل على الاطلاق عن اسم الفاعل اذا كان للاستمرار غير صحيح، لأنه اذا كان له ففى إضافته اعتباران؛ أحدهما انها مختصة

له فى الاصل "عليه" صوابه "عليها" سه الاصل "اعجت" والتصويب من ب سه فى الاصل "الابهام" وهو تصحيف.

* عبارة فارسية ومعناها بالعربية: بدل من "المصدرى البيض" أوصفة له إذا جعلوا شاكى للاستمرار واذا كان اسم الفاعل للاستمرار لايعمل.

دشمن۔ غیر منعجم یہ لفظ العجم سے بنا ہے۔ اس کا ے نقطے والے کے بغیر جس نیزے پر خون کا کالا نقطہ ہوتا ہے۔ وہ کالا نقطہ ہوتا ہے تا د کی طرح اس کے اوپر نقطے ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ اعجمت الحرف والتعجیم مثلہٗ۔ اور یوں نہیں کہا جاتا۔ عجمت۔ یہ جملہ کاتبین کے ضمیر سے حال ہے اور بیت میں جو استعارہ مجردہ استعارہ مرشحہ اور ابہام ہے وہ مخفی نہیں ہے۔

۱۳۱

وہ بہادر پوری طرح ہتھیاروں سے مسلح تھے ان کی ایک نشانی تھی جو دوسروں سے انہیں ممتاز کرتی جسطرح گلاب کا پھول خار دار درختوں میں ممتاز ہوتا ہے

شاکی۔ تامی مکمل۔ السلاح۔ اسلحہ سے پس یا کاتبین سے بدل ہے۔ یا اسکی صفت ہے۔ اس وقت معنی ان کے گزرنے کا ہے یعنی اس انداز سے گزرتے اسوقت اضافت محض ہے۔ اور بہر حال بعض شارحین نے کہا:-

یہ مصدری البیض سے بدل ہے یا اس کی صفت ہے۔ اگر شاکی کو استمرار کے لیے لیا جائے اور اسم فاعل جب استمرار کیلئے ہو تو عمل نہیں کرتا۔

اس میں بحث کی کئی وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ یہ کہ اس کا کاتبین کے لیے صفت ہونا اولی اور بہتر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی کا مضی پر حمل کرنا جائز نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے۔ حمل کے لیے استمرار کا کوئی معنی نہیں ہے اس لیے کہ موصوف کے لیے صفت کا استمرار موصوف کے جانے کے بعد غیر متصور ہوتا ہے اور چوتھی وجہ یہ ہے۔ اسم فاعل سے قطعاً عمل کی نفی کرنا جب استمرار کے لیے ہو غیر صحیح ہے۔ اس لیے کہ جب اس کے لیے استمرار ہو۔ اس کے اضافت میں دو اعتبار ہیں۔

باعتبار معنى المضى فيه وبهذ الاعتبار يقع صفة للمعرفة ولا يعمل وثانيهما انها غير مختصة باعتبار معنى الحال أو الاستقبال وبهذ الاعتبار يقع صفة للنكرة ويعمل فيما أضيف إليه، كذا ذكره صاحب المنهل ناقلا عن شرح الكشاف لليمنى فتدبر!

(لهم سيما) مقصور وقد يجئ ممدودا علامة فى وجوههم من أثر السجود واشراقها بنور الايمان والعمل وصحبة الرسول صلى الله عليه وسلم وفنائهم تحت أمره بخلاف المعاندين الموذين المشبهين بالشوك فى الايذاء وعدم النفع، والجملة حال من الشاكى وجعلها صفة له غير مرضي۔

(تميزهم) تلك العلامة عن أغيارهم، صفة "لسيما" ولذا انث الفعل، وجعله صيغة المخاطب تفكيك للنظم وفى جعلها صفة للشاكى بحذف العائد والتقدير أى تميزهم به أى بسيما، بحث فتدبر!

(و) الحال أن (الورد) جنس، واحده وردة أى شجرة (يمتان بتميز) (بالسيما) من حسن الهيئة والنظارة[1] والطراوة وطيب الرائحة والقبول، (من السلم) بالتحريك شجرة العضاة[2] واحده سلمة۔

١٣٢

تُهدِى إِلَيكَ رِيَاحُ النَّصرِ نَشْرَهُمُ
فَتَحسِبُ الزَّهرَ فِي الأَكمَامِ كُلَّ كَمِي

---

[1] كذا فى الاصل وفى ب: النضارة۔

[2] فى الاصل "العصاة" وهو التصحيف۔

ایک یہ کہ اسم فاعل معنی مضیٰ کے لیے مختص ہو۔ اور اس اعتبار سے معرفہ کیلئے صفت ہے اور عمل نہیں کرتا۔ اور دوسرا یہ کہ حال اور مستقبل کے معنی کے اعتبار سے مختص نہیں ہے اور اس اعتبار سے نکرہ کی صفت واقع ہوگا۔ اور اپنے مضاف الیہ میں عمل بھی کریگا اسی طرح صاحب المفصل نے ذکر کیا۔ شرح کشاف یمنی سے نقل کیا۔ غور فرمائیے۔

لھم سیما۔ مقصود ہے اور کبھی محدود بھی استعمال ہوتا ہے ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان ہیں اور ان کے مبارک چہروں کی چمک دمک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت آپ پر فنائیت اور نور ایمان و عمل سے ہے۔ بخلاف معاندین کے کہ وہ کانٹے کی طرح چبھ کر ایذاء اور تکلیف دیتے ہیں اور نفع نہیں دیتے اور جملہ شاکی سے حال ہے اور اس کا صفت بنایا ناپسند۔

تمیز ھم۔ ان کے اغیار سے یہ علامت۔ صفتۃ لسیما۔ اس لیے فعل کو مؤنث کیا۔ اور اس کو مخاطب کا صیغہ بنایا۔ نظم کی تعلیک ہے اور اس کے بنانے میں شاکی کے لیے صفت ہے۔ ضمیر لوٹنے اور اس کے اندر مقدر ماننے کی صورت میں۔ یعنی ان کو ممیز کیا۔ اس میں بحث ہے غور فرمائیے۔

(د) حالیہ ہے۔ حال یہ کہ ان (الورد) جنس ہے اس کا واحد وردۃ ہے۔ یعنی شجرہ بمتاز ممتاز ہوتا ہے۔ یا السیما۔ خوبصورت نظارہ۔ تروتازگی، خوشبو اور قبول۔ من السلم۔ حرکت کے ساتھ عضاۃ کا درخت ہے اور اس کا واحد سلمہ ہے۔

۱۳۲

مدد کی ہوائیں تمہاری طرف ان کی خوشبو کا ہدیہ بھیجتی ہیں
پس آپ ہر زرہ پوش بہادر کو شگوفوں میں پھول گمان کریں گے

(تهدى) ترسل هدية (إليك) أيها المستمع لأخبارهم عند حضورهم فى معركة القتال. (رياح النصر) فاعل تهدى أى الرياح التى بها ينصر الله تعالى اهل الاسلام والمراد بارسالها سرعة انتشار خبر ظفرهم وغلبتهم و بطشهم على الاعداء فيما بين الخلق كأنها مرت به فيما بينهم۔

(نشرهم) رائحتهم الطيبة من الثبات والتمكين والثقة بالله تعالى وكمال اليقين عند المحاربة للمعاندين الضالين المقهورين۔

(فتحسب) بسبب انتشار رائحتهم الطيبة، (الزهر) النور كائنا (فى الاكمام) جمع كم بالكسر وهو وعاء[1] الطلع وغطاء النور، مفعول ثان قدم للضرورة على الاول وهو۔

(كل كمى) والكمى الشجاع المتكمى أى المتغطى فى سلاحه لأنه كمى نفسه أى سترها بالدرع والبيضة، والجمع الكماة من كمى فلان شهادة يكميها اذا كتمها[2] يعنى تحسب أنت كل شجاع فى سلاحه النور فى أكمامه فكما أن النور فيها يكون فى غاية الصفاء والبهاء ونهاية الحسن والضياء لايمكن ان يشم منه رائحة كريهة كذلك الجيش فى سلاحه يكون فى غاية الحسن والبهجة والبهاء ونهاية الطراوة والنضارة والضياء وكمال الثبات والاستقامة و التمكين وحسن اليقين لدى المحاربة لايتصور أن يسمع منهم خبر غير مرضى من الهزيمة والقلق والاضطراب۔

[1] فى الاصل "دعاء" وهو التحريف والتصويب من "ب"

[2] فى الاصل "كهتما" والصواب ما اثبت۔

تهدای۔ تحفہ بھیجتا ہے۔ الیك۔ میدانِ جنگ میں ان کی موجودگی میں انکی خبر کا اسے سننے والے۔ ریاح النصر۔ یا تو تہدی کا فاعل ہے۔ یا ان ہواؤں (ریاح) کا جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کی مدد فرمائی۔ ہوا کے بھیجنے سے مراد یہ ہے۔ تاکہ مسلمانوں کی کامیابی کی خبر جلد پھیل جائے۔ ان کا غلبہ اور کفار کو پکڑنا تمام لوگوں میں مشہور ہو جائے۔ گویا کہ ہوا ان کے درمیان سے گزر کر آئی ہے۔

نشرھم۔ جنگ کے دوران گمراہ اور مقہور دشمنوں کے خلاف کمال کا یقین اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ پر ایمان اور پختہ ایقان کی خوشبو۔

فتحسب۔ خوشبو پھیلنے کی وجہ سے۔ الزھر۔ روشنی جو ثابت ہے۔ فی الاکمام۔ کم کی جمع ہے۔ زیر کے ساتھ اور یہ کھلنے والا شگوفہ ہے اور نور کے ڈھانپنے کی جگہ ہے مفعول ثانی ہے ضرورت کے تحت اوّل پر مقدم کیا گیا۔

کل کمی۔ اسلحے میں پوشیدہ تھے۔ یا زرہ پوش تھے۔ زرہ اور ڈھال سے اپنے آپ کو چھپایا تھا۔ اور اس کی جمع کماۃ ہے۔ اور یہ لفظ کمی فلاں شھادۃ یکمیھا اذا کتمھا۔ سے اخذ ہے۔ یعنی تو دیکھ کر گمان کرے گا۔ کہ ہر بہادر اپنے اسلحہ نور میں یوں لگتا ہے جیسا کہ نور اور اجالا غایت درد رم، صفائی میں ہو۔ نہایت حسن اور روشنی میں ہو۔ ممکن ہی نہیں کہ ان سے بدبو محسوس ہو۔ اس لیے کہ اس لشکر میں حد درجہ حسن، ہمت، نہایت تر و تازگی، سبزی روشنی حد درجہ ثبات، استقامت، رعب و دبدبہ اور جنگ کے دوران حسن یقین ہے ممکن اور متصور ہی نہیں کہ ان سے ہزیمت، قلق اور اضطراب کی خبر سننے میں آئے۔

❁

١٣٣

كَأَنَّهُمْ فِى ظُهُوْرِ الْخَيْلِ نَبْتُ رُبًا
مِنْ شِدَّةِ الْحَزْمِ لَا مِنْ شِدَّةِ الْحُزُمِ

(كأنهم) اى شاكى السلاح كائنين (فى) على (ظهور الخيل نبت) نبات (ربا) جمع ربوة بحركات الفاء، وهو ما ارتفع من الارض، فكما أن نبات الربوة يكون أشدو أقوى ضارباً عروقه الى نجوم الارض لايزعجها ريح كذلك هم يكونون على ظهورها ذوى[1] قوة وفطانة لايزعجهم شئ عنها۔

(من شدة) بالكسر قوة (الحزم) كفلس، الضبط والاحتياط وكمال العقل والمهارة فى الفراسة (لامن شدة الحزم) كعنق جمع حزام، يقال له فى[2] الفارسية "تنك" يعنى أنهم مشبهون به من كمال الثبات لامن قوة الحزام۔ ثم أنه لما وصف الجيش بناية الشجاعة والثبات أشار الى وصف العدو بنهاية الجبن والهزيمة بقوله:

١٣٤

طَارَتْ قُلُوْبُ الْعِدَىٰ مِنْ بَأْسِهِمْ فَرَقًا
فَمَا تُفَرِّقُ بَيْنَ الْبَهْمِ وَالْبُهَمِ

(طارت) اضطربت وخافت (قلوب العدى من بأسهم[3]) شدة شاكى السلاح وغلبتهم (فرقا) بالتحريك خوفاً، تقول "فرقت منك" بالكسر ولاتقول "فرقتك" كذا فى الصحاح[4] (فما تفرق) قلوبهم لغاية الاضطراب والقلق والدهشة الحاصلة لهم من مبارزى

---

[1] فى الاصل: ذى، والتصويب من ب [2] وفى ب: بالفارسية۔

[3] وفى بعض النسخ "من خوفهم" اى من الخوف منهم، انظر شرح شيخ زاده بهامش عصيدة۔

[4] راجع: الصحاح ١٥٤٩/٤ تحت المادة "فرق"۔

۱۳۳

گویا کہ مجاہدین گھوڑوں کی پشتوں پر ٹیلے پر اُگی ہوئی گھاس کی طرح جمے بیٹھے

ہیں فن سواری میں طاق ہونے کی وجہ سے نہ کہ تنگ خوب گسے ہونے کے سبب

کا نتھ۔ گویا کہ وہ ہتھیار بند تھے۔ نی۔ ظهور الخیل نبت۔ پودے۔ دبا۔ دبوۃ کی جمع ہے۔ حرکت فا کے ساتھ۔ بلند سطح زمین کو کہتے ہیں۔ جس طرح بلند سطح زمین کے پودے اور درخت مضبوط اور شدید ہوتے ہیں۔ ان کو زمین کے ستاروں سے تشبیہہ دی کہ ان کو ہوا نہیں اکھیڑ سکتی۔ وہ سوار گھوڑوں کی پیٹھوں پر مضبوط ہیں۔ ان کو دنیا کی کوئی طاقت ہٹا نہیں سکتی۔

من شداۃ۔ زبر کے ساتھ قوت۔ الحزم۔ فلس کی طرح ضبط و احتیاط کمال عقل اور فراست میں مہارت۔ لا من شداۃ الحزم۔ عنق کی طرح۔ حزام کی جمع فارسی میں کہا جاتا ہے تنگ۔ یعنی وہ سوار کمال ثبات میں ان پودوں کے مشابہہ ہیں نہ کہ قوت حزام سے۔

پھر لشکر کو حد درجہ شجاعت اور ثابت قدمی سے موصوف کیا۔ اور دشمن کی صفت کی طرف بزدلی اور ہزیمت سے اشارہ کیا۔

۱۳۴

مجاہدین کی سختی کے خوف سے دشمنوں کے دل اُڑ گئے

پس وہ بکری کے بچے اور بہادر مردوں کے درمیان فرق نہیں کر سکتے تھے

طارت۔ مضطرب ہو گئے، ڈر گئے۔ قلوب العدیٰ من یأسھم۔ مضبوط ہتھیار بندی اور ان کے غلبے کی وجہ سے۔ فرقا۔ خوف سے حرکت دینے کی وجہ سے تو کہتا ہے۔ فرقت منك۔ زبر کے ساتھ۔ یوں نہیں کہتا۔ فرقتك۔ اسی طرح صحاح میں ہے۔ مخافتی۔ دشمنوں

الاسلام بحيث يحسبون كل صيحة عليهم، هم العدو۔

(بين البهم) بفتح البار وسكون الهار، جمع بهمة وهی أولاد الضأن، و البهم كعنق جمع بهمة بالضم، وهو الشجاع يعنی أنهم لغاية جبنهم يفرون من كل[1] صغير و كبير و حقير و وقير ولا يلاحظون أنه ممن[2] يفر منه أو لا ويحتمل أن يكون تفرق صيغة الخطاب يعنی لا تفرق أنت أيها المخاطب بين اولاد الضأن و بين شجعان الكفار لانفرارهم كانفرارها.

١٣٥

وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُوْلِ اللهِ نُصْرَتُهُ
اِنْ تَلْقَهُ الْاُسْدُ فِیْ آجَامِهَا تَجِمِ

(ومن تكن برسول الله) صلی الله عليه وسلم أی باستعانته (نصرته) كونه منصوراً (ان تلقه) تحاربه[3] (الاسد) التی فی غاية الشجاعة بحيث لا مزيد عليه كقفل جمع أسد كائنة (فی آجامها) كالام جمع أجم ككتب، جمع إجام ككتاب أجم كجبل وهو جنس العرين والغيل وهو موضع الأسد الذی يألفه، يقال له بالفارسية "بيشه" (تجم) تخاف منه تلك الاسد أشد الخوف وتهرب مع أنها فی مواضع يكون أشد غضباً وقهراً منها فی غيرها۔

---

[1] سقطت من الاصل والتكمله من ب۔

[2] لم ترد فی ب۔

[3] لم ترد فی ب۔

کے دلوں میں غایت اضطراب، قلق، دہشت تھی۔ جب اسلام کے خلاف لڑ رہے تھے لگتا تھا ہر مصیبت ان کے اوپر ہے۔

بین البھم۔ باء کے زبر اور ھاء کے سکون کے ساتھ ہے۔ بھمۃ کی جمع ہے۔ اور بھیڑ کی اولاد کو کہتے ہیں۔ والبھم۔ عنق کے وزن پر ہے۔ بھمۃ کی جمع ہے پیش کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی شجاع اور بہادر ہے۔ یعنی دشمن بہت زیادہ بزدلی کی وجہ سے ہر چھوٹے بڑے اور حقیر و دقیر سے بھاگ رہا ہے اور یہ نہیں دیکھ رہا کہ ان کے پیچھے بھاگ رہا ہے یا نہیں۔ ممکن ہے کہ تفرق مخاطب کا صیغہ ہو۔ لا تفرق کے معنی ہیں یعنی اے مخاطب تو کفار کے بہادروں اور بھیڑ کے بچوں میں فرق نہیں کرے گا۔ اس لیے ان کے شجاع بھیڑ کے بچوں کی طرح بھاگ رہے ہیں۔

۱۳۵

اور جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نصیب ہو
اگر اُسکے سامنے جنگل کے شیر بھی آجائیں تو وہ خاموش ہو جاتے ہیں۔

ومن تکن برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آپ کی مدد و استعانت سے۔ نصرتہ، اس کا متصور ہونا۔ ان تلقہ۔ اگر تو ان سے لڑے۔ الاسد۔ یعنی حد درجہ شجاعت جس پر زیادتی نہیں۔ قفل کی طرح اسد کی جمع ہے۔ موجود ہیں۔ فی آجامھا۔ آلام کی طرح اجم کی جمع ہے۔ کتب کی طرح۔ جمیع آجام کتاب کی طرح ہے۔ اجم جبل کی طرح ہے۔ وہ جگہ جہاں شیر رہتا ہے۔ فارسی میں اس کو بیشہ کہتے ہیں۔ تجم۔ ان سے وہ شیر بھی ڈرتے اور بھاگتے ہیں جو باوجود اس کے کہ وہ ایسی جگہوں میں ہیں۔ غضب اور قہر کے لحاظ سے شدید ہیں۔ نسبت دوسری جگہوں کے۔

١٣٦

وَلَنْ تَرَىٰ مِنْ وَلِيٍّ غَيْرَ مُنْتَصِرٍ
بِهِ وَلَا مِنْ عَدُوٍّ غَيْرَ مُنْقَصِمِ

(ولن) لتاكيد النفى لا لتابيده لقوله تعالى، فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي ۖ[١] اى (ترى) تعلم (من ولى) من اوليائه صلى الله عليه وسلم (غير منتصر به) بل يكون كل محب له منصوراً معاناً معززاً (ولا) ترى (من عدو) مخالف له، كيف وقد قال الله تعالى: ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ[٢] اى ناصر لهم، (غير منقصم) منكسر مهان مخذول فى الدنيا والعقبى، من "قصمت الشئ قصماً" اذا كسرته حتى تبين۔

١٣٧

اَحَلَّ اُمَّتَهُ فِي حِرْزِ مِلَّتِهِ
كَاللَّيْثِ حَلَّ مَعَ الْاَشْبَالِ فِي اَجَمِ

(احل) اُنزل صلى الله عليه وسلم (امته) اى اُمة الاجابة (فى حرز ملته) والحرز بكسر الحاء المهملة وسكون الراء: الموضع الحصين اى فى الموضع الحصين الذى هو ملته (كالليث) إحلالاً مثل احلال الليث (حل) نزل (مع الاشبال) جمع شبل كحبر وهو ولد الأسد۔

---

[١] سورة يوسف، الاية: ٨٠

[٢] سورة محمد، الاية: ١١

۱۳۶

اور ہرگز آپ کوئی دوست نہیں دیکھیں گے جس کو آپ کی مدد نہ ملی ہو اور

نہ ہی کوئی دشمن جس نے شکست نہ کھائی ہو۔

ولن۔ تاکید نفی کیلئے ہے۔ جو کہ تائید کیلئے اللہ تعالیٰ کے اس زمان مبارک کی وجہ سے فلن ابرح الارض حتی یاذن لی ابی۔ میں یہاں سے نہ ٹلوں گا۔ یہاں تک کہ میرے باپ مجھے اجازت دیدیں۔ تری۔ تو جانتا ہے۔ من ولی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام۔ غیر منتصر۔ بلکہ ہر محب آپ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم کیلئے منصور، امداد کرنے والا اور عزت و تکریم کرنے والا ہے۔ ولا۔ تو دیکھتا ہے۔ من عداد۔ آپ کا مخالف۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ذلك بان الله مولی الذین آمنوا وان الکافرین لا مولی لهم۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مولی ہے۔ اور کفار کا کوئی مولی نہیں۔ یعنی ان کا کوئی مددگار نہیں۔ غیر منقصم۔ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ذلیل و رسوا دنیا میں اور آخرت میں بھی یہ قصمت الشئی قصماً سے بنا ہے۔ جب اس کو توڑا۔ یہاں تک کہ واضح ہوا۔

۱۳۷

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اپنے دین کے قلعہ میں اُتارا

جیسے شیر اپنے بچوں کے ساتھ (جنگل) میں اپنی رہائش گاہ میں اُترا

احل۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتاری۔ امته۔ امت اجازت۔ فی حرز ملته۔ حرز میں حا کے نیچے زیر ہے۔ اور را پر سکون ہے۔ قلعے کی جگہ یعنی قلعے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔ کاللیث۔ شیر کے اترنے کی طرح اترنا۔ حل۔ اترنا۔ مع الاشبال۔ شبل کی جمع ہے۔ جبر کی طرح شیر کا بچہ مراد ہے۔

(فى اجم[1]) بفتحين، الغيل يعنى كما أنه لا يمكن أن يتعرض أحد لولد الأسد فى أجمه بل كل من تعرض صار مغلوباً مقتولاً كذلك كل من استقام على جادة الشريعة لا يمكن أن يتعرض[2] له ويوذيه أحد فهو آمن من الغوائل والحوادث والفتن۔

١٣٨

كَمْ جَدَلَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ مِنْ جَدِلٍ
فِيهِ وَكَمْ خَصَمَ الْبُرْهَانُ مِنْ خَصِمٍ

(كم) خبرية أو استفهامية وقعت مفعول (جدلت) رمت على الارض، (كلمات الله) أى القرآن بإعجازه (من جدل) بكسر الدال أى شديد الخصومة تميزكم۔

قال الشيخ الرضى[3] عند شرح قوله فكم الاستفهامية: "إذا وقع الفصل بين كم الخبرية ومميز بفعل متعد وجب الاتيان بمن لئلا يلتبس المميز بمفعول ذلك الفعل نحو قوله تعالى: كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ[4] وحال "كم" الاستفهامية مع الفصل كحال الخبرية، وأما قوله عند قوله: ويدخل من فيهما أما فى الخبرية فكثير نحو: وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي[5] السَّمٰوَاتِ[6] وَكَمْ مِنْ قَرْيَةٍ[7] وأما مميز "كم" الاستفهامية فلم أعثر عليه مجروراً بمن فى نظم ولا نثر ولا دل على جوازه[8] كتاب من كتب النحو بإنما هو عند عدم الفصل لا مطلقاً۔

فقوله تعالى: سَلْ بَنِيْ إِسْرَائِيلَ كَمْ اٰتَيْنَاهُمْ مِنْ اٰيَةٍ بَيِّنَةٍ[9] ليس حجة عليه[8] كما

---

[1] فى الأصل "الاجم" والتصويب من "ب" وكذا فى النسخ الأخرى للبردة بنون حرف التحريف۔

[2] سقطت من الأصل والتكمله من ب [3] راجع: شرح الكافيه للرضى الاسترآبادى: ١٨٢

[4] سورة الدخان، الآية: ٢٥ [5] سقطت من الاصل۔

[6] سورة النجم، الاية: ٢٦ [7] سورة الاعراف، الاية: ٢

[8] فى الاصل "عليه" والتكملة من شرح الكافية۔ [9] سورة البقره، الاية: ٢١١

فی اجم۔ دو زبروں کے ساتھ ۔بیشہ ہیں۔جس طرح کسی کے لیے ممکن نہیں۔کہ وہ شیر کے بچے کا مقابلہ گھپا ہیں کرے۔بلکہ جو بھی مقابلہ کرے گا۔مغلوب اور مقتول کیا جائے گا۔اسی طرح جو شخص جادۂ شریعت پر قائم رہا۔ممکن ہی نہیں کہ کوئی اس کے مقابلے میں یا اذیت دینے کیلئے آئے وہ شخص جس کا حوادث، فتنوں، شیطانوں پر ایمان ہو۔

۱۳۸

کتنی ہی بار آپ کے بارے میں جھگڑا کرنے والے کو قرآنِ مجید نے زمین پر چت کیا
اور کتنی ہی بار آپ کے معجزات نے سخت جھگڑالو دشمن کو مغلوب کیا۔

کم۔خبریہ یا استفہامیہ ہے۔یہاں پر مفعول واقع ہے۔ جدالت۔زمین پر پٹخ دیا کلمات اللہ قرآن مجید اپنے اعجاز کے ساتھ۔من جدل۔دال کے زیر کے ساتھ زیادہ دشمنی کی وجہ سے تم سے ممتاز ہے۔

شیخ رضی نے۔اپنی شرح میں اس قول نکم الاستفہامیہ۔کے تحت کہا۔جب کم خبریہ اور اس کے ممیز کے درمیان فعل متعدی کا فاصلہ ہو۔پھر من کا لانا واجب ہوتا ہے۔تاکہ ممیز اس کے مفعول سے ملتبس نہ ہو جائے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔کم ترکو من جنات۔اور کم استفہامیہ کا حال فاصلہ کے ساتھ کم خبریہ کے حال کی طرح ہے شیخ رضی کا قول اس قول کے تحت ویدخل من فیہما۔خبریہ میں کثیر واقع ہوتا ہے جیسا کہ وکم من ملك فی السموات وکم من قریۃ۔بہرحال کم استفہامیہ کا ممیز من کی وجہ سے نہ نظم میں اور نہ نثر میں مجرور ہوتا ہے۔اور نہ اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔کتاب من کتب النحو وہ عدم فصل کے موقع پر ہے نہ کہ مطلق۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان۔سل بنی اسرائیل کم آتنا من آیہ بینۃ اس پر دلیل نہیں

زعم العلامة التفتازاني في "المطول"[1] والجامي في "الضيائية"[2]۔

وقال بعض الشارحين: "من جدل، تميز کم است که فاصل شده است فعل متعدي ميان او وکم، وزيادتی "من" درين مقام واجب است تا ملتبس نشود بمفعول، خواه کم خبری باشد خواه استفهامی، وبر تقدير کم استفهامی شايد که "من جدل" مفعول جدلت باشد وتميز مرة محذوف *

وفيه بحث بوجوه، أما أولاً فلأن زيادة "من" إن كانت ترفع اللبس كما اعترف به الشارح وقال به النحاة، فلا معنى للاحتمال المذكور والا فلا يحصل الرفع مع أن زيادتها لهذا وأما ثانياً فلأنه يلزم منه زيادتها في الايجاب مع انها لا يزاد فيه، وأما ثالثاً فلأنه لا معنى لتخصيص هذا الاحتمال مع أنه غير موجه بكم الاستفهامية وأما رابعاً فلأن اول كلامه يناقض آخره فتدبر!

وكم ههنا منصوب المحل على المفعولية بالفعل المذكور على ما هو القاعدة فيها، و جعله مرفوع المحل على الابتداء، وجدلت خبره ناش عن الغفلة عن قاعدة إعرابها، يعني رمي على الارض بحيث لم ينتهض اصلاً كثيراً من المعاندين المعارضين المخاصمين۔

(فيه) في شانه صلى الله عليه وسلم وكونه نبياً، القرآن البالغ في بلاغته حد الاعجاز بحيث أفحمهم وأسكتهم فعجزوا عن آخرهم عن الإتيان بأقصر سورة مع كونهم

---

[1] انظر: المطول، ٢٣٤، الباب السادس [2] راجع الفوائد الضيائية ٢٢٧۔

* عبارة فارسية وترجمتها: "من جدل" هو مميز كم وقد وقع الفصل بينه وبين كم بفعل متعد وزيادة من في هذا المقام واجبة لئلا يلتبس المميز بالمفعول سواء كانت كم الخبرية او كم الاستفهامية وعلى تقدير كم الاستفهامية يمكن أن يكون "من جدل" مفعول "جدلت" ويكون المميز محذوفاً۔

ہے۔ جس طرح کہ علامہ تفتازانی نے مطول کے اندر گمان کیا ہے۔ اور جامی نے ضیائیہ میں گمان کیا ہے۔

وبعض شارحین نے کہا۔ من جدال کم کی تمیز ہے کہ اس نے فاصلہ کیا ہوا ہے۔ یعنی فعل متعدی نے کم اور اس کے درمیان اور اس مقام پر من کا اضافہ کرنا واجب ہے تاکہ مفعول کے ساتھ ملتبس نہ ہو جائے۔ چاہے کم خبریہ ہو، یا استفہامیہ۔ ممکن ہے اگر کم استفہامیہ ہو۔ تو من جدال جدلت کا مفعول ہو۔ اور تمیز محذوف۔

اس میں کئی وجوہ سے بحث ہے۔ اول یہ کہ من کی زیادتی اگر التباس کو اٹھانے کے لیے ہے جیسا کہ شارح نے اعتراف کیا ہے اور نحویوں نے کہا ہے تو اس احتمال مذکور کا کوئی فائدہ اور معنی نہیں۔ اور اگر بالفرض من کا اضافہ التباس کو اٹھانے کیلئے ہے تو یہاں التباس اٹھتا بھی نہیں ہے اور دوم یہ کہ من کی زیادتی اور اضافے سے ایجاب کو تقویت ملتی ہے باوجود اس کے اس میں اضافہ نہیں ہوتا۔ ثالث یہ کہ اس لیے کہ اس احتمال کو خاص کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے یہ کم استفہامیہ کی طرف موجہ نہیں ہے۔ رابع یہ کہ پہلا کلام دوسرے کلام کی نقیض ہے۔ غور کیجیے۔

اور یہاں پر کم محلاً منصوب پر معفولیت بالفعل ہے جس طرح کہ اس کا قاعدہ ہے اور اس کو مبتدا مد فوع محلاً بنایا۔ "وجدالت" اس کی خبر ہے۔ "قاعدہ اعراب کے مطابق۔ غفلت سے تعبیر ہے۔ یعنی اس نے زمین پر اس طرح پٹخ دیا۔ لڑنے جھگڑنے اور عناد رکھنے والوں میں سے کوئی نہیں بچا۔

فیہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں اور قرآن پاک بلاغت میں حد اعجاز پر فائز ہے۔ بایں طور کہ کفار کے بڑے فصیح و بلیغ خطیب

خطباء بلغاء متهالكين حريصين على المنازعة والمعارضة، وفيه إشارة الى أن الأمة لا يزالون غالبين على المخالفين ما تمسكوا بالقرآن، (وكم) كالأولى (خصم) غلب فى مقام الخصومة (البرهان) أى الحجه وهى الايات، فى الصحاح[1] يقال: خاصمت فلانا فخصمته أخصمه بالكسر ولا يقال بالضم وهو شاذ لادرسا كان من قولك فاعلته ففعلته فان يفعل منه يرد إلى الضم إن لم يكن فيه حرف من حروف الحلق من اى باب كان من الصحيح.

وأما ما كان من المعتل مثل وجدت وبعت ورميت فان جميع ذلك يرد الى الكسر الاذوات الواو فإنها ترد إلى الضم تقول: راضيته فرضوته ارضوه وخاوفنى فخفته اخوفه[2] انتهى ولايخلو[3] عن خزازة[4] فتدبر.

(من خصم) كمن جدل لفظاً ومعنى.

ثم أنه لما ذكر كثيراً من المعجزات الباهرة وأراد الانتقال إلى المقصد[5] الآخر أشار إلى أن تعدادها مما لاحاجة إليه بل يكفى معجزة دالة على نبوة صلى الله عليه وسلم بحيث لايشك فيه من له عقل سليم وطبع مستقيم، العلم والادب وحاصلان فيه على وجه لايوجد فى غيره من الأنبياء والمرسلين فى وقت لايتصور الحصول فيه فى العادة، فقال.

---

[1] راجع، الصحاح ٢٠٣٣/٥ تحت المادة "خصم" [2] انظر، شرح الشافية للرضى: ١٢٢

[3] فى الاصل "يخلوا" والالف زائدة،

[4] فى الاصل جزارة" صوابه، جزازة، والحزازة واحد الحزازات الامور التى تنالم بها القلب.

[5] وفى ب "مقصوده".

قرآن کے مقابلے اور معارضے میں بڑے لالچی اور حریص تھے۔ قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی سورت کا جواب نہ لا سکے۔ اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے۔ کرامت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام جب قرآن پر عمل پیرا ہے۔ مخالفین پر غالب رہے گی۔ دکھو۔ پہلے کی طرح۔ خصم۔ لڑائی کے میدان میں غالب ہوا۔ البرھان۔ دلیل آیات جیسا کہ صحاح میں کہا جاتا ہے۔ خاصمت فلاناً مخصمتہ۔ اخصمہ۔ زیر کے ساتھ ہے نہ کہ پیش کے ساتھ اور یہ شاذ ہے۔ یہاں یہ بات کہ فاعلتہ فعلتہ میں اگر یفعل اسی سے ہے تو پیش کی طرف رد کیا جائے گا۔ اگرچہ اس میں حروف حلقی میں سے کوئی حرف نہ ہو۔ صحیح کے کسی بھی باب سے ہو۔

اور اگر بہر حال مقعل سے ہو۔ جیسا کہ وجلات بعث رمیت یہ تمام کسرے کی طرف رد ہوتے ہیں مگر واو والے الفاظ کسرے کی طرف رد نہیں ہوتے۔ یہ ضم کی طرف لوٹتے ہیں مثلاً راصتہٗ فراضوتہٗ ارضوہ وخاوفنی مخفتہٗ اخومہٗ۔ یہ اضطراب سے خالی نہیں۔

من خصم۔ من جدال کی لفظاً بھی اور معناً بھی۔

پھر جب بہت سے عظیم معجزات ذکر کیے اور پھر اپنے مقصد کی طرف لانے کا ارادہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد اور گنتی کو حاجت نہیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ بھی آپ کی نبوت پر دلالت کیلئے کافی ہے جو کوئی عقل سلیم اور طبع مستقیم کا مالک شک نہیں کر سکتا۔ جس طرح آپ کے معجزے میں علم و ادب کا حصول ہوتا ہے۔ اس طرح کسی اور نبی (علیہ السلام) ور رسول علیہ السلام کے معجزے میں نہیں ہوتا۔ عادتاً اسکا تصور حصولاً محال ہوتا ہے۔

١٣٩

كَفَاكَ بِالْعِلْمِ فِي الْأُمِّيِّ مُعْجِزَةً
فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالتَّأْدِيبِ فِي الْيُتُمِ

(كفاك) أيها الطالب ساطع الآيات واوضع[1] البينات على نبوته صلى الله عليه وسلم (بالعلم) فاعل كفى، ككفى بالله اى كفاك العلم الحاصل، (فى الامى) الذى لا يكتب ولا يقرأ مكتوباً (معجزة) دالة على نبوته (فى) زمان (الجاهلية) ظرف للحاصل المقدر أى فى زمان لايوجد فيه من يكسب[2] منه العلم.

يعنى كفاك معجزة دالة على النبوة العلم الحاصل الواصل إلى حد لم يحصل اليه أحد من الأنبياء والمرسلين والملائكة المقربين كما دل عليه: "علمت علم الاولين والآخرين" فى شخص لايتصور حصوله فى مثله فى العادة فى زمان لايوجد فيه طرق اكتساب العلم أصلاً إذ هو دليل جلى وبرهان قوى على أن ليس ذلك الا بالوحى والمتوقف مخذول معذول عن نور اليقين: ومن لم يجعل الله له نوراً فماله من نور[3].

(و) كفاك (بالتاديب) الحاصل فى الأمى (فى اليتم) كعنق "بى پدر شدن".

يعنى كفاك معجزة كونه متادباً ومؤدباً على وجه لا يتصور فى غيره كما

---

[1] وفى ب: واضح

[2] وفى ب: يكتسب.

[3] سورة النور، الاية: ٤٠ -

اے مخاطب تیرے جاننے کیلئے آپ کا اُمّی ہو کر زمانۂ جاہلیت میں عالم ہونا اور زمانۂ یتیمی میں اعلیٰ ادب سکھانے والا ہونا بطورِ معجزہ کافی ہے۔

کفاک۔ روشن نشانیاں اور واضح دلائل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت پر۔ اے طالب تیرے لیے کافی ہیں۔ بالعلم۔ کفی کا فاعل ہے۔ جیسا کہ کفی باللہ یعنی تمہیں حاصل شدہ علم حاصل ہو۔ فی الامی۔ وہ جو نہ لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ معجزہ۔ آپ کی نبوت پر دلیل فی۔ زمانہ۔ الجاھلیۃ۔ حاصل مقدر کا ظرف ہے، یعنی اس زمانے میں کوئی نہیں پایا جس سے علم حاصل ہو۔

یعنی تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلالت کرنے کیلئے ایک معجزہ ہی کافی ہے جو علم آپ کو حاصل ہے۔ انبیاء مرسلین علیہم السلام اور ملائکہ میں کوئی اس حد تک نہیں پہنچ سکتا جیسا کہ اس بات پر دلیل علمت علم الاولین والآخرین ہیں نے آخرین اور اولین کے علوم جان لیے۔ یہ تمام ایک ایسی ذات میں جمع ہیں کہ اس کی مثل میں عادتاً اس علم کا حصول متصور نہیں ہو سکتا جس زمانے میں علم کے حصول کے ذرائع بالکل ناپید تھے۔ یہ اس بات پر دلیل جلی اور برہان قوی ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم وحی کے ذریعے ہیں اور جو شخص اس میں شک کرتا ہے وہ یقین کے نور سے مخذول و معذول ہے۔ ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور۔ اور جس شخص کیلئے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے۔ اس کیلئے نور نہیں۔

و۔ تجھے کافی ہے۔ بالتادیب۔ امی ہونے میں حاصل ہوا۔ فی الیتم۔ عنق کے وزن پر۔ بغیر والد کے ہونا۔ یعنی تجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ بھی کافی ہے۔ بایں طور پر آپ ایسے ادب سکھائے ہوئے، اور ادب سکھانے والے ہیں۔ جو کسی غیر میں متصور نہیں

يدل عليه: أدبني ربي فأحسن تأديبي[1] في زمان لا يتصور فيه حصول نفس الادب فضلا عن أدب وتأديب بالغ إلى ما لم يصل إليه غير عليه اكمل التحيات وأفضل الصلوات۔

في "المدارك" في سورة العنكبوت في تفسير قوله تعالى: وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ[2] عن مجاهد والشعبي: ما مات النبي صلى الله عليه وسلم حتى قرأ وكتب[3]۔

ثم أنه شرع في مقصده والتجائه إلى حضرة النبي صلى الله عليه وسلم وطلبه العفو من الذنوب بمدحه واشتغاله بذكر مناقبه الجميلة وإظهار مناصبه الجليلة[4] فقال۔

١٤٠

خَدَمْتُهُ بِمَدِيحٍ أَسْتَقِيلُ بِهِ
ذُنُوبَ عُمْرٍ مَضَى فِي الشِّعْرِ وَالْخِدَمِ

(خدمته) صلى الله عليه وسلم من باب نصر (بمديح) مدح (استقيل) اطلب العفو (به) بسبب ذلك المدح (ذنوب عمر[5] مضى) ذهب (في) إنشاء[6] (الشعر) في مدح الملوك والسلاطين، وأبناء الدنيا والمترفين۔

(والخدم) كعنب جمع خدمة اى في خدمة أبناء الدنيا والعمال بالتملق لهم والمجالسة معهم والمداهنة بهم لأجل الحظوظ العاجلة، وقد حذر النبي صلى الله عليه وسلم

---

[1] ذكره العسكري في الأمثال ١/٢١٧ والسيوطي في الدرر المنتثرة: ٥٢، وانظر ايضاً كتاب اللمع، ٣١ وشرح الشفا لعلي القاري، ١/٤٣، وفيض القدير: ١/٢٢٤، وكشف الخفاء ١/٨٠، وشرح المواهب للزرقاني ٤/١٠١، والمقاصد الحسنة للسخاوي (ص ٢٩) والوفا لابن الجوزي ٢/٥٦٤ والنهاية لابن الاثير ١/٢ [2] سوره العنكبوت، الاية: ٤٨

[3] راجع: تفسير مدارك التنزيل ٣/٥٣٤ [4] وردت في ب: الجلية۔

[5] في الاصل: عمري، والصواب ما اثبت [6] وردت في ب: انشاد۔

اس کی دلیل یہ ہے۔ آدبنی ربی فاحسن تادیبی۔ مجھے میرے رب نے ادب سکھایا۔ اور اچھا ادب سکھایا۔ اس زمانے میں جب نفس ادب کا حصول غیر متصور تھا۔ اور پھر وہ ادب جس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کا پہنچنا محال ہو۔ علیہ اکمل التحیات و افضل الصلوات۔

مدارک میں سورہ عنکبوت اس آیت کریمہ کی تفسیر میں آیا۔ ولا تخطہ بیمینک۔ مجاہد اور شعبی سے روایت ہے۔ اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری وصال نہیں فرمایا جب تک آپ نے پڑھا اور لکھا نہیں۔

اس کے بعد ناظم فاہم اپنے مقصد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں التجا کرنے میں شروع ہوئے۔ گناہوں سے معافی چاہتے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کے ساتھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب جمیلہ اور مناصب جلیلہ کے ذکر میں مصروف ہو کر کہا۔

۱۴۰

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کر کے اس ذریعہ سے لغو
شعروں اور اہل دنیا کی نوکریوں میں گذری عمر کے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔

خدمتہ۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ لفظ باب نصر ینصر سے ہے۔ بمدیح۔ تعریف اور مدح۔ استقیل۔ عفو۔ بہ۔ اس تعریف کے سبب۔ ذنوب عمرٍ مضی۔ جو عمر گزری۔ فی۔ بنانے۔ الشعر۔ ملوک و سلاطین اور دنیاوی متکبرین کی تعریف میں۔ والخدم۔ عنب کی طرح۔ خدمتہ کی جمع رہے۔ یعنی دنیاداروں، گورنروں کی خدمت میں ان کے ساتھ گناہ میں شامل رہا۔ چند روزہ منافع دنیوی کے حصول میں نبی کریم صلی اللہ علیہ

عن نفس المجالسة بهم فقال: وإياكم ومجالسته الموتى، قيل: ومن هم قال: الاغنياء، فكيف إذا انضم إليه مايوجب الرضا بأقوالهم وأفعالهم وأحوالهم من قول أو فعل أو حال.

١٤١

إذ قلّدانِي مَا تُخشَى عَوَاقِبُهُ
كَأَنَّنِي بِهِمَا هَدْيٌ مِنَ النَّعَمِ

(اذ) تعليل لكونه مذنبا بالشعر والخدمة (قلدانى) أى جعل الشعر والخدمة قلادة فى عنقى (ماتخشى عواقبه) اواخره من الاقوال والافعال السيئة الحاصلة بسببهما (كاننى) متلبساً (بهما) اى بالشعر والخدمة (هدى) مايهدى الى الحرم (من النعم) واحد الأنعام وهى المال الراعية وأكثر مايقع هذا الاسم على الابل بمعنى[1] أى بملازمة الشعر والخدمة مشابه بالهدى فكما أن قلادته علامته لذبحه ولايشعر به، كذلك هما كانا هلاكى وخسارتى، ولكن ماشعرت بهما بل حسبتهما حسنين بالتسويل.

١٤٢

اَطَعتُ غَيَّ الصِّبَا فِى الحَالَتَينِ وَمَا
حَصَلتُ إلّا عَلَى الآثَامِ وَالنَّدَمِ

(اطعت) امتثلت (غى) ضلال (الصبا) عنفوان الشباب، بالكسر، مقصور من صبا يصبو صبوةً وصبواً اى مال الى الجهل والفتوة[2] وجعله من صبى صباءاً

[1] كذا فى الاصل وفى ب يعنى.

[2] وفى ب: الصبوة.

وسلم نے دنیاداروں کے پاس بیٹھنے سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ فرمایا۔ مُردوں کی مجلس سے بچو۔ عرض کیا گیا۔ مردے کون ہیں۔ فرمایا۔ اغنیاء۔

۱۴۱

اس لیے کہ شاعری اور نوکری نے مجھے ایسے امر کا پٹہ ڈال دیا ہے جس کے نتائج

سے ڈرایا جاتا ہے گویا کہ میں ان دونوں کیوجہ سے قربانی کا جانور ہوں

اذ۔ تعلیل کے لیے ہے۔ اس لیے کہ وہ شعر اور خدمت کی وجہ سے گنہ گار ہے۔ قلدانی۔ یعنی شعر اور خدمت میری گردن کا قلاوہ ہیں۔ ماتخشی عواقبہ۔ وہ بڑے اقوال و افعال جو شعر کہنے اور خدمت کرنے کی وجہ سے نتیجہ خیز ہیں۔ کاننی۔ اقتباس کرنے والا۔ بھما۔ یعنی شعر کہنا اور خدمت کرنا۔ ھدئی۔ حرم کی جگہ من النعم۔ واحد انعام ہے وہ مال جس کی حفاظت کی جائے۔ اور اکثر یہ لفظ اونٹوں کے لیے استعمال ہوتا ہے میں شعر کہنے اور خدمت کرنے میں ہدی کی طرح ہوں جس طرح قلادہ اس کے گلے میں ذبح کرنے کی علامت ہے اور اس جانور کو معلوم بھی نہیں ہوتا، اسی طرح دونوں، اشعرو خدمت، میری ہلاکت اور خسارے کا قلاوہ ہے لیکن میں ان دونوں کو نہیں سمجھتا۔ بلکہ میں نے دونوں کو لٹکاتے ہوئے حسین اور خوبصورت سمجھا۔

۱۴۲

میں نے دونوں حالتوں میں لڑکپن کی گمراہی کی فرمانبرداری کی اور

سوائے گناہوں اور شرمندگی میں (پڑنے) کے کچھ حاصل نہ کیا

اطعت۔ میں نے اطاعت کی۔ غیی۔ گمراہی۔ الصبا۔ عنفوان شباب زیر کے ساتھ صبا یصبو، صبوۃ اور صبوا سے مقصود ہے۔ ای بہالت کی طرف مائل ہوا۔ جرانی۔ صبی صباءً

مثل سمع سماعاً أی لعب مع الصبیان، غیر مرضی فی هذا المقام، یعنی قبلت مایقتضی جهل عنفوان الشباب ویشتهیه، وشعیت فیما یحبه ویهویه وکنت له مطیعاً فی امانیه ومراضیه من[1] طلب المال والمنال والاستقصار، فی استیفاء اللذات والشهوات وملازمة أبناء الدنیا وأهل البدع وأرباب المباهات۔

(فی الحالتین) المذکورتین، وقیل: الصبا ومقابله ظرف "لاطعت" (و) الحال (ما حصلت) علی شئ (الا علی الاثام) أی المعاصی (و) موجب (الندم) ثم أنه تندم و تحسر علی مافاته من نقد عمره فیما هو نتمنی أن یرغب عنه فقال:

١٤٣

فَیَا خَسَارَةَ نَفْسٍ فِی تِجَارَتِهَا
لَمْ تَشْتَرِ الدِّینَ بِالدُّنْیَا وَلَمْ تَسُمِ

(فیا خسارة نفس[2]) تعالی فهذا اوانك (فی تجارتها) التی جاءت فی هذا العالم لأن تربح فیها نماربحت حیث (لم تشتر[3] الدین) کما ینبغی ای الآخرة التی ورد فیها: "ولدار الآخرة خیر[4]" (بالدنیا) التی ورد فیها "اعلموا انما الحیواة الدنیا لعب ولهو وزینة وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد[5]" و"أن الدنیا ملعونة و ملعون ما فیها الا ذکر الله وما والاه[6] عالم أو متعلم[7]"۔

---

[1] کذا فی ب: فی [2] فی الاصل "نفسی" والتصویب من "ب"

[3] فی الاصل: تشتری [4] کلمات قرآنیة فی سورة الاعلی، الایة: ١٧

[5] سورة الحدید، الایة: ٢٠ [6] فی الاصل: ماواه، والتصویب من ب۔

[7] انظر: جامع الترمذی ٢/٥٧، ابواب الزهد وسنن ابن ماجه ٢/١٣٧٧ کتاب الزهد، باب مثل الدنیا۔

سے بھی بنا ہے۔ جیسا کہ سمع سماعًا ہے۔ یعنی بچوں کے ساتھ کھیلا۔ اس مقام میں مرضی کے بغیر یعنی میں نے ہر اس چیز کو قبول کیا۔ عنفوان شباب کی جہالت جس چیز کو چاہتی اور تقاضا کرتی ہے اور میں ہر پسندیدہ چیز اور خواہش کے لیے کوشش کی۔ اور میں اس کی خواہشات اور مرضی کا مطیع رہا۔ یعنی حال منال اور لذات وشہوات کے حصول، دنیاداروں کا قرب فخر ومباہات اور اہل بدعت کی معیت کے کوشاں رہا۔

فی الحالتین۔ مذکورہ دو حالتوں میں اور بعض نے کہا۔ الصبا اور اس کا مقابل ظرف لاطعت ہے۔ د۔ حالیہ ہے۔ ماحصلت۔ کسی شے پر۔ الاعلی الآثام۔ یعنی گناہوں پر۔ د۔ موجب۔ الندام۔ پھر نقد زندگی کے ضائع اور فوت ہونے پر ندامت اور حسرت کا اظہار کرتا ہے۔ تمنا کرتا ہے کہ اس سے نفرت کرتا۔ پھر فرمایا۔

۱۴۳

ہائے افسوس میرے نفس نے اپنی تجارت میں نقصان اٹھایا

اس نے دنیا کے بدلے نہ دین کو خریدا اور خریدنے کا ارادہ کیا۔

نیا خسارہ نفس۔ اے نفس واپس آجا یہی تیرا وقت ہے۔ فی تجادتہا۔ جو تجارت اس دنیا میں رائج ہے۔ اس لیے کہ اس کا نفع نفع نہیں ہے۔ جہاں۔ لم تشتر الدین۔ جیسا کہ چاہیے۔ یعنی آخرت کا نفع جس کے بارے وارد ہوا۔ دلدار الآخرۃ خیر۔ آخرت کا گھر بہتر ہے۔ بالدنیا۔ وہ جس میں واقع ہے۔ دعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد۔ اور جان لو کہ بے شک دنیاوی زندگی لھو ولعب، زینت باہم فخر اور مال واولاد میں کثرت ہے۔ اور بیشک دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے ملعون ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور وہ جو عالم ومتعلم سے محبت کرے۔

(ولم تسم ولم تصر طالباً لشراه بها أيضاً كذلك وهو بانفاقها فی سبيل الله تعالى ومرضاته وبذلها ابتغاء لوجهه وذاته والقناعة والاكتفاء على الضروری منها[1] قال النبی صلى الله عليه وسلم: هلك الاكثرون الا من قال بالمال هكذا وهكذا، ومن اخذ الدنيا فوق ما يكفيه أخذ حتفه وهو لا يشعر[2] والاعتراض عن زينتها والزهد فيها، قال: "من أراد الآخرة ترك زينة الدنيا"، "ازهد فی الدنيا يحبك الله"[3] ويقلع حبها عن القلب اذ حبها يضر الاخرة قال: من أحب دنياه أضر بآخرته ومن أحب آخرته، أضر بدنياه، فآثروا ما يبقى على ما يفنى[4]۔

وبالصبر والرضاء على المرزوق وترك حرص الزيادة، قال: قد أفلح من أسلم، ورزق كفافاً، وقنعه الله بما آتاه[5] وباتخاذها دار رحلة وأنه فيها مسافر يتسافر الى الآخرة ويقول: ما أنا والدنيا الا كراكب، استظل تحت شجرة، ثم راح وتركها[6] قال: كن فی الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل[7]، واذ كان الشری ما ذكر، فخلافه بيع العقبى بالأولى۔

١٤٤

وَمَنْ يَبِعْ آجِلًا مِنْهُ بِعَاجِلِهِ
يَبِنْ لَهُ الْغَبْنُ فِی بَيْعٍ وَفِی سَلَمِ

[1] كذا فی الاصل والاجود أن يقال: والاكتفاء بالضروری۔
[2] راجع: جامع الترمذی ٥٦/٢ فی كتاب الزهد وسنن ابن ماجه ١٣٨٣/٢ فی كتاب الزهد، باب منزلة الفقراء بلفظ "ويل للمكثرين"۔
[3] انظر: سنن ابن ماجه ١٣٧٣/٢ فی كتاب الزهد والمستدرك للحاكم ٣١٣/٤ فی كتاب الرقاق۔
[4] راجع: مشكواة المصابيع ص: ٤٣٩ كتاب الرقاق، وأخرجه صاحب الحلية ١٣٨/١ فی ترجمة عبدالله بن مسعود بلفظ "أراد" مكان "أحب"۔
[5] أخرجه صاحب المشكواة عن عبدالله بن عمر، كتاب الرقاق: ٤٤٠ [6] نفس المرجع: ٤٤٢
[7] راجع: صحيح البخاری ١٧٠/٧ كتاب الرقاق، باب قول النبی صلى الله عليه وسلم: كن فی الدنيا كأنك غريب والترمذی ٥٧/٢ ابواب الزهد، باب ما جاء فی قصر الامل، وبلوغ المرام من أدلة الأحكام: ١٨٦ باب الزهد۔

ولا تسعو۔ اسی طرح اس کے ساتھ بیچنے بھی کا طالب نہ بن اور اس کو فی سبیل اللہ اسی کی مرضی اسی کیلئے خرچ کرنے، اور اس کی رضا کو مدنظر رکھ صرف کرو۔ اور صرف ضرری پر اکتفا اور قناعت چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اکثر لوگ ہلاک ہوئے۔ الا من قال بالمال ھکذا وھکذا ومن اخذ الدنیا فوق ما یکفیہ اخذ حتفہ وھولا یشعر۔ اور دنیاوی زینت سے اعراض اور زہد اختیار کرنے کے بارے فرمایا۔ جس نے آخرت (کی بہتری) کا ارادہ کیا۔ اس نے دنیاوی زینت کو چھوڑ دیا، دنیا میں زہد اختیار کر اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت فرمائے گا۔ اور دنیا کی محبت کو دل سے بیخ اور جڑ سے نکال باہر کرتا ہے۔ اس لیے کہ دنیا کی محبت آخرت کے حصول کیلئے مضر ہے اور فرمایا جس نے دنیا کو پسند کیا اس نے آخرت کو دے کر اور جس نے آخرت کو پسند کیا۔ اس نے دنیا کو ضرر (نقصان) دیا۔ لہٰذا تم باقی کو فانی پر ترجیح دو۔

اور صبر و رضا کو رزق دیئے ہوئے پر ترجیح دو۔ اور اضافہ کے حرص کو چھوڑ دو۔ اور فرمایا، قد افلح من اسلم ورزق کفافاً وقنعہ اللہ بما آتاہ۔ اور دنیا کو سفر کا گھر سمجھے کہ وہ اس میں مسافر ہے اور آخرت کی طرف سفر کرتا ہے۔ اور فرماتے ہیں۔ دنیا اور میں ایک سوار کی طرح ہیں۔ ایک درخت کے نیچے سایہ سے مستفید ہوتا ہے۔ پھر آرام کے بعد اس سائے کو چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اور فرمایا۔ دنیا میں غریب مسافر کی طرح بن جا۔ یا اور جب شری کا یہ حال ہے تو اس کا آخرت کی بیع بہتر ہے۔

۱۴۴

اور وہ شخص جو اپنی آخرت کو دنیا کے بدلے بیچے گا اس کیلئے
نقصان ہی ظاہر ہوگا چاہیے دست بدست سودا ہوا یا پیشگی رقم دے کر

(ومن بيع) نفعاً (آجلاً منه) من الدين يعنى آخرته (بعاجله) بدنياه (بين) يظهر (له الغبن) الخسارة يوم لا ينفع مال ولا بنون لأنه باع العظيم الباقى بالحقير الفانى (فى بيع) نقد الدين بنقد الدنيا۔

(وفى سلم) فى بيع نقد[1] الدين الذى هو ثمن معجل بمقابلة الخسارة الاخروية التى هى مبيع موجل أو بيع نقد الوقت والعمر الذى هو رأس المال بمقابلة ما يسعى فى تحصيله ويتعب لتدبيره[2] من حطام الدنيا وزخارفها۔

يعنى من اختار الدنيا على العقبى وجعلها مبلغ علمه وأكبر همه ومعظم مقاصده وجل معاقده وربيع قلبه واحسن صنعه[3] بحيث ألهاه عن ذكر الله تعالى والتاهب للقائه والسعى لإرضائه بين له الخسارة ويظهر له أنه استبدل الذى هو أدنى بالذى هو خير[4] وأنه ما كان ينبغى ما كان يسعى فيه ويتعب له وعند ذلك يتذكر وانى له الذكرى ويقول: ياليتنا نرد فنعمل غير الذى كنا نعمل، وجملة الامر أن الذى آثر الدنيا خسر بقدر ما آثر، قال الله تعالى: هل ننبئكم بالاخسرين اعمالاً الذين ضل سعيهم فى الحيواة الدنيا وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعاً[5] ويايها الذين آمنوا لاتلهكم اموالكم ولا اولادكم عن ذكر الله ومن يفعل ذالك فاولئك هم الخاسرون[6]۔

---

[1] لم ترد فى ب [2] فى الاصل: تدبيره، والتصويب من ب۔

[3] فى الاصل "صفه" والتصويب من "ب" [4] كلمات قرآنية فى سورة البقرة، الآية ٦١۔

[5] سورة الكهف، الآية ١٠٣، ١٠٤

[6] سورة المنافقون، الآية: ٩۔

ومن بیع۔ نفع۔ اجلاً منکہ۔ دین یعنی آخرت سے۔ بعاجلہ۔ دنیا کے ساتھ۔ یبن۔ ظاہر ہوتا ہے۔ لہ الغبن۔ نقصان اس دن جس دن مال اور اولاد نفع نہ دے سکے۔ اس لیے کہ اس عظیم اور باقی کو فانی اور حقیر کے بدلے بیچ دیا۔ نی بیع۔ نقد دین کو نقد دنیا کے بدلے۔

دنی سلم۔ وہ بیع جس میں نقد قیمت ادا کی جائے۔ بعد کے نقصان کو مد نظر رکھ۔ بیع موجل ہو۔ یعنی خریدی جانے والی چیز بعد میں دی جائے۔ یا نقد وقت اور عمر کو پہنچا جو راس المال ہے۔ اس چیز کے مقابلے میں جس کا حصول بعد از محنت و مشقت ہو یعنی جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔

اور دنیا کو مبلغ علم، بڑا ارادہ، عظم مقصد۔ بڑا کام دل کا بہار اور اچھا کام بایں طور سمجھے کہ اس شخص کو اللہ کے ذکر سے مصروف رکھے۔ اللہ سے ملاقات کرنا کو دور سمجھنے لگے۔ اور اس کو راضی کرنے کی کوشش نہ کرے تو اس شخص کیلئے خسارہ اور گھاٹا لازم ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس نے ادنیٰ کو اعلیٰ اور بہتر سے بدل دیا۔ جو کام اس کے لیے مناسب تھا۔ اس کی کوشش نہیں کی۔ اس کام کو کرتے کرتے تھک گیا۔ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور اس کو یاد ہو جائے گا اور اس کو کیونکر یاد ہو گا۔ اور کہے کاش ہم دنیا میں واپس بھیجے جائیں۔ ان اعمال سے بہتر عمل کریں تو پہلے ہم کر چکے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اس نے اس قدر نقصان اٹھایا۔ جس قدر اس نے ترجیح دی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ تم فرماؤ کیا ہم تمہیں بتا دیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں۔ ان کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم گئی اور اس خیال میں ہے کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں اور اے ایمان والو! نہ تمہاری اولاد کوئی چیز تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور جو ایسا کرے وہی لوگ نقصان میں ہیں۔

ولما كان هذا البيع مستلزماً للسلو، ذكره إشارةً إليه وزيادة فى التفريع ولما ذكر نبذاً من سوء حاله واشتغاله بالدنيا وزخارفها، تسلى بأن له عروة قوية، فقال:

١٧٥

إِنْ آتِ ذَنْباً فَمَا عَهْدِي بِمُنْتَقِضٍ
مِنَ النَّبِيِّ وَلَا حَبْلِي بِمُنْصَرِمِ

(إن آت) أفعل (ذنباً) أتوسل للغفران بعهدى من النبى صلى الله عليه وسلم، ثم أشار إلى وجه كون العهد وسيلة بقوله (فما) الفآء للتعليل كأنه قيل: اذ ليس (عهدى) الذى عهد فى[1] النبى صلى الله عليه وسلم (بمنتقض من) جانب (النبى) صلى الله عليه وسلم (ولاحبلى) أملى (بمنصرم) بمنقطع عن ذلك العهد.

ثم أشار إلى بيان العهد مع بيان وجه عدم الانتقاض بقوله:

١٧٦

فَإِنَّ لِي ذِمَّةً مِنْهُ بِتَسْمِيَتِي
مُحَمَّداً وَهُوَ أَوْفَى الْخَلْقِ بِالذِّمَمِ

(فإن) الفاء للتعليل كأنه قيل: لأن (لى ذمة) عهداً كائناً (منه) صلى الله عليه وسلم (بتسميتى) بسبب كونى مسمى (محمداً) وقد قال صلى الله عليه وسلم: انى شفيع لكل محمد يوم القيامة[2] (و) الحال (هو) صلى الله عليه وسلم (اوفى الخلق بالذمم) العهود، ثم التوسل بالعهد يكون.

---

[1] كذا فى ب، عهد فى.

[2] لم أجده بهذا اللفظ وفى ابن ماجه ١٠٢٣/٢ حديث: قال تعالى: آليت على نفسى أن لا ادخل النار من كان اسمه أحمد او محمد وانظر: دلائل النبوة لأبى نعيم ١٠٨/٢ والسيرة الحلبية ٣٥/١

اور جب یہ مبیع سلم کو لازم ہے۔ اس کا اشارتاً ذکر کیا۔ اور اس کی تفریع میں زیادتی ہے۔ اور جب اس کے برے حال سے ایک حصہ ذکر کیا۔ اور دنیا میں مشغولیت کو ذکر کیا۔ اپنے آپ کو تسلی دی۔ کہ رسی تعلق مضبوط رہے۔

۱۴۵

اگر (بالفرض) میں کوئی گناہ بھی کروں تو میرا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
سے ٹوٹنے والا نہیں اور نہ ہی میری اُمید کی رسّی ٹوٹنے والی ہے

ان آت۔ اگر کروں میں۔ ذنبا۔ (گناہ) میں اپنی بخشش کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ اطاعت کو بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں۔ پھر اشارہ کیا کہ وہ عہد وسیلہ ہے۔ فما۔ فا تعلیل کے لیے ہے۔ گویا کہ کہا گیا۔ اذلیس۔ جبکہ نہیں۔ عھدی۔ میرا وہ وعدہ جو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہے۔ بمنتقض من۔ (ٹوٹنے والا سے) طرف۔ النبی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ولاحبلی۔ میری اُمید۔ بمنصرم۔ اس وعدے سے ٹوٹنے والا۔

پھر اس وعدے کے نہ ٹوٹنے کی وجہ بیان کی اس قول کے ساتھ۔

۱۴۶

کیونکہ میرا نام بھی محمّد رکھا گیا ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ
میں میرے لیے ایک عہد ہے اور آپ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ وعدہ پورا فرمانے والے ہیں

فان۔ فا تعلیل کیلئے ہے۔ گویا کہ کہا گیا۔ لان۔ اس لیے کہ۔ لی ذمۃ۔ وعدہ ثابت ہے۔ منہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بتسمیتی۔ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی۔ محمدا۔ اور تحقیق کیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر تعریف کیے ہوئے کیلئے قیامت کے دن شفیع ہوں۔ و۔ حال یہ کہ۔ ھو۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ادنی الخلق بالذمم۔ امانوں والے۔ پھر وعدے سے توسل ہوگا۔

١٤٧

إِنْ لَمْ يَكُنْ فِي مَعَادِي آخِذاً بِيَدِي
فَضْلاً وَإِلَّا فَقُلْ يَا زَلَّةَ الْقَدَمِ

(ان لم يكن) صلى الله عليه وسلم (فى معادى) بعثى (اخذا بيدى) ناصراً ومعيناً (فضلا) تفضلاً من غير استحقاق بالعهد وغيره (والا) وان كان اخذاً فضلاً (فقل) فضله يكفينى لا حاجة إلى التوسل بالعهد (يازله القدم) يامن تزل قدمك لخوف العصيان.

وقال بعض الشارحين قوله : يحتمل أن يكون بالتنوين بمعنى العهد، معطوف على "فضلا"، وأن يكون بمعنى إن لم يكن تاكيداً للأول لبعد وقوع هذا الغرض منه صلى الله عليه وسلم، والجواب فقل يازلة القدم يعنى إن لم يكن معيناً فقل: ياشده الحال وسوء المال، تعالى فهذا أوانك.

وقال بعضهم: جواب اين شرط در بيت سابق است يعنى فان لى ذمة منه بتسميتى يعنى عهدِ من منتقض وحبلِ من منصرم نيست ازبراى آنكه اگر بفضل دستگيرى من نكند مرا عهدى هست واگر نباشد هيچ يكى ازين دو، نه عهد ونه اخذ بفضل، پس بگواى آنكه قدم تو مى لغزد درين مرتبه نلغزى وباين بيعنائتى دست كوتاه نكنى، كه در تسويف حكمتى است وازتو طلب مزيد ندامتى * فيه بحث فتدبر!

ثم أشار إلى عموم فضله وشموله لمن التجأ إليه بقوله:

---

* عبارة فارسية ومعناها: جواب هذا الشرط فى البيت السابق وهو فان لى ذمة بتسميتى" والمراد انه ليس عهدى بمنتقض ولاحبلى بمنصرم لانه ان لم يكن اخذ ابيدى تفضلا فان لى عهد منه، واذا لم يكن هناك شئ من هذين، لاعهد ولا اخذ بفضل، فقل: يامن تزل قدمك، لاتزل فى هذا المرة ولاتقصر همتك على هذا الاهمال لأن فى التسويف حكمة وفى الطلب المزيد منك ندامة.

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بروزِ قیامت از روئے فضل اور عہد و پیمان میرا ہاتھ نہ تھامیں تو اے مخاطب مجھے کہنا اے پھسلے ہوئے قدم والے!

ان لم یکن۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فی معادی۔ مرتے وقت۔ اخذاً بیدی۔ امداد اور اعانت کرنے والا۔ فضلاً بغیر استحقاق وعدہ کے مہربانی کرتے ہوئے۔ والا۔ اور اگر فضل کرنیوالا ہے فقل۔ تو آپ کا فضل کافی ہے۔ وعدے سے توسل کی حاجت نہیں ہے۔ یازلۃ القدم۔ اے وہ شخص کہ تیرا قدم خوف گناہ سے پھسل گیا۔

اور بعض شارحین نے کہا کہ ناظم کا قول الا کا احتمال ہے، کہ تنوین کے ساتھ بمعنی عہد ہو۔ فضلاً پر معطوف ہے اور یہ کہ ان لم یکن اول کیلئے تاکید ہو۔ اس لیے کہ اس عرض کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقع ہونا بہت دور اور بعید ہے۔ اور اس کا جواب نقل یازلۃ القدم ہے۔ یعنی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدد کرنے والے نہ ہوں تو کہیے۔ اے سخت اور برے حال وقال والے آجا یہ تیرے اوقات ہیں۔

اور بعض نے کہا۔ اس کا جواب سابقہ شعر میں ہے: فان لی ذمہ منہ بتسمیتی: یعنی میرا وعدہ ٹوٹنے والا اور میری رسی قطع ہونے والی نہیں۔ اس لیے کہ اگر بفضل وکرم سے میری دستگیری نہ ہو۔ میرا وعدہ رہے۔ اور اگر دو میں سے ایک بھی نہ ہو۔ نہ وعدہ اور نہ فضل و کرم پھر تمہیں کہنے کا حق ہے۔ کہ تو کہے۔ اے قدم پھسلنے والے۔ یہاں نہ پھسلے۔ اور اس بے عنایتی سے ہاتھ نہ کھینچ۔ اس لیے کہ تسویف میں حکمت ہے اور اس سے زیادہ طلب کرنا ندامت و شرمندگی ہے۔ اس بحث ہے۔ غور کیجئے۔

اس کے بعد عموم فضل اور التجا کرنے والے کو فضل میں شامل کرنے والے کی طرف اشارہ

١٤٨

حَاشَاهُ اَنْ يُحْرَمَ الرَّاجِي مَكَارِمَهُ
اَوْيَرْجِعَ الجَارُ مِنْهُ غَيْرَ مُحْتَرَمِ

(حاشاه) اى جعل الله النبى صلى الله عليه وسلم منزها عن (أن يحرم) على صيغه المجهول، يجعل محروما (الراجي) الذى رجا (مكارمه) جمع مكرمة بضم الراء بمعنى الكرم (أو) أن (يرجع) من الرجوع (الجار) المستجير (منه) صلى الله عليه وسلم حال كونه: (غير محترم) فكل من توجه إلى حضرته صلى الله عليه وسلم يكون منصوراً معاناً[1] من عالم الغيب البتة۔

١٤٩

وَمُنْذُ اَلْزَمْتُ اَفْكَارِي مَدَائِحَهُ
وَجَدْتُهُ لِخَلَاصِي خَيْرَ مُلْتَزَمِ

(و) الحال (منذ) لابتداء الغاية فى الزمان أى من الزمان الذى (الزمت) فيه (افكارى مدائحه) جعلت[2] مدائحه لازمة لأفكارى (وجدته) علمته (لخلاصى) من كل سوء (خير ملتزم) خير من يلتزم لدفع الضراء على صيغة اسم المفعول، ويحتمل الفاعل ومن قال: بكسر الزاء المعجمه مصدر ميمى، فقد سها سهواً بيناً۔

---

[1] فى الاصل "مانعا" والتصويب من "ب"

[2] وردت فى ب: خطبت۔

کرتے ہوئے کہا۔

۱۴۸

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے پاک رکھا کہ آپ اپنی بخششوں کے امیدوار

کو محروم رکھیں یا آپ کی پناہ لینے والا بے عزت واپس لوٹے

حاشاہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منزہ اور پاک بنایا ہے۔ ان یحرم۔ مجہول کا صیغہ استعمال ہوا۔ محروم بناتا ہے۔ الراجی۔ وہ جو امید کرتا ہے۔ مکارمۃ مکرمۃ کی جمع ہے را کے پیش کے ساتھ۔ کرم کے معنی میں ہے۔ او۔ یہ کہ۔ یرجع۔ رجوع سے ہے۔ الجار آرزومند۔ منہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حال کہ وہ غیر محترم جس کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جناب میں توجہ اور التجا کی اور عالم غیب ضرور منصور اور معان ہے۔

۱۴۹

اور جب سے میں نے اپنی فکروں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتوں کو لازم

کیا ہے تو میں نے اپنی نجات کیلئے آپ صلی اللہ علیہ کو بہترین معاون پایا ہے

و۔ حال کیلئے ہے۔ منذ۔ وقت کے شروع سے لے کر اس وقت تک۔ الزمت۔ اس ہیں۔ افکاری مدائحہ۔ اس کی نعت کو میں نے اپنی فکر کا لازمہ بنالیا ہے۔ وجدتہ۔ میں نے جانا ہے۔ لخلاصی۔ ہر برائی سے۔ خیر ملتزم۔ بہتر ہے جو ضرر کو دفع کرنے کے لیے لازم پکڑے۔ اسم مفعول کا صیغہ استعمال کیا اور احتمال فاعل کا بھی ہے۔ اور جس نے کہا۔ زا کے زیر کے ساتھ ہے۔ مصدر میمی ہے، وہ بہت ظاہر و باہر بھول کا مرتکب ہوا۔

❖

١٥٠

وَلَن يَفُوتَ الغِنىٰ مِنهُ يَداً تَرِبَت
إِنَّ الحَيَا يُنبِتُ الأَزهَارَ فِي الأَكَمِ

(ولن يفوت الغنى) الناشئ (منه) صلى الله عليه وسلم (يداً) مفعول "يفوت" اى يد محتاج (تربت) افتقرت ولانها[1] لصقت بالتراب بأن لا يصل اليها وفى بعض الشروح: "شخصى را با دستى را، وبسيار است كه از شخص بدست تعبير ميكنند*" وفيه بحث، لأن اليد ليست من الاجزاء التى يعبر بها عن الكل.

قال العلامة التفتازانى فى المطول فى بحث المجاز المرسل: "يشترط فى اطلاق الجزء على الكل استلزام[2] الجزء للكل كالرقبة والرأس مثلاً فان الانسان لا يوجد بدونهما بخلاف اليد، فإنه لا يجوز اطلاقه على الانسان، وأما اطلاق العين على الربيئة فليس من حيث أنه إنسان بل من حيث أنه رقيب، وهذا المعنى مما لا يتحقق بدون العين[3] انتهى.

ثم أشار إلى دليل عدم الفوت بقوله: (ان الحيا) بالقصر، المطر (ينبت بالازهار) جمع زهر، وهو النور (فى الاكم) التى أشد احتياجاً إلى المطر من غيرها، أكم كفرس جمع أكمة، وهى ما ارتفع من الأرض يقال بالفارسية: "بشته"

والكلام تمثيل ويحتمل أنه شبه النبى صلى الله عليه وسلم بالمطر فى عموم النفع وشموله للكل واحتياج الكل إليه، والاعطاء بالإنبات، والعطايا بالازهار

---

[1] كذا فى الاصل وفى ب: كانها * جملة فارسية وترجمتها: لشخص أو يد وكثيرا ما يعبرون باليد عن الشخص.

[2] فى "الف": استلزم، والتصويب من "ب"

[3] راجع المطول ص: ٣٥٥ فى باب الحقيقة والمجاز، وتلخيص المفتاح ١٢١

۱۵۰

اور آپ کی فیاضی کسی خاک آلود ہاتھ کو محروم نہیں کرتی

بیشک بارش پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی پھول اگا دیتی ہے

ولن یفوت الغنی۔ اور امید شفاعت کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ منہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یدا۔ یفوت کا مفعول ہے۔ یعنی محتاج ہاتھ۔ تربت۔ بڑھا غبار آلود ہوا کہ آپ کی شفاعت تک نہ پہنچا۔ اور بعض شروح میں ہے۔ کسی شخص یا ہاتھ کو۔ اور زیادہ لوگوں نے ایک شخص کے ہاتھ سے تعبیر کیا ہے اور اس میں تفصیل ہے۔ کیونکہ ہاتھ ان اجزاء میں سے نہیں ہے، جو کل سے تعبیر ہوتا ہے۔

علامہ تفتازانی نے مطول کے اندر مجاز مرسل کے بحث میں فرمایا۔ جزو کا کل پر اطلاق کرنے میں شرط ہے کہ جزء کل کو لازم بھی ہو۔ جیسا کہ گردن اور سر۔ اس لیے انسان اسکے بغیر نہیں پایا جاتا۔ بخلاف ہاتھ کے۔ اس کا اطلاق انسان کے اوپر نہیں؟ اور بہر حال آنکھ کا اطلاق دبیئۃ پر اس حیثیت سے نہیں ہے کہ وہ انسان ہے۔ بلکہ اس حیثیت کہ وہ رقیب ہے اور یہ معنی بغیر آنکھ کے ثابت اور متحقق نہیں ہے۔

پھر عدم فوت کی دلیل کی طرف اشارہ کیا۔ ان الحیا۔ الف مقصورۃ کے ساتھ۔ بارش۔ ینبت الازھار۔ زہر کی جمع ہے اور وہ نور ہے۔ فی الاکم۔ جس کو بارش کی سخت احتیاج ہو۔ اکم نرس کی طرح اکمۃ کی جمع ہے اور وہ جو زمین سے بلند ہو۔ فارسی میں اس کو سنۃ (چوٹی) کہتے ہیں۔

اور کلام تمثیلی ہے۔ ممکن ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بارش سے تشبیہ دی ہو، عموم نفع، ہر چیز کو شمول، اور ہر چیز کی اس کے لیے احتیاجی کی وجہ سے، پودوں کو اگانے پھولوں

فی الحسن والقبول والرغبة إليه ، والإعطاء بالإنيات، والعطايا الاحتياج، ولما توهم من هذا البيت كأنه طالب للغنى، دفعه بقوله :

١٥١

وَلَوْ أَرَدْ زَهْرَةَ الدُّنْيَا الَّتِي قَطَفَتْ
يَدَا زُهَيْرٍ بِمَا أَثْنَى عَلَى هَرِمِ

(ولو ارد) من الارادة، يوصفى للنبی صلی الله عليه وسلم بأنه يحصل منه سلب المضار[1] وجلب المنافع (زهرة الدنيا) نضارتها وزينتها (التی قطفت)[2] جمعت (يدا زهير) شاعر مشهور (بما أثنى) بسبب ثنائه (على هرم) بن سنان بن أبی حارثة المری من بنی مرة[3]، وقد وصله بصلات خارجة عن العادات، وهرم ككتف، بل إنما أردت نصرته وشفاعته فی يوم يكون لكل امرئ فيه شأن يغنيه .

١٥٢

يَا أَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِي مَنْ أَلُوذُ بِهِ
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

(يا اكرم الخلق) عند الله تعالى، لقوله عليه الصلاة والسلام : انا اكرم الأولين والآخرين عند الله تعالى ولا فخر[4] (ما) ليس كائن (لی من الوذبه) لاذبه لوذاً،

---

[1] فی الاصل "المظار" والصواب ما اثبت .

[2] كذا فی الاصل وفی بعض النسخ : اقتطفت، راجع : حاشية الباجوری على البردة : ١٨٢

[3] كذا فی الاصل وفی ب: أمر"

[4] اخرجه الترمذی ٢ /٢٠٢، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی صلی الله عليه وسلم والقاضی فی الشفا ١ /٤٧

کا کھلنا، ان کی خوبصورتی اور قبول میں، انکی طرف رغبت قلیل ہو یا کثیر۔ اور پہاڑ کی چوٹیوں کے ساتھ محتاج ہیں۔ اس شعر سے جب وہم ہوا کہ وہ غنی کا طالب ہے تو اگلے شعر سے اس خیال کو رد کیا۔

۱۵۱

اور میں نعت محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا کی وہ تازگی نہیں چاہتا!

جیسے زُھیر کے ہاتھوں نے ہرم بن سنان کی تعریف کر کے حاصل کیا تھا

ولم ارد۔ ارادے سے ہے۔ زھرۃ الدنیا۔ دنیا کی سرسبزی اور زینت۔ التی قطفت۔ جمع کیا۔ یدا زھیر۔ مشہور شاعر ہے۔ بما اثنی۔ تعریف کی بدولت۔ علی ھرم۔ ہرم بن سنان بن ابی حارثہ المری قبیلہ بنی مرہ سے ہے اور اس کو خارج از عادت صلوں صلے دیے گئے ہیں۔ ہرم کتف کے وزن پر ہے۔ بلکہ میں نے تو اس قصیدے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور نصرت کے حصول کا ارادہ کیا۔ جس دن کے بارے آیا۔ فیہ شان یغنیہ۔

۱۵۲

اے تمام مخلوق سے بہترین کریم میرے لیے آپ کے سوا کوئی نہیں جس

کی عام بلا کے نزول کے وقت میں پناہ لوں

یا اکرم الخلق۔ اللہ کے حضور معزز ترین، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ میں اوّلین اور آخرین مخلوق میں زیادہ عزت والا ہوں۔ اور اس پر فخر نہیں۔ ما۔ موجود نہیں ہے۔ لی من الوذ بہ۔ اس کے ساتھ پناہ لی۔ اس سے التجا کرنا اور پناہ مانگنا۔ اسی طرح صحاح میں ہے۔ سواک۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے سوا۔ عند۔ الوذ کا ظرف ہے۔ حلول۔

لجأ إليه وعاذ به كذا فى الصحاح[1] (سواك) يا رسول الله تعالى (عند) ظرف "الوذ" (حلول) نزول (الحادث) الشدة والمحنة (العمم) التام الشامل للكل والعمم بفتحتين وبكسر الميم الاولى.

ولا يبعد أن يراد بالحادث العمم حبس الناس يوم القيامة، لا يحاسبون مدة مديدة فيحزنون بذلك الحبس حزناً شديدا، ولحقهم كرب عظيم مع غاية حرارة الشمس وقربها منهم حتى يغرقون، فمنهم من يبلغ عرقه عقبيه، ومنهم من يبلغ نصف ساقيه، ومنهم من يبلغ ركبتيه، ومنهم "من"[2] يبلغ فخذيه، ومنهم من يبلغ حاصرته، ومنهم من يبلغ فاه على قدر العصيان فيقولون: ليتنا نستشفع أحداً إلى ربنا من مشقة هذا الحبس وطوله، فلا يستشفعون احداً إلا وهو يقول: لا يهمنى اليوم إلا نفسى، فاذا اضطروا جاؤا إلى النبى صلى الله عليه وسلم، فيشفع لهم شفاعةً تامةً عامةً لا يشاركه فيها أحد من الأنبياء والمرسلين، بل هم أيضاً يحتاجون الى شفاعته فى ذلك اليوم، وهذا هو المقام المحمود الموعود الذى أعطاه عزوجل، فيقبل شفاعته فيهم فيحاسبون سريعاً.

قال النبى صلى الله عليه وسلم: أنا اول الناس خروجاً اذا بعثوا، وانا قائدهم اذا وفدوا[3] وانا خطيبهم اذا أنصتوا، وأنا شافعهم إذا حبسوا، وانا مبشرهم إذا

---

[1] راجع الصحاح ١/١٢٣٧ تحت المادة "لوذ"

[2] سقطت من الاصل والتكملة من "ب"

[3] فى الاصل "ودوا" وهو التصحيف.

نزول۔ الحادث۔ سختی اور مشقت۔ العمو۔ مکمل جو تمام کو شامل ہو۔ لفظ عمم دو زیروں کے ساتھ ہے۔ اور اوّل ہم پر کسرہ ہے۔ اور بعید نہیں۔

کہ حادث عمم سے مراد قیامت کے دن لوگوں کی قید ہو۔ مدت مزید تک انکا حساب نہیں ہوگا۔ تو اس قید سے غمگین اور پریشان ہو جائیں گے۔ اور ان کو سخت درد اور تکلیف پہنچے گی۔ اس کے ساتھ سورج کی سخت گرمی بھی۔ یہاں تک کہ وہ غرق ہو جائیں گے۔ ان میں سے بعض لوگوں کے ٹخنے تک پسینہ ہوگا۔ کوئی آدھی پنڈلی تک پسینے میں ہوگا اور بعض لوگوں کے گھٹنے پسینے میں ڈوبے ہوں گے۔ اور بعض کے رانوں تک پسینہ ہوگا۔ کسی کے گلے تک اور کسی کے منہ تک ہوگا۔ جو جس قدر گنہ گار ہوگا۔ اس قدر وہ پسینے میں شرابور ہوگا۔ سب لوگ کہیں گے۔ کاش کوئی اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری سفارش کرے کہ ہمیں اس حبس اور اس کی لمبائی سے نجات دے۔ کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا۔ مگر یہ کہ کہے گا کہ مجھے اپنی جان کی پڑی ہے۔ جب لوگ پریشان ہو جائیں گے۔ تو حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جائیں گے۔ تو آپ سب لوگوں کی شفاعت عامہ تامہ فرمائیں گے۔ اور کوئی بھی نبی یا رسول (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اس شفاعت کرنے میں شریک نہیں ہوگا۔ بلکہ تمام انبیا، و مرسلین علیہم السلام بھی آپ کی شفاعت کے محتاج ہوں گے۔ اور یہ مقام محمود ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہوا ہے۔ کہ آپ کو عطا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اور حساب جلدی شروع ہو جائیگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛ قیامت کے دن سب لوگوں سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا۔ اور وہ چلیں تو میں قائد ہوں گا۔ اور جب لوگ خاموش ہوں تو میں خطیب ہوں گا۔ اور جب لوگ رو کے جائیں تو میں ان کا شافع ہوں گا۔ اور جب لوگ مایوس ہو جائیں

أيسوا الكرامة، والمفاتيح يومئذ بيدي[1]" وقال: "إذا كان يوم القيامة كنت امام النبيين و خطيبهم وصاحب شفاعتهم غير فخر".

١٥٣

وَلَنْ يَضِيقَ رَسُولَ اللهِ جَاهُكَ بِي
إِذَا الْكَرِيمُ تَجَلَّى بِاسْمِ مُنْتَقِمِ

(ولن يضيق) أى لا ينحط يا (رسول الله) صلى الله عليه وسلم (جاهك) مرتبتك العليا ومنزلك الأسنى (بى) بسبب شفاعتك إياى (إذا) قد يجئ للمستقبل وههنا كذلك (الكريم) سبحانه وتعالى (تجلى) ظهر (ب) مقتضى (اسم منتقم) فيكون فى صدد الانتقام من العصاة فيغضب غضباً لم يغضب قبل مثله ولا يغضب بعد مثله على ما ورد فى الحديث ثم بين وجه عدم الانحطاط بقوله:

١٥٤

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُومِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

(فان من) بعض (جودك الدنيا) بمعنى أنه صلى الله عليه وسلم هو الواسطة فى وجودها فكانها من جوده صلى الله عليه وسلم كما ذكر فى بعض نسخ التواريخ: إن الله تعالى لما تجلى بصفة الجمال والجلال على نوره صلى الله عليه وسلم الذى قال فيه: "أول ما خلق الله نورى[2]" ويقال له البيضاء أيضاً، صار قسمين،

[1] اخرجه الترمذى عن انس بن مالك: ٢٠١/٢، ابواب المناقب، باب ماجاء فى فضل النبى صلى الله عليه وسلم والدارمى ص: ١٦، باب ما أعطى النبى صلى الله عليه وسلم من الفضل.
[2] انظر: جواهر البحار ١/ ٩٦ ومدارج النبوة ١/ ٦٥ والمواهب اللدنية ١/ ٨ وتاريخ الخميس ١/ ٢٢

تو میں ان کو خوشخبری دوں گا۔ اس دن چابیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن میں انبیاء کرام (علیہم السلام) کا امام اور خطیب اور صاحب شفاعت ہوں گا۔ اور اس پر فخر نہیں۔

۱۵۳

اے رسول خدا! میری (شفاعت) کے باعث آپ کے بلند مرتبہ میں کمی واقع نہ ہوگی جب کریم انتقام لینے والے کے نام کے ساتھ جلوہ گر ہوگا۔

ولن یضیق۔ تنگ نہیں ہوگا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جاھك۔ آپ کا عالی مرتبہ اور عظیم منزل۔ بی۔ آپ کی شفاعت کی وجہ سے جو میرے لیے ہے۔ اذا۔ مستقبل کے لیے آتا ہے۔ اور یہاں بھی اسی لیے ہے۔ الکریم۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ۔ تجلی۔ ظاہر ہوا۔ ب۔ مقتضا۔ اسم منتقم۔ قیامت کے دن اپنے جلال کا اظہار گناہگاروں پر یوں ہوگا۔ کہ اس طرح کا غضب نہ پہلے ہوا ہے۔ اور بعد میں جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ پھر عدم تنگی کی وجہ بیان کی۔

۱۵۴

اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت آپ کی بخشش کا ایک حصہ ہیں اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے۔

فان من۔ بعض۔ جودك الدنیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ بیشک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے وجود کے لیے واسطے ہیں۔ گویا کہ یہ آپ کے وجود سے ہے۔ جیسا کہ بعض تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت جلال و جمال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پر تجلی فرمائی جس نور کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

قسم فى غاية اللطافة والصفاء، وقسم دون ذلك، وسمى الأول نوراً والثانى ناراً، وخلق من الأول الأشخاص الشريفة العلوية والكواكب واطباق السموات وارواح الأنبياء والرسل والأولياء، واصحاب اليمين، ومن الثانى ارواح أصحاب الشمال والجان وأولاد وسائر الأجناس السلفية، فعلم أن نوره صلى الله عليه وسلم هو الواسطة فى إيجاد المخلوقات كما يؤيده "لولاك لما خلقت الأفلاك"[1].

(و) من بعض جودك (ضرتها) أى ضرة الدنيا وهى الآخرة، وضرة المرأة أمراة زوجها، يقال لها بالفارسية "انباغ"، لأن الدنيا لما كانت من جوده وكان وجود الآخرة بواسطة وجودها كانت الآخرة من جوده صلى الله عليه وسلم. وفى التعبير عن الآخرة بالضرة إشعار بأنها لا تريد أن تكون معها الدنيا لصاحبها كما أن المرأة لا تريد أن تكون لها ضرة، فمن أحب الآخرة أضر بدنيا ومن أحب الدنيا أضر بالآخرة".

(ومن) لبعض (علومك) التى علمك الله تعالى (علم اللوح) أى علم ما فيه وهو فى الهواء فوق السماء السابعة، طوله ما بين السماء والارض، وعرضه ما بين المشرق والمغرب، وهو من درة بيضاء، كذا فى بعض التفاسير[2]، (و) علم (القلم) الذى كتب به الكائنات فى اللوح، فاذا كان جاهك فى الجود والعلم

---

[1] انظر، الخصائص الكبرى ٢/١٩٣ وشرح الشفا لعلى القارى ١/٦٨ وجواهر البحار ١/٩٨ والموضات الكبرى: ٢٩٥

[2] انظر، تفسير البيضاوى ٤/٢٧٩ سورة البروج، الاية: ٢٢ فى تفسير: بل هو قرآن فى لوح محفوظ، و ايضاً تفسير خازن ٤/٣٩٥ ومدارك التنزيل بهامش خازن ٤/٣٩٥

گرامی ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو تخلیق فرمایا۔ اور اس کو بیضا کہتے ہیں۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم حد درجہ لطیف اور صاف وشفاف، دوسری قسم اس کے سوا۔ اول قسم کو نور کا نام دیا گیا۔ دوسری قسم کو نار کا نام دیا گیا۔ پہلی قسم سے علوی مخلوق کو پیدا فرمایا۔ ستاروں، آسمانوں کے طبق انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کی ارواح مبارک، اسی طرح اولیاء کرام اور اصحاب یمین کی ارواح کو پیدا کیا۔ اور دوسری قسم (نار) سے اصحاب شمال، جنات، ان کی اولاد سفلی اجناس کی ارواح کو پیدا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایجاد مخلوقات میں واسطہ ہیں۔ جیسا کہ اس کی تائید ہوتی ہے۔

لولاك لما خلقت الافلاك۔ اے محبوب اگر آپ نہ ہوتے میں افلاک پیدا نہ کرتا۔

و۔ اور آپ کی سخاوت وجود سے ضر تھا۔ دنیا کی ضد آخرت اور بیوی کی ضد شوہر کی دوسری بیوی ہے۔ اس کو فارسی میں انباغ کہتے ہیں۔ اس لیے کہ دنیا جب آپ کے وجود سے ہے تو آخرت کا وجود بھی دنیا کے واسطے سے ہے۔ تو آخرت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جود سے ہے۔ اور ناظم نے آخرت کو اس لیے ضرۃ سوکن کہا کہ آخرت نہیں چاہتی کہ اس کے مالک کے پاس دنیا رہے۔ جیسا کہ بیوی نہیں چاہتی کہ اس کے لیے سوکن ہو پس جو شخص آخرت کو پسند کرتا ہے تو دنیا کو سوکن سمجھتا ہے، اور جس نے دنیا کو پسند کیا۔ اس نے آخرت کو سوکن بنا لیا۔

ومن۔ بعض۔ علومك۔ وہ علوم جو اللہ تعالیٰ نے سکھائے۔ علم اللوح۔ جو علم لوح میں ہے۔ لوح ساتویں آسمان کے اوپر ہوا میں ہے۔ اس کی لمبائی آسمان وزمین کے درمیان لمبائی کے برابر ہے۔ اور اس کی چوڑائی مشرق اور مغرب دو جہاں کے فاصلے کے برابر ہے اور سفید درہ ہے۔ اسی طرح بعض تفاسیر میں آیا ہے۔ و اور علم۔ القلم وہ جس کے ذریعے لوح

بهذه المثابة، كيف ينقص بشفاعة شخص محتاج -

١٥٥

يَا نَفْسُ لَا تَقْنَطِي مِن زَلَّةٍ عَظُمَتْ
إِنَّ الْكَبَائِرَ فِي الْغُفْرَانِ كَاللَّمَمِ

(يا نفس) إن قرئ بالضم فالمنادى مطلق النفس، وان قرئ بالكسر فنفس المتكلم (لاتقنطى): لاتيئسى من رحمة الله الواسعة السابقة على الغضب لقوله صلى الله عليه وسلم حاكياً عن الله تعالى: ان رحمتى سبقت غضبى[1]، وقنط: جاء من باب نصر وضرب وعلم واما فتح العينين وكسرهما فإنما هو جمع بين اللغتين كذا فى الصحاح[2] (من) لأجل (زلة) معصية (عظمت) كبرت، ثم أشار إلى الدليل بقوله: (ان الكبائر فى) جوار (الغفران) بالتوبة بدونها۔

(كاللمم) مثل صغائر الذنوب، واللمم كرم يعنى لاينبغى أن يقنط احد بكثرة المعاصى والذنوب الكبائر فإنها فى جوار المغفرة كالصغائر، هذا لكن لاينبغى ان يبنى الأمر على ذلك فيدخل فى المعاصى ويصر عليها، فإن ذلك حماقة يبرزها الشيطان فى معرض الدين، قال صلى الله عليه وسلم: الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت، والأحمق من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله[3] وهو تمن بحت وليس

---

[1] اخرجه الامام احمد فى "مسنده" عن ابى هريرة فى باب صفة الخلق ٢٦/١ ومسلم فى "صحيحه" ٩٥/٨ كتاب الذكر والدعا والتوبه، باب فى سعة رحمة الله وانها سبقت غضبه وابن ماجه ٣٣٥/٢ والبخارى فى "صحيحه" ١٢٨/٩ والسيوطى فى "الدرر المنتثره" ١٣٢ -

[2] راجع الصحاح ٣٨٥/٣ تحت المادة "قنط" -

[3] اخرجه أبونعيم فى حلية الاولياء ٢٦٧/١ فى ترجمة شداد بن اوس بلفظ "العاجز" مكان "الاحمق" والحاكم فى "المستدرك" ٥٨/١ فى كتاب الايمان، باب الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت واحمد فى "مسنده" ١٢٣/٣ وابن ماجه ٣٣٧/٢ والترمذى ٣٠٥/٢ -

پر کائنات تحریر ہے۔ آپ کا مرتبہ عظیم جود اور علم میں اس قدر ہے تو محتاج شخص شفاعت سے کیسے محروم رہ سکتا ہے۔

۱۵۵

اے میری جان تو کسی عظیم لغزش کے باعث مایوس نہ ہو
بیشک بڑے گناہ بخشے جانے میں چھوٹے گناہوں جیسے ہیں

اس کو پیش کے ساتھ پڑھا جائے تو منادلی سے مطلق نفس مراد ہے اور اگر زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس سے نفس متکلم مراد ہے۔ لاتقنطی۔ اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت جو غضب پر سبقت لے گئی اور وسیع ہے۔ اس سے مایوس نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔ وقنط۔ یہ باب نصر ینصر اور ضرب یضرب اور علم یعلم سے ہے۔ اور دونوں عین کلموں پر فتحہ اور کسرہ یہ جمع بین اللغتین ہے۔ اسی طرح صحاح میں مذکور ہے۔ من۔ اس لیے کہ۔ زلۃ۔ گناہ اور معصیت۔ عظمت۔ بڑی ہو گئی۔ پھر اپنے اس قول کے ساتھ دلیل کی طرف اشارہ کیا۔ ان الکبائر فی۔ پڑوس۔ الغفران۔ توبہ اور ماسوا کے ساتھ۔

کاللمم۔ چھوٹے گناہوں کی طرح۔ ولمم۔ کرم کی طرح یعنی کوئی شخص کتنا لنا۔ اور بڑے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اس لیے کہ بڑے بڑے گناہ بھی جوار رحمت میں صغیرہ گناہوں کی طرح ہیں۔ اس چیز کو بنیاد نہ بنایا جائے کہ بندہ گناہوں میں داخل ہو۔ اور اس پر اصرار کرے۔ یہ حماقت ہے جو شیطان معرض دین میں ظاہر کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دانا وہی ہے جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا۔ اور موت کے بعد (آخرت) کیلئے عمل کیا۔ احمق وہ ہے جس نے خواہشات

برجاء، بل هو لمة شيطانية، قال الله تعالى: لَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ[١]۔

قال القاضي[٢]: أي الشيطان بأن يمنيكم المغفرة مع الإصرار على المعصية، فإنها وإن أمكنت لكن الذنب بهذا التوقع كتناول السم اعتمادا على دفع الطبيعة، فالرجاء والتمني أمران متباينان يبرز الشيطان أحدهما في معرض الآخر، فيزعم المتمني أنه راج، فالراجي من تعهد الارض وسقاها وبث البذر وحصل كل سبب يتعلق باختياره، ثم بقي يرجو أن يدفع الله تعالى الصواعق والقواطع وأن يمكنه من الحصاد، وأما من لم يتعهد[٣] الارض ولا يبث البذر ثم ينتظر الزرع فهو متمنٍ مغرور۔

هذا ومن الاعجب ما وقع لي من هذا الهواجس، أني نظرت في قوله صلى الله عليه وسلم، "ان الله يحب العبد الممتحن التواب[٤]"، وقوله "ما أصر من استغفر وان عاد في اليوم سبعين مرة[٥]" وقوله صلى الله عليه وسلم حاكياً عن الله تعالى "من علم أني ذو قدرة على مغفرة الذنوب غفرت له وإن لم يستغفر، ما لم يشرك بي شيئاً"[٦]۔

وغير ذلك من الأحاديث، فوقع في روعي أن اقترف[٧] ذنباً ثم أتوب ثم هكذا وهكذا وليس على بذلك شئ، بل أصير محبوب الله تعالى، وليس الاصرار في الاعادة سبعين

---

[١] سورة فاطر، الاية ٥۔
[٢] راجع تفسير البيضاوي، ٥٤٧
[٣] في الاصل "يتعد" والتصويب من "ب"
[٤] لم أعثر على تخريجه بهذه الالفاظ وفي مشكواة المصابيح ٢٠٦: كتاب الاستغفار والتوبة بلفظ "ان الله يحب العبد المؤمن المفتن التواب۔
[٥] أخرجه ابوداود في الصلواة ١٣/٢ باب في الاستغفار و"الترمذي" ٣٢٧/٢ في الدعوات باب: ما أصر من استغفر و شرح السنة ٢٢٤/٣ باب الاستغفار۔
[٦] أخرجه مسلم في "صحيحه" عن ابي هريرة باختلاف الالفاظ في كتاب الذكر والتوبة ٩٩/٨ باب قبول التوبة من الذنوب وأن تكررت الذنوب والتوبة والبخاري في "صحيحه" ٣٩٣/١٣ في التوحيد باب قول الله تعالى، يريدون أن يبدلوا كلام الله وشرح السنة باب الاستغفار ومشكوة المصابيح ٢٠٦ باب الاستغفار والتوبة۔
[٧] في الاصل "اقترن" والتصويب من "ب"

نفس کی پیروی کی۔ اور اللہ سے مغفرت کی تمنا بھی کی۔ جو تمنا کرتا ہو۔ اور امید نہ رکھتا ہو بلکہ یہ شیطانی دھوکہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ لایغرنکم باللہ الغرور۔ وہ تمہیں اللہ کے ساتھ دھوکہ اور غرور دیتا ہے۔

قاضی نے فرمایا یعنی شیطان تمہیں گناہوں پر اصرار کے ساتھ مغفرت کی تمنا دلاتا ہے۔ اگر ممکن ہو۔ لیکن مغفرت کی توقع سے گناہ کرنا زہر کھانے کے مترادف ہے کہ زہر کھاتے وقت انسان محض دفع طبیعۃ پر اکتفا کرے۔ پس رجا (امید) اور تمنا دونوں متضاد چیزیں ہیں۔ کہ شیطان ان میں سے دونوں کو ایک دوسرے کے ضمن میں ظاہر کرتا ہے۔ تمنا کرنے والا گمان کرتا ہے کہ وہ امید کرنے والا ہے۔ تمنا کرنے والا وہ ہے۔ جس نے زمین کو ہموار کیا، پانی پلایا اور کھاد ڈالا۔ اور ہر وہ کام کیا جو اس کے اختیار میں تھا۔ پھر اس کی امید ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ اس زمین کو بجلی، طوفان اور تباہی سے بچائے رکھے گا۔ اور جس شخص نے زمین کو ہموار نہیں کیا اور نہ کھاد نہ ڈالا۔ اور پھر کھیتی کا انتظار کیا۔ وہ شخص دھوکے میں تمنا کرنے والا ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ عجیب تر یہ کہ۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو دیکھا۔ ان اللہ یحب العبد الممتحن التواب۔ اور فرمایا وہ شخص گناہ پر اصرار نہیں کر رہا۔ جو گناہ کے بعد استغفار کرتا ہے۔ اگرچہ ایک دن میں ستر مرتبہ گناہ میں پڑ رہا ہو۔ اور فرمایا۔ حدیث قدسی ہے۔ جس نے یہ جانا کہ میں گناہوں کے بخشنے پر قادر ہوں تو میں اسکے گناہوں کو معاف کر دونگا جب تک اس شخص نے شرک نہ کیا ہو۔

اور اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں۔ اس کے بعد مجھے ایک شک پڑ گیا۔ کہ گناہ کروں اور پھر توبہ کروں۔ پھر گناہ کروں اور توبہ کروں۔ اس طرح میرے اوپر کوئی جرم بھی

مرة مع الاستغفار، فكيف إن أفعل مرة مع الاستغفار واستغفر مراراً، وقد علمت يقيناً ان الله تعالىٰ قادر على المغفرة، والنفس فيما بين ذلك طامحة راغبة والشيطان معر مفتين فخرجت إلى بعض الصحارى ومعى تفسير القاضى، وقد كنت مشغولاً فى تلك الايام بقراءته عند الاستاذ العارف بالله الزاهد فى الدنيا، والراغب إلى العقبى، مولانا سعد الله[1] قدس سرهٗ۔

فبينا أنا فى هذه[2] الخطرة إذ فتحته فوقع نظرى على قوله تعالىٰ: ولايغرنكم بالله الغرور[3]، أى الشيطان بأن يمينكم التوبة والمغفرة فيجسركم[4] على المعاصى، فقلت: سبحان الله هذه خطرة نفسانية ولمة شيطانية، فذهبت بعون الله تعالى وحسن توفيقه عنى بالكلية، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له۔

هذا واعلم أن العلماء اختلفوا فى تفسير الكبيرة، قال بعضهم، هى السبع التى ذكرها صلى الله عليه وسلم فى الحديث المعروف وهو الاشتراك بالله تعالى والفرار من الزحف وعقوق الوالدين وقتل النفس بغير حق وبهت المؤمن والزنا وشرب الخمر، وهو قول أهل الحجاز وأهل الحديث، وزاد بعضهم على هذا السبع اكل مال الربا وأكل مال اليتيم بغير حق، وقال بعضهم: ما كان حراماً لعينه فهو كبيرة۔

---

[1] وهو الشيخ سعد الله بن ابراهيم بن فتح الله الملتانى ثم اللاهورى ولد بملتان سنة ۹۲۱ھ وتوفى سنة ۹۹۹ھ، راجع نزهة الخواطر" ۱۲۳/۴ -

[2] فى الاصل "هذا" والصواب ما اثبت۔

[3] سورة فاطر، الاية : ۵

[4] فى الاصل "فيجبر نكم" والتصويب من "ب"

نہیں ہو گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاؤں گا۔ اور اگر ستر مرتبہ بھی گناہ کا ارتکاب ہو جب تک ساتھ ساتھ استغفار ہو۔ تو وہ اصرار نہیں ہے۔ پھر یہ کیسے گناہ ہو۔ کہ میں گناہ کے بعد استغفار کروں۔ اور بار بار استغفار کروں اور مجھے معلوم ہے کہ اللہ بخشنے پر قادر ہے اور نفس اس طرف راغب اور مائل رہے۔ اور شیطان دھوکہ دینے والا اور فتنے میں ڈالنے والا ہے۔ پھر میں باہر صحرا کی طرف نکلا۔ اور میرے پاس قاضی کی تفسیر بھی تھی۔ اور ان دنوں میں اس تفسیر کا سبق اپنے استاذ عارف باللہ، دنیا سے زاہد اور آخرت میں راغب مولانا سعد اللہ (رحمۃ اللہ) سے لیا کرتا۔

میں اسی شش و پنج میں تھا جب کہ کتاب کھولی۔ تو میری نظر قرآن مجید کے اس آیت پڑی۔ ولا یغرنکم باللہ الغرور۔ یعنی شیطان تمہیں توبہ اور مغفرت کی تمنا دلا کر تمہیں گناہوں پر اکساتا ہے۔ میں نے کہا، سبحان اللہ! یہ نفسانی خواہش و شیطانی دھوکہ ہے۔ پھر بفضل خدا اور بتوفیق الٰہ کلی طور پر اس خیال سے چھٹکارا پا گیا۔ من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔ جس کو اللہ ہدایت دے۔ اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

جان لینا چاہیے کہ علماء کرام کا گناہ کبیرہ کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا۔ گناہ کبیرہ وہ سات گناہ ہیں جن کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور حدیث پاک میں کیا ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا۔ (۲) جہاد سے پیٹھ پھیرنا۔ (۳) والدین کے عاق۔ (۴) قتل ناحق۔ (۵) مومن پر بہتان لگانا۔ (۶) زنا کرنا۔ (۷) شراب نوشی۔ یہ اہل حجاز اور علماء حدیث کا قول ہے۔ اور بعض علماء کرام نے ان پر زیادہ کیا ہے۔ سود کا مال کھانا۔ بغیر حق کے یتیم کا مال کھانا اور بعض نے کہا۔ جو حرام بعینہ ہے وہ گناہ کبیرہ ہے۔

وأصح ما قيل فيه هو ما نقل عن الإمام شمس الائمة الحلوانی[1] رحمه الله أنه قال: ما كان شنيعاً بين المسلمين وفيه هتك حرمة الله تعالى والدين فهو من جملة الكبائر وكذلك الإعانة على المعاصى والفجور والحث عليها من جملة الكبائر، كذا فی الكفاية[2] فی باب من يقبل شهادة ومن لا يقبل -

١٥٦

لَعَلَّ رَحْمَةَ رَبِّى حِينَ يَقْسِمُهَا
تَأْتِى عَلَى حَسَبِ الْعِصْيَانِ فِى الْقِسَمِ

(لعل رحمة ربى) المعدة للعصاة (حين) ظرف تاتى (يقسمها) أى الرحمة (تاتى) كائنة (على حسب العصيان) أى قدره وعدده (فى القسم) كعنب جمع قسمة، فكل من كان اكثر عصياناً يكون نصيبه من تلك الرحمة أوفر وأتم -

١٥٧

يَارَبِّ فَاجْعَلْ رَجَائِى غَيْرَ مُنْعَكِسٍ
لَدَيْكَ وَاجْعَلْ حِسَابِى غَيْرَ مُنْخَرِمِ

(يارب) افعل ما رجوت (فاجعل رجائى) املى بذلك المرجو (غير منعكس لديك واجعل حسابى) ظنى بك بأن تغفر ذنوبى وقد قلت: أنا عند ظن عبدى بى[3] (غير منخرم) منقطع -

[1] هو شمس الائمة أبو محمد عبد العزيز بن احمد بن نصر بن صالح البخارى الحلوانى الحنفى، كان فقيهاً اصولياً توفى ببخارا فی سنة ٤٥٦هـ، راجع: معجم المؤلفين ٥/٢٤٣ والاعلام ٤/١٣٦ والفوائد البهية: ٩٥ وسير النبلاء ١١/١٨٧ وهدية العارفين ١/٥٧٧ وكشف الظنون: ٤٦

[2] راجع الكفاية فی شرح الهداية ٢/١٤٥

[3] اخرجه الترمذى من حديث أبى هريرة ٢/٦٢، ابواب الزهد، باب فی حسن الظن بالله ومسلم فی "صحيحه" ٨/٦٦ كتاب الذكر والدعا والتوبة والاستغفار، باب فضل الذكر والدعا والتوبة الى الله والدارمى من حديث واثلة بن الاسقع ص: ٣٦٧ باب حسن الظن بالله، والامام احمد فی "مسنده" ١/٤٥

اور زیادہ صحیح وہ قول ہے، جو امام شمس الائمہ حلوائی رحمۃ اللہ سے منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ کبیرہ وہ ہے، جس کو مسلمان برا خیال کرتے ہوں۔ اور اس میں اللہ کی عزت و حرمت کی توہین ہوتی ہو۔ اور دین کی توہین ہوتی ہو۔ وہ تمام گناہ کبائر ہیں۔ اسی طرح کفایہ میں ہے اس باب کے تحت لکھا۔ فی باب من یقبل شهادة و من لایقبل۔

۱۵۶

اُمید ہے کہ میرا رب جب اپنی رحمت تقسیم فرمائے گا تو
اس کی رحمت گناہوں کے مطابق حصّوں میں آئے گی۔

لعل رحمة ربی۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت۔ حین۔ جبکہ۔ تاتی کا ظرف ہے۔ یقسمها۔ یعنی رحمت جب تقسیم ہو رہی ہو۔ علی حسب العصیان۔ گناہ کی مقدار اور تعداد کے مطابق۔ فی القسم۔ عنب کی قسمت کی جمع ہے۔ (حصہ) پس جو زیادہ گنہ گار ہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس کا حصہ زیادہ اور وافر ہو گا۔

۱۵۷

اے میرے رب میری اُمید کو اپنی بارگاہ میں ردّ نہ فرما اور
میرا گمان جو تیری رحمت سے متعلق ہے اسے منقطع نہ فرما

یارب۔ میری امید کے مطابق کیجئے۔ ناجعل رجائی۔ میری امید کو میری خواہش کے مطابق۔ غیر منعکس لدیك واجعل حسابی۔ میرا گمان تیرے بارے یہ ہے کہ تو میرے گناہوں کو بخشے گا۔ تحقیق تیرا ہی فرمان ہے۔ کہ میں بندے کے گمان کے مطابق ہوں۔ غیر منخرم۔ منقطع، قطع ہونے والا۔

١٥٨

وَالْطُفْ بِعَبْدِكَ فِي الدَّارَيْنِ إِنَّ لَهُ
صَبْرًا مَتَى تَدْعُهُ الْأَهْوَالُ يَنْهَزِمِ

(والطف) ارفق (بعبد فی الدارین) ثم أشار إلی وجهه (ان له) ای للعبد (صبراً) ضعیفاً (متی تدعه الاهوال) جمع هول من "هاله الشئ هولاً" أی افزعه ای الامور الهائلة (ینهزم) یفر وینعدم والشرطیة صفة للصبر یعنی اجعله[1] فی الدارین سلیماً عن المکاره لأن له صبراً لایتحمل الشدائد والمحن۔

١٥٩

وَأْذَنْ لِسُحْبِ صَلَوٰةٍ مِنْكَ دَائِمَةً
عَلَى النَّبِي بِمُنْهَلٍ وَمُنْسَجِمِ

(وأذن) امر من اذن له فی الشئ (لسحب) بالسکون، مخفف[2] سحب کنعق جمع سحاب (صلوٰة) رحمة کائنة (منك دائمة) تلك السحب[3] (علی النبی) متعلق (بمنهل) مصدر میمی من "انهل المطر انهلالاً": سال بشدة۔

(ومنسجم)[4] من سجم الدمع سجوماً: سال یعنی ائذن یارب لسحب الرحمة فی الانهلال والسیلان علی النبی صلی اللہ علیه وسلم۔

---

[1] سقطت فی الاصل والتکملة من ب۔

[2] وردت فی ب "مخفف"

[3] وردت فی ب: السحاب۔

[4] فی الاصل "منجسم" محرفاً۔

۱۵۸

اے رب دونوں جہاں میں اپنے بندے پر مہربانی فرما کیونکہ اسکا
صبر ایسا ہے کہ جب اسے مصیبتیں مقابلہ کیلئے بلاتی ہیں تو وہ بھاگ جاتا ہے

والطف۔ نرمی کیجئے۔ بعبدك فی الدارین۔ (میرے بندے پر دونوں جہانوں میں)، پھر اپنے قول ان لہ سے اس کی طرف اشارہ کیا۔ ان لہٗ۔ بندے کیلئے۔ صبراً۔ کمزور۔ متی تدعة الاھوال۔ ھول کی جمع ہے۔ ھالة الشیٔ ھولاً سے ماخوذ ہے۔ یعنی اس کو ڈرایا ہیبت ناک امور نے۔ ینھزم۔ فرار ہوتا اور دوڑتا ہے۔ شرطیہ صبر کی صفت کی ہے۔ یعنی دونوں جہانوں میں اس کو مصیبت سے سالم رکھ۔ اس لیے کہ اس کا صبر سختیوں اور امتحانات کو برداشت نہیں کر سکتا۔

۱۵۹

اور اپنی دائمی رحمت کے بادلوں کو حکم فرما کہ وہ نبی کریم
رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے لگاتار برستے رہیں۔

واذن۔ امر ہے۔ اذن لہٗ فی الشیٔ۔ اس کو کسی چیز کے بارے حکم دیا۔ لسحب۔ سکون کے ساتھ مخفف سحب عنق کی طرح ہے۔ سحاب کی جمع ہے۔ صلوۃ۔ موجود اور ثابت رحمت۔ منك دائمة۔ وہ بادل۔ علی النبی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر متعلق ہے بمنھل۔ انھل المطر انھلالا سے مصدر میمی ہے۔ شدت سے بہنا۔

ومنسجم۔ سجم الدمع سجوماً۔ بہا۔ یعنی اے پروردگار اجازت دیجئے۔ رحمت کے بادلوں کو کہ صلوۃ وسلام کی موسلا دھار بارشیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر برسا دے۔

١٦٠

وَالآلِ وَالصَّحْبِ ثُمَّ التَّابِعِينَ لَهُمْ
اَهلِ التُّقَى وَالنُّقَى وَالْحِلْمِ وَالْكَرَمِ

(و) على (الآل) واختلف فى آله صلى الله عليه وسلم، ففى قول آله من حرمت عليه الزكوٰة وهو بنو هاشم و بنو عبد المطلب، و فى قول آله فاطمة رضى الله عنها والحسن والحسين وعلى و أخواه جعفر وعقيل و أعمامه عباس وحمزة والحارث بن عبد المطلب و اولاد هؤلاء رضى الله تعالى عنهم أجمعين، وقيل، كل تقى آله، كذا فى المفاتيح[1] فى باب الصلوٰة على النبى صلى الله عليه وسلم۔

(و) على (الصحب) الذين ورد فيهم: اكرموا أصحابى فإنهم خياركم[2] والصحب اسم جمع لصاحب وجمعه الأصحاب، والمستعمل فى موضع المفرد الصحابى المنسوب إلى الصحابة، وهو فى الأصل مصدر جاء بمعنى الاصحاب، والصحابى من لقى النبى صلى الله عليه وسلم من الثقلين مؤمناً به وموته على السلام۔

ثم على (التابعين لهم) للصحب والآل الذين ورد فيهم: لاتمس النار مسلماً رآنى أو رأى من رآنى[3] والتابعى كل مسلم لقى صحابياً۔

(اهل التقى) صفة للمجموع أى أهل التقوى، وتقى كهدى (و) اهل (النقى) أى

---

[1] انظر: مرقاة المفاتيح ٢/٣٣٧ باب الصلوٰة على النبى صلى الله عليه وسلم۔

[2] راجع: مشكوٰة المصابيح ٥٥٤، باب مناقب الصحابة۔

[3] اخرجه الترمذى من حديث جابر بن عبد الله المناقب ٢/٢٢٦ باب ما جاء فى فضل من رأى النبى صلى الله عليه وسلم۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل، صحابہ کرام اور تابعین پر
جو پرہیزگار پاکباز، بردبار اور کرم والے ہیں

و۔ (اور) پر۔ الال۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں اختلاف ہے۔ ایک قول آل کے بارے میں یہ ہے۔ جس پر زکوٰۃ حرام ہو۔ وہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آل سے مراد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور ان کے بھائی جعفر، عقیل اور اعمام عباس، حمزہ، حارث بن عبدالمطلب اور اس کی اولاد رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور بعض نے کہا۔ ہر متقی آپ کی آل میں داخل ہے۔ اسی طرح مفاتیح میں ہے۔ باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

و۔ (اور) پر۔ الصحب۔ وہ جن کے بارے آیا۔ اکرموا اصحابی فانھم خیارکم میرے صحابہ کی عزت کرو۔ وہ تم میں سے بہتر ہیں۔ اور لفظ صحب صاحب کیلئے اسم جمع ہے۔ اور اس کی جمع اصحاب ہے۔ مفرد طور پر مفرد صحابی استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ لفظ صحابہ کی طرف منسوب ہے۔ اور یہ اصل میں مصدر ہے۔ جو اصحاب کے معنی میں آیا ہے۔ اور صحابی اس کو کہتے ہیں جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو۔ ایمان کی حالت میں اور اسلام کی حالت میں دنیا سے انتقال کیا ہو۔

ثم۔ پھر پر۔ التابعین لھم۔ صحابہ کرام اور وہ آل جن کے بارے آیا۔ اس مسلمان کو آگ مس نہیں کرے گی جس نے مجھے دیکھا۔ یا اس کو دیکھے۔ جس نے مجھے دیکھا۔ والتابعی۔ وہ مسلمان ہے جس نے صحابی سے ملاقات کی ہو۔

اھل التقی۔ جمع کی صفت ہے۔ یعنی اہل تقویٰ۔ تقیٰ ھدیٰ کی طرح ہے۔ واھل

النظافة، کسعاد ممدود، قصر للضرورة (و) أهل (الحلم والكرم)

۱٦۱

مَا رُنِّحَتْ عَذَبَاتُ الْبَانِ رِيحُ صَبًا
وَأَطْرَبَ الْعِيسَ حَادِي الْعِيسِ بِالنَّغَمِ

(ما) دام ظرف اىٔ اذن أو بمهل (رنحت) على صيغة المجهول، فى الصحاح[1] رنح عليه ترنيحاً، على ما لم يسم فاعله أى غشى عليه أو اعتراه وهن فى عظامه فتمايل أى مادام ميلت.

(عذبات البان) أغصانه، وهو ضربٌ[2] من الشجر أمالته (ريح صبا) صبا ريح يهب من موضع مطلع الشمس اذا استوى الليل والنهار (و) مادام (اطرب) أدخل فى الطرب[3]. خفة تصيب لشدة سرور، (العيس) بالكسر، الابل البيض يخالط بياضها شئ من الشقرة أى الحمرة.

(حادى العيس) أى سائقها ومغنيها، من الحدو[4]، وهو سوق الابل و[5] الغناء لها (بالنغم) كعلم جمع نغمة، وهو الصوت الخفى، والمراد الصوت الموزون، وفى ابتداء القصيدة بالبكاء للعشق وختمها بالنغم والطرب رمز الى أن بكل عسير يسيراً وأن العشق سائق بالآخرة الى البهجة والسرور وموجب للارتياح والنور[6] والمراد بالتعليق التأبيد لأنه اذا علق شئ بما له امتداد يراد به التأبيد لا الانتهاء بانتهائه - (والله تعالى أعلم)

---

[1] راجع، الصحاح ۲/۲۷٥ تحت المادة "رنح" [2] فى الاصل مخروم والتكملة من "ب"

[3] كذا فى الاصل والاجود أن يقال، وهى خفة [4] فى الاصل: الحد، والتصويب من "ب"

[5] سقطت من الاصل والصواب اثباتها [6] وردت فى ب: السرور -

نقی یعنی پاکیزہ اور نظافت۔ سعد کی طرح ہے۔ یہ محدود ہے۔ لیکن ضرورت کے تحت مقصود کیا گیا۔ د۔ اھل۔ الحلم والکرم۔ برداشت اور عزت والے۔

۱۶۱

جب تک بادِ صبا بان درخت کی شاخوں کو ہلاتی رہے
اور جب تک حُدی خواں اپنے نغمات سے سفید اونٹوں کو مست کرتا رہے

ما۔ جب تک۔ ائذن بمنزل کا ظرف ہے۔ د نحت۔ مجہول کے صیغے کے ساتھ آیا۔ صحاح میں۔ دنح علیہ ترنیحا۔ مفعول مالم یسم فاعلہ یعنی اس کے اوپر غشی طاری ہوئی یا اس کی ہڈیوں میں کمزوری ظاہر ہوئی۔ تو پھر جھک گئیں۔ یعنی جب تک کہ جھک گئیں۔

عذبات البان۔ اس کی ٹہنیاں یہ درخت سے مثال ہے۔ اس کا قائل ہونا جھک جانا۔ ریح صبا۔ باد صبا مشرق کی طرف سے چلتی ہے۔ جب دن اور رات برابر ہو۔ و۔ (اور) جب تک۔ اطرب۔ خوشی اور طرب میں داخل کیا۔ جو زیادہ خوشی سے حاصل ہو۔ العیس۔ زیر کے ساتھ۔ وہ سفید اونٹ جس کی سفیدی میں سرخی داخل ہو۔

حادی العیس۔ ہانکنے والا۔ حادی کا لفظ حدو سے بنا ہے۔ اور اونٹ کے سوق کو کہتے ہیں۔ اور غنا بھی اس کیلئے۔ بالنغم۔ علم کی طرح نغمۃ کی جمع ہے اور پوشیدہ آواز کو کہتے ہیں۔ اور اس سے مراد موزوں آواز ہے۔ اور ابتداء قصیدہ میں عشق کے رونے کیلئے اور ختم کرتے وقت نغمگی اور طرب کیلئے استعمال کیا۔ اس لیے کہ ہر مشکل آسان ہے اور عشق آخرت کے ذریعے بھجت و سرور کے ساتھ ہانکا جانے والا ہے۔ اور راحت و نور کا موجب ہے۔ اور یہاں پر تعلیق سے تابید مراد ہے۔ اس لیے کہ جب کسی چیز کو محال کے ساتھ معلق کیا جائے۔ اس کھینچنے کو تابید کہتے ہیں۔ نہ کہ انتہا۔ اس انتہا اور آخر و انجام کے ساتھ۔ واللہ اعلم۔

قد استراح من كدّ[1] الانتهاض بمسودة هذا الشرح العبد جمال" الجنابي[2]" وفقه الله سبحانه وتعالى لتخليص النية عن شوب الأغراض وجعله فارغاً عن مطالبة الاعواض. قبيل ظهر يوم الثلاثاء، الخامس عشر من جمادى الآخرة، المنتظم فى سلك سنة[3] ٩٩٩ھ تسع وتسعين وتسع مئة تمت بالخير والظفر۔

قد حصل الفراغ من تسويد هذا الكتاب المستطاب المسمى بشرح قصيدة البردة من تاليف زبدة العارفين، قدوة السالكين، محى سنن سيد المرسلين العارف بالله، الزاهد فى الدنيا والراغب إلى الله مولانا جمال الله ساكن موضع كيليانواله، نور الله مرقده وبرد الله مضجعه، قبيل الزوال يوم الاثنين، السابع والعشرين من شهر الصفر فى سنة ١٣٠٤ أربع وثلاث مائة و ألف من هجرة نبى آخر الزمان عليه وعلى آله وأصحابه من الصلوات أفضلها ومن التحيات أكملها۔

والحمد لله رب العالمين۔

[1] الاصل محروم والتكملة من "ب"

[2] التكملة من "ب"

[3] كذا فى الأصل وفى ب: شهور۔

یا اللہ جل جلالہٗ　بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ　یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شجرہ شریف نسبی

حضرت مولا علی شیر خدا مشکل کشا حیدر کرار فاتح خیبر رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا امام حسین ابن علی رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا امام حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت سید عبد المخلص رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید موسیٰ جون رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید محمد یحییٰ زاید رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید محمد عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید محمد ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید محی الدین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید شاہنے شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید یحییٰ شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیدنا پیر نصیر الدین چراغ روشن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیدنا جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ — حضرت سیدنا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ

المعروف حضرت لال جمال بخشی رسول رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید پیر محمد لطیف شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید شاہ مرزا شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید محمد سعید شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر سید شہابل شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر سید سیف الرحمن شاہ رحمۃ اللہ علیہ — حضرت خواجہ پیر بخش شاہ بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر سید محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر سید فتح محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر سید غلام عمر شاہ رحمۃ اللہ علیہ — حضرت پیر سید غلام حیدر شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر سید غلام احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر سید میراں بخش رحمۃ اللہ علیہ — حضرت پیر حیات محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر سید احمد دین شاہ رحمۃ اللہ علیہ — حضرت پیر سراج الدین سراج شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمد طفیل مظہر جمال سرکار رحمۃ اللہ علیہ

صاحبزادہ پیر خواجہ کرامت علی — صاحبزادہ خواجہ بشارت علی رحمۃ اللہ علیہ — صاحبزادہ رحمت علی — صاحبزادہ ارشد جمال

☆======☆



دربارِ عالیہ:

شیخ جمال ابن نصیر چنابی عرف حضرت لال جمال بخشی رسول رحمۃ اللہ علیہ

نت خیر دی خیر منان عاشق بناں خیر دے خیر آثار نائیں   خیر منگ جمال شاہ قلندر تھیں سودا نقد سراج اُدھار نائیں



دربارِ عالیہ:

شیخ جمال بن نصیر چنابی عرف حضرت لال جمال بخشی رسول رحمۃ اللہ علیہ